فتاویٰ نوریہ

فقیہ اعظم ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز

شعبہ تصنیف و تالیف

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ضلع اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰه نور السمٰوٰت والارض

مثل نوره كمشكٰوة فيها مصباح المصباح في زجاجة الزجاجة كانها كوكب دري يوقد من شجرة مبٰركة زيتونة لا شرقية ولا غربية يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار نور على نور يهدي اللّٰه لنوره من يشاء ويضرب اللّٰه الامثال للناس واللّٰه بكل شيء عليم

بلغ العلى بكماله

كشف الدجى بجماله

حسنت جميع خصاله

صلوا عليه وآله

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین

فتاویٰ نوریہ

جلد دوم

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی القادری

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

ترتیب وتدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج ابوالفضل محمد نصر اللہ صاحب نوری

ناشر

شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

يَسْتَفْتُونَكَ ط

قُلِ اللَّهُ

يُفْتِيكُمْ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین

فتاویٰ نوریہ

جلد دوم

تصنیف

شیخ الحدیث فقیہ اعظم مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی القادری

بانی دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

ترتیب و تدوین

استاذ الفقہ والحدیث حضرت مولانا علامہ الحاج ابوالفضل محمد نصر اللہ صاحب نوری

ناشر

شعبہ تصنیف و تالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

بصیر پور، ضلع اوکاڑہ

کتاب	---	فتاویٰ نوریہ
جلد	---	دوم
تصنیف	---	حجۃ الاسلام حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز
تدوین	---	حضرت علامہ ابوالفضل محمد نصراللہ نوری رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب نو وتعارف ابواب	---	(صاجزادہ) محمد محب اللہ نوری
اشاعت اول	---	۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
اشاعت دوم	---	۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء
اشاعت سوم	---	شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ/جنوری ۱۹۹۴ء
اشاعت چہارم	---	جمادیٰ اخریٰ ۱۴۲۱ھ/ستمبر ۲۰۰۰ء
اشاعت پنجم	---	رجب المرجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء
اشاعت ششم	---	ذیقعدہ ۱۴۳۰ھ/اکتوبر ۲۰۰۹ء
صفحات	---	۷۷۶
مطبع	---	،لاہور
ناشر	---	شعبہ تصنیف وتالیف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا
قیمت	---	۴۰۰ روپے

فتاویٰ نوریہ کے سٹاکسٹ

1. انجمن حزب الرحمٰن، بصیر پور شریف ضلع اوکاڑا
2. ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
3. فرید بک سٹال پبلی کیشنز، 38-اردو بازار، لاہور
4. شبیر برادرز پبلی کیشنز، 40-اردو بازار، لاہور

ISBN 969-9079-07-8

9789699079078

نقش آغاز

حجۃ الاسلام سیدی فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل شہرۂ آفاق تصنیف 'فتاویٰ نوریہ اس دور کی عظیم فقہی کتاب ہے' جس کی اہمیت و افادیت دائمی اور آفاقی ہے ---- تاریخ فتاویٰ میں اسے ایک منفرد مقام حاصل ہے ---- اس میں جدید و قدیم مسائل کا حل اس خوبی سے پیش کیا گیا ہے کہ ارباب علم و دانش اس کے دلائل و براہین کو حرز جاں بنائے بغیر نہیں رہ سکتے ---- حقیقت ہے کہ یہ فتاویٰ علم کا ایک وسیع سمندر، قرآن کریم اور احادیث مصطفوی کا بیش بہا گنجینہ اور اسلامی علوم و معارف خصوصاً فقہ کا نہایت قیمتی خزینہ ہے ----

فتاویٰ نوریہ کا دوسرا حصہ 'عرصہ سے نایاب تھا' اب بحمد اللہ تعالیٰ اسے بڑے سائز پر نئے انداز میں شائع کیا جا رہا ہے ----

فتاویٰ نوریہ کی پہلی دو جلدیں برادر گرامی شیخ الفقہ والحدیث علامہ ابو الفضل محمد نصر اللہ

نوری قدس سرہ العزیز (م ۱۹۷۸ء) نے مرتب فرمائی تھیں، جب کہ بقیہ چار جلدوں کی ترتیب و تبویب کی ذمہ داری احقر کو انجام دینا پڑی -----

فتاویٰ نوریہ کی دوسری جلد، پہلی بار ۱۹۷۷ء میں ۸ / ۱۸X۲۲ سائز پر اشاعت پذیر ہوئی ----- اس کا دوسرا ایڈیشن برادر گرامی کے وصال کے بعد ۱۹۸۸ء میں نسبتاً بڑے سائز (۸ / ۲۰X۲۶) میں شائع ہوا تو اس کے آغاز میں صاحبِ فتاویٰ کے حالات اور آخر میں فتاویٰ نوریہ کی تقریب تعارف (منعقدہ ۴ / جون ۱۹۸۰ء، نیشنل سنٹر، لاہور) میں پڑھے گئے ممتاز علماء اور سکالرز کے مقالات (۱) کا اضافہ کر دیا گیا ----- اب زیر نظر اشاعت میں حسب ذیل ترامیم کی جا رہی ہیں :

- اسے بڑے سائز (۸ / ۲۰X۳۰) میں شائع کیا جا رہا ہے، اب فتاویٰ کی تمام جلدیں اسی سائز میں دستیاب ہیں -----
- پہلے ایڈیشن میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی تھیں، اس اشاعت میں صحت و درستی کی مقدور بھر سعی کی گئی ہے، بعض مقامات پر ضروری حوالہ جات اور مفید تعلیقات کا اضافہ کیا گیا ہے -----
- فہرست کو عام فہم بنانے کی کوشش کی گئی ہے -----
- ترتیب میں ممکنہ حد تک حسن پیدا کیا گیا ہے -----
- یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ ہر باب اور رسالہ نئے صفحے سے شروع ہو، نیز فتاویٰ میں شامل تمام کتب اور اہم ابواب کا تعارف پیش کر دیا گیا ہے، جس سے موضوع کے بارے میں ایک اجمالی خاکہ قاری کے ذہن نشین ہو جاتا ہے -----

---

(۱) ..... یہ تمام مقالات نئے ایڈیشن سے حذف کر دیئے گئے ہیں، اب یہ مقالات فتاویٰ نوریہ جلد ششم کے آخر میں شامل کر دیئے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ ----- (محب)

کتاب کے آخر میں تین فہرستوں کا اضافہ کیا گیا ہے:

۱۔۔۔۔ فہرست آیات کریمہ

۲۔۔۔۔ فہرست احادیث مبارکہ

۳۔۔۔۔ فہرست مآخذ و مراجع

فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں زکوٰۃ، عشر، روزہ، رویت ہلال، اعتکاف، حج، نکاح اور رضاعت وغیرہ مسائل سے متعلق ۴۳۲ استفتاءات ہیں، جن میں ضمناً کم و بیش چھ صد فقہی جزئیات و مسائل آگئے ہیں۔۔۔۔۔۔

اس جلد میں تین مستقل رسائل شامل ہیں:

۱۔۔۔۔ روزہ اور ٹیکہ

۲۔۔۔۔ افادۃ المعتبر لو کد الامر

۳۔۔۔۔ حرمت المصاہرۃ ترفع المناکحۃ

زیر نظر اشاعت نو میں جن حضرات نے معاونت فرمائی ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں، دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے مدرسین مولانا قاری محمد اسد اللہ نوری اور مفتی محمد لطف اللہ اشرفی نوری نے از سر نو پروف ریڈنگ کی۔۔۔۔۔۔ نیز مؤخر الذکر نے اصل مآخذ سے مراجعت کے بعد مآخذ و مراجع کی فہرست مرتب کی، جس میں مصنف، مطبع، سن اشاعت اور مصنف کے سن وصال کی تفصیل آگئی ہے۔۔۔۔۔۔

عزیزم محمد ساجد نوری متعلم دار العلوم ہذا نے فتاویٰ نوریہ میں درج آیات اور احادیث کی فہرستیں تیار کیں، نیز احادیث کی تخریج کا کام سر انجام دیا۔۔۔۔۔۔

مولانا صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری اور مولانا محمد یوسف نوری نے بڑی دل جمعی سے پیسٹنگ کی اور فتاویٰ کو حسن صوری سے آراستہ کیا، نیز اول الذکر نے جملہ طباعتی امور بڑی

لگن اور دلچسپی سے انجام دیے------

پروفیسر خلیل احمد نوری اور مولانا محمد منشاء تابش قصوری نے مفید مشوروں سے نوازا اور یوں یہ علمی وفقہی گلدستہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہا ہے------

ہم نے اس جلد کی تصحیح وتزئین کی مقدور بھر سعی کی ہے تاہم اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو اسے ہماری کوتاہی پر محمول کیا جائے------

اللہ رب العزت جل جلالہ صاحب فتاویٰ نوریہ کے درجات بلند کرے اور جادۂ حق کے مسافروں کو آپ کے علمی فیضان سے مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور فتاویٰ نوریہ کے نور کو عام فرمائے------

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و صحبہ اجمعین

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

سجادہ نشین آستانہ عالیہ نوریہ قادریہ

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف (اوکاڑہ)

فہرست

مشمولات

خریدی = منگل 04/05/2010

جمادی الاول ۱۴۳۱ ہجری

اجمالی فہرست کتب وابواب

فتاویٰ نوریہ جلد دوم

فہرست فتاویٰ نوریہ جلد دوم

نمبر شمار	فہرست مسائل	صفحہ نمبر
	کتاب الزکوٰۃ	۸۷
۱	تعارف کتاب الزکوٰۃ-----	۹۱ تا ۹۹
۲	چاندی کا نصاب (۵۰ : ۵۲) ساڑھے باون تولے اور سونے کا نصاب (۵۰ : ۷) ساڑھے سات تولہ ہے-----	۱۰۱
۳	چاندی سونے کے برتنوں ڈلی اور زیورات پر زکوٰۃ ہے-----	۱۰۱
۴	نوٹوں پر، جب تک چلتے رہیں زکوٰۃ ہے-----	۱۰۱
۵	پیسوں میں اگر چاندی غالب ہو تو بند ہونے کے بعد بھی زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں-----	۱۰۱
۶	اونٹ گائے اور بکری وغیرہ کے نصاب زکوٰۃ کے شرائط کا بالاختصار بیان-----	۱۰۱
۷	نوٹ کی زکوٰۃ میں چاندی کا اعتبار ہے-----	۱۰۱
۸	وہ رقم جو حکومت مشاہرات ملازمین سے ہر ماہ رکھ لیا کرتی ہے، اس پر زکوٰۃ نہیں-----	۱۰۵

باب رؤیۃ الہلال

کتاب الحج

صفحہ نمبر	مسائل	نمبر شمار
۶۵۴	**باب الولی**	
۴۰۵	صغیرہ کا نکاح باپ دادا کرے تو بعد البلوغ کسی کی ولایت نہیں------	۳۶۲
۵۹۷	نابالغ پر باپ کی ولایت نظریہ ہے ضرر محض کا مختار نہیں-----	۳۶۳
۶۵۶	بالغہ باختیار خود بغیر رضائے ولی نکاح کر سکتی ہے-----	۳۶۴
۶۵۷	عاقلہ بالغہ کنواری یا بیوہ کی اجازت کے بغیر کسی ولی کو اس کا نکاح کرنے کی اجازت نہیں-----	۳۶۵
۶۵۸	عورت کی ناپسندیدگی کی صورت میں اگر ولی نکاح کر دے تو خود مختار عورت پر لازم نہیں ہوگا------	۳۶۶
۶۵۸	عورت بالغہ کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے والا باپ ظالم ہے-----	۳۶۷
۶۷۱	عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر اس کی رضا کے نہیں اگرچہ جبر کرنے والا باپ یا بادشاہ ہی ہو-----	۳۶۸
۶۷۶	صغیرہ یا مجنونہ کا نکاح ولی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا-----	۳۶۹
۶۷۸	چچوں کے ہوتے ہوئے ان کی مرضی کے خلاف ماں کا کیا ہوا نکاح معتبر نہیں-----	۳۷۰
۶۸۰	حمیت جاہلہ یا طمع وغیرہ کی وجہ سے باپ کا سوء اختیار ظاہر ہو تو اس کا عقد جائز نہیں-----	۳۷۱
۶۸۲	مزنیہ منکوحہ کی لڑکی پر زانی کا کوئی حق ولایت نہیں-----	۳۷۲
۶۸۴	حقیقی خاوند ہی مزنیہ منکوحہ کی اولاد کا باپ ہے-----	۳۷۳

نمبر شمار	مسائل	صفحہ نمبر

مسائل طلاق

فوائد متفرقہ

اصول فقہ وحدیث وفتویٰ

فوائد نحویہ

تاریخ کتبِ فقہ و فقہائے کرام

قطعات تاریخ

چند ممتاز اہل علم مستفتین

فتاویٰ نوریہ کی دیگر خصوصیات کے علاوہ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہاں اس میں معاشرے کے عام شعبہ ہائے زندگی سے متعلقہ حضرات نے استفتاءات کیے ہیں، وہیں بحر علوم و معارف کے شناوروں کی کثیر تعداد بھی اس کے مستفتین کی فہرست میں نظر آتی ہے اور یہی بات اسے دیگر معاصر فتاویٰ جات سے ممیز کرتی ہے اور اس کے ظاہری و باطنی حسن میں اضافہ کا باعث ہے-----

زیر نظر فتاویٰ نوریہ جلد دوم کے چند قابل ذکر علمی مقام کے حامل مستفتین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

۱ علامہ قاضی غلام محمود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، جہلم، صفحہ ۱۰۳، ۵۷۹، ۵۸۳

۲ مولانا عبدالکریم علیہ الرحمۃ، حجرہ شاہ مقیم، صفحہ ۱۲۳

۳ حضرت مولانا ابوالانعام مفتی محمد رمضان الحقق النوری علیہ الرحمۃ، بانی دارالعلوم قادریہ نعیمیہ حویلی لکھا، صفحہ ۱۳۷

۴ علامہ مفتی ابوالیسر محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ، سابق خطیب بوریوالا ٹیکسٹائل ملز، بوریوالا، صفحہ ۲۱۷، ۶۷۵

۵ صاحبزادہ مولانا سید اختر حسین شاہ جماعتی علیہ الرحمۃ، علی پور سیداں، صفحہ ۲۳۷

۶ حضرت علامہ ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ، بصیر پور شریف، (آپ نے سفر زیارت وحج کے موقع پر مدینہ منورہ سے استفتا بھیجا تھا)، صفحہ ۲۷۱

۷ مناظر اہل سنت مولانا محمد سعید اسعد، فیصل آباد، صفحہ ۳۰۲

۸ علامہ رحمت علی مدنی علیہ الرحمۃ، مدینہ منورہ، صفحہ ۳۰۶

۹ استاذ العلماء، مولانا منظور احمد علیہ الرحمۃ، بانی دارالعلوم غوثیہ جنڈاں والا، (خوشاب)، صفحہ ۳۳۸

۱۰ علامہ مفتی غلام معین الدین علیہ الرحمۃ، مدیر سواد اعظم لاہور، نائب ناظم جمعیت علماء پاکستان، تلمیذ وخلیفہ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ، صفحہ ۳۴۳

۱۱ خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری قصوری علیہ الرحمۃ، صفحہ ۴۵۰

۱۲ شیخ الحدیث علامہ ابوالبیان غلام علی اوکاڑوی علیہ الرحمۃ، اوکاڑہ، صفحہ ۴۸۳

۱۳ مولانا محمد منشاء تابش قصوری، مرید کے، صفحہ ۴۴۴، ۵۲۸

۱۴ حضرت مولانا مفتی نصیر الدین رکن پوری علیہ الرحمۃ، رکن پورہ، صفحہ ۶۴۱

۱۵ مناظر اسلام مولانا علامہ غلام مہر علی، منڈی چشتیاں، صفحہ ۶۵۰

۱۶ دفتر ہفت روزہ سواد اعظم لاہور، صفحہ ۴۰۶

۱۷ دار الافتاء، جامعہ رضویہ ضیاء العلوم، راولپنڈی، صفحہ ۱۷۸

۱۸ دار الافتاء، دار العلوم نعیمیہ، کراچی، صفحہ ۱۹۶

❁❁❁❁❁

فقیہِ اعظم قدس سرہٗ

قرنہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اُویس اندر قرن

علم و فضل کے پیکر رعنا

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری قدس سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدا و مصلیا و مسلما

حضرت فقیہ اعظم مولانا محمد نور اللہ صاحب قدس سرہ کی ذات والا صفات جامع کمالات تھی۔ آپ کا علمی تبحر، آپ کی فقہی بصیرت، آپ کا پاکیزہ کردار اور عمر بھر خدمت دین کی پُر خلوص جدوجہد، آپ کی وہ خصوصیات ہیں، جن میں عہد حاضر میں شاید ہی کوئی ان کی ہم سری کا دعویٰ کر سکتا ہو۔ علم و فضل کے پیکر رعنا ہونے کے باوجود ان کی تواضع اور ان کے انکسار نے انہیں اہل علم و نظر کی آنکھوں کا تارا بنا دیا تھا۔

آپ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، ان میں آپ کا قائم کردہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ اور آپ کے فتاویٰ نوریہ کی متعدد جلدیں تا ابد ان کے علمی اور فقہی انوار سے تاریک دلوں کو منور کرتی رہیں گی اور سالکان راہ محبت کے لئے خضر راہ کا کام دیتی رہیں گی۔

جب کبھی ان کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے تو ذہن کو اطمینان اور دل کو جلا نصیب ہوتی ہے۔ پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ ہستی جو عمر بھر ہنگامہ ہائے روزگار سے دامن کش رہی، اس نے کس طرح جدید تقاضوں کا صحیح ادراک کیا اور ان کی روشنی میں اپنی فقیہانہ، دور رس بصیرت سے جدید مسائل کے ایسے حل پیش کیے، جنہوں نے جدید و قدیم دونوں طبقات کو مطمئن کر دیا اور ہر ایک کے لوح قلب پر فقہ اسلامی کی برتری کا ایسا نقش ثبت کیا، جس کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کرتی رہے گی۔

ہم صدق دل سے دست بدعا ہیں کہ اللہ رب العزت ان کے دست مبارک سے لگائے ہوئے پودے دار العلوم حنفیہ فریدیہ کو تا ابد سر سبز و شاداب رکھے اور اس دار العلوم کو رشد و ہدایت کا مرکز بنائے تاکہ اس چشمۂ شیریں سے تشنگان علم ہمیشہ ہمیشہ سیر اب ہوتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے صاحبزادگان خصوصاً صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری صاحب کو عمر دراز عطا کرے اور اپنے والد ماجد کے عدیم المثال محامد و محاسن کا صحیح وارث بنائے، ان کو عمر خضر عطا فرمائے اور انہیں توفیق بخشے کہ وہ اپنے والد ماجد قدس سرہ کی روشن کی ہوئی اس شمع کو روشن رکھیں، اپنے حسن عمل اور بلندی کردار سے اس کی تابانیوں میں اضافہ کرتے رہیں۔

افقہ العلماء

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی قدس سرہ العزیز

مخدوم العلماء حضرت علامہ مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عصر حاضر کے محدث ہی نہیں، بلکہ ایک صاحب طرز فقیہ اور عظیم المرتبت شیخ طریقت بھی تھے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، معانی اور کلام وغیرہ علوم آپ کی شخصیت میں مبداء فیاض کی عنایات سے جمع تھے۔.......... اگر دیگراں علماء اند او اعلم العلماء بود------ اگر دیگراں فضلاء اند او افضل الفضلاء بود------لوگ فقیہ اعظم کہتے ہیں لیکن میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ اگر دیگراں فقہاء اند او افقہ الفقہاء بود...... اگر دیگراں اصفیاء اند او رئیس الاصفیاء بود...... اگر دیگراں مشائخ اند او شیخ المشائخ بود...... فتویٰ کے اندر اگر میں یہ کہوں کہ وہ اصحاب ترجیح سے تھے تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کے فتووں کے اندر اجتہادی شان ہے، مجتہدانہ بصیرت ان کو حاصل تھی، ویسے تو "لا بد للمفتی ان یکون مجتھدا" ہر مفتی کے لئے مجتہد ہونا ضروری ہے لیکن حضرت فقیہ اعظم کے فتاویٰ کی اپنی شان ہے، ان کی بعض تحقیقات سے کسی کو اختلاف ہو تو الگ بات ہے لیکن ان کی فقاہت اور ثقاہت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

جہاں حضرت کی حیات ظاہری میں ہزاروں علماء وفضلاء نے آپ کے چشمۂ علم سے سیرابی حاصل کی، وہاں بے شمار لوگ روحانی طور پر بھی آپ سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا روحانی فیض جاری رہے گا۔

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

حضرت فقیہ اعظم
قدس سرہ العزیز

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

مجمع علم وعرفاں، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت فقیہ اعظم مفتی ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی، نسباً ارائیں، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۶؍رجب المرجب ۱۳۳۲ھ، بمطابق ۱۰؍جون ۱۹۱۴ء کو تحصیل دیپال پور کے مضافات موضع سوجے کی میں ہوئی۔۔۔ ولادت سے قبل آپ کے بزرگوں کو دین مصطفوی کی شمع فروزاں کرنے والی عظیم شخصیت کے ظہور کی متعدد بشارتیں بذریعہ خواب اور بذریعہ مختلف اولیاء کرام مل چکی تھیں۔۔۔

تعلیم و تربیت

آپ کے والد ماجد زبدۃ الاصفیاء مولانا ابوالنور محمد صدیق چشتی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) اور جد امجد حضرت مولانا احمد دین علیہ الرحمۃ (م ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء) نے اپنی نگرانی میں تعلیم و تربیت کا آغاز

فرمایا---اسی اثناء میں آپ کو ایک ماسٹر صاحب کے پاس پڑھنے کے لیے بٹھایا گیا، لیکن آپ نے یہ کہہ کر پڑھنے سے انکار کر دیا کہ میں کسی داڑھی منڈانے والے (تارک سنت اور فاسق) استاد سے نہیں پڑھ سکتا---قرآن کریم اور فارسی کی تعلیم اپنے والد مکرم اور جد امجد سے حاصل کرنے کے بعد سلف صالحین کی سنت کے مطابق طلب علم کے لیے سفر شروع کیا---آپ نے بڑی جاں فشانی سے کام لیتے ہوئے متحدہ ہندوستان کے دور دراز مقامات پر جا کر متعدد علماء کرام سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کی---اس سلسلے میں استاد العلماء حضرت مولانا فتح محمد جیبوی محدث بہاول نگری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء) کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے دوران تعلیم محنت، لگن اور ذاتی مطالعہ سے وہ استعداد پیدا کی کہ اساتذہ بھی اس خداداد صلاحیت ولیاقت کے معترف تھے---

آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کے بعد ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لیا، جہاں شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) اور مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء) سے دورہ حدیث شریف پڑھا---حضرت محدث الوری دورۂ حدیث پڑھنے والوں کو اکثر فرمایا کرتے:

''اس بار تم مولانا محمد نور اللہ صاحب کی طفیل پڑھ رہے ہو''---

دورۂ حدیث مکمل کرنے کے بعد ۶/ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ، بمطابق ۲۳/ نومبر ۱۹۳۳ء کو سند و دستار فضیلت عطا کی گئی---اس موقع پر امام اہل سنت محدث الوری علیہ الرحمۃ نے آپ کو مطبوعہ سند کے علاوہ خصوصی اسناد سے بھی نوازا اور ابوالخیر کنیت عطا فرمائی---بعد میں مفتی اعظم مولانا ابوالبرکات علیہ الرحمۃ نے آپ کو فقیہ زماں، محدث دوراں، فقیہ العصر، فقیہ النفس (مجسمۂ فقاہت) مفتی اعظم اور فقیہ اعظم وغیرہ جلیل القدر القاب سے ممتاز فرمایا---جن کی تفصیل کے لیے احقر کی تصنیف ''سیدی ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکاتیب کے آئینے میں'' کا مطالعہ کیا جائے---ان گونا گوں اور متنوع القاب میں سے ''فقیہ اعظم'' کا لقب زبان زد خاص و عام ہے---اب فقیہ اعظم کہا جائے تو اہل علم اس سے آپ ہی کی ذات گرامی مراد لیتے ہیں---غازیٔ کشمیر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے ایک

گرامی نامہ میں حضرت کے نام کے ساتھ فقیہ اعظم کا لقب تحریر فرمایا---

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ نے اپنی فطری ذکاوت وذہانت سے زمانہ طالب علمی ہی میں ذاتی مطالعہ سے علوم درسیہ کے علاوہ متعدد علوم وفنون میں وہ مہارت حاصل کی کہ باید وشاید---

درس و تدریس

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا---اس سلسلے میں آپ نے بنگلہ فاضل کا (بھارت)، موضع واسو سالم، موضع سوجے کی وغیرہ مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں--- کچھ عرصہ اپنے استاذ گرامی حضرت محدث بہاول نگری علیہ الرحمۃ کے پاس ان کے مدرسہ مفتاح العلوم میں صدر مدرس رہے، پھر ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء میں تحصیل دیپال پور کے قصبے فرید پور میں دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نام سے مدرسے کی داغ بیل ڈالی---آپ کی قابلیت اور پُرتاثیر تدریس کا شہرہ عام ہونے لگا، جملہ علوم وفنونِ درسِ نظامیہ کی تدریس کا کام تنہا انجام دیتے رہے---کسی بھی فن کا درس ہوتا، طلبہ کے قلوب واذہان میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع فروزاں کرتے چلے جاتے---اسی مقام پر ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء میں بخاری شریف سے دورۂ حدیث کا آغاز فرمایا---یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ دورۂ حدیث کی اس پہلی جماعت میں دیگر تلامذہ کے علاوہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد صدیق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شریک درس تھے---

طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد ایک عظیم الشان علمی ادارے کی متقاضی تھی، جس کے لیے یہ جاگیردارانہ ماحول مناسب نہ تھا، اس لیے آپ ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۴۵ء میں بصیر پور میں تشریف لے آئے، یہ پس ماندہ علاقہ خصوصاً وہ خطۂ زمین جس پر اب دارالعلوم موجود ہے، قزاقوں کا مسکن تھا---آپ کے قدوم میمنت لزوم سے یہ خطہ علم وعرفان کا گہوارہ بن گیا---

دارالعلوم کی تعمیر وتاسیس سے عروج وارتقاء کے مرحلے طے کرنے میں آپ کو بڑے صبر آزما مراحل سے گزرنا پڑا، مگر آپ نے صبر واستقامت سے ہر آزمائش کا مردانہ وار مقابلہ کیا---آپ نے اپنی شبانہ روز محنت، پیہم لگن اور جہد مسلسل سے اسے عظیم یونی ورسٹی بنا دیا---یہ مدرسہ آج ایک عظیم الشان علمی مرکز کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کر چکا ہے---اس دارالعلوم کی عظمت کے آگے اہل علم وفضل کی گردنیں خم ہیں اور

احیاءِ دین کے ابواب اس مدرسے کے ذکر کے بغیر نامکمل دکھائی دیتے ہیں--- مدرسہ کی اسی (۸۰) کمروں، متعدد برآمدوں اور درس گاہوں پر مشتمل دو منزلہ عمارت، وسیع ہال کی صورت میں کتب خانہ اور خوب صورت مسجد قابل دید ہے--- حضرت فقیہ اعظم کے وصال کے بعد بھی بفضلہٖ تعالیٰ دار العلوم شاہراہ ترقی پر گامزن ہے--- دار العلوم میں دور حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق نئے زاویوں اور نئی جہتوں پر شب و روز کام جاری ہے--- چنانچہ اس وقت مدرسہ میں مکمل درس نظامی کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں میٹرک، ایف اے، بی اے، ایم اے، فاضل عربی، اے ٹی سی اور کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا گیا ہے، نیز طالبات کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے شعبۂ بنات بھی سرگرم عمل ہے---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے تقریباً پچاس سال قرآن وحدیث اور دیگر علوم وفنون کا درس دیا، اسباق کی پابندی فرمائی، تدریس سے آپ کو بڑا شغف تھا--- چنانچہ جب حج وزیارت کے لیے تشریف لے جاتے تو وہاں بھی تصوف وحدیث کا درس جاری رکھتے، اسی وجہ سے آپ محدثِ عرب وعجم کے لقب سے بھی مشہور تھے--- جب سنت یوسفی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جیل میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں بھی درس وتدریس کا کام رہا--- آپ نے درس حدیث کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رکھا، آپ سے فیض یافتگان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، جو ملک کے گوشے گوشے بلکہ بیرون ملک بھی درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور افتاء وتبلیغ کے ذریعے رشد وہدایت میں مصروف ہیں---

بیعت و خلافت

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے مرشد کامل کی جستجو کی--- چونکہ درس وتدریس کا شوق تھا، اس لیے خیال پیدا ہوا کہ کہیں لمبے لمبے وظیفوں کا ارشاد نہ ہو جائے، اس لیے آپ چاہتے تھے کہ ایسا رہبر ملے، جو شریعت وطریقت کا جامع ہونے کے ساتھ ساتھ اس زبوں حالی کے دور میں اشاعت علم کی اہمیت و ضرورت سے بخوبی آگاہ ہو--- غالباً ۱۹۴۱ء میں آپ حزب الاحناف کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے تو حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (وفات ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا--- اپنے والد گرامی اور حضرت مفتیٔ اعظم سید ابوالبرکات قدس سرہ العزیز کے مشورے سے حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے دست حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف ہوئے---

رہبر کامل نے خود ہی ارشاد فرمایا:

"مولانا! آپ کا وظیفہ درس و تدریس ہے"---

چنانچہ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے عمر بھر اس وظیفے کو حرز جان بنائے رکھا--- بیعت ہونے کے بعد سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ رمضان المبارک میں مراد آباد شریف حاضر ہوئے، یہاں حضرت صدر الافاضل نے آپ کو سلوک و معرفت کی مختلف منزلیں طے کرائیں، اپنے سلاسل حدیث کی اسناد، مختلف اشغال و اعمال اور اوراد و وظائف کی اجازت اور سلسلہ عالیہ قادریہ مکیہ کے علاوہ دیگر سلاسل میں بھی اجازت وخلافت سے نوازا--- اس تحریری اجازت نامے پر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ نے ۱۷ ر رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ (۲۸ ر ستمبر ۱۹۴۲ء، بروز پیر) کی تاریخ درج فرمائی---

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے علاوہ حضرت فقیہ اعظم کو اپنے گرامی قدر اساتذہ مولانا سید دیدار علی شاہ الوری، مفتیِ اعظم مولانا ابوالبرکات قادری اور حضرت محدث بہاول نگری رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اعمال و وظائف اور مختلف سلاسل طریقت کی اجازت حاصل تھی---

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کی شخصیت اس قدر پُرکشش تھی کہ ان کی خدمت میں حاضری دینے والا ہمیشہ کے لیے دامِ عقیدت و محبت میں گرفتار ہو جاتا--- آپ سے متاثر ہو کر کئی بد مذہب اپنی بدعقیدگی سے تائب ہو کر مسلک اہل سنت کے مبلغ بنے--- بے شمار لوگوں نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی، آپ کے مریدین و معتقدین پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی موجود ہیں---

تفقه فی الدین

"حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز اپنے دور کی نادر روزگار شخصیت تھے، علم و فضل، تقویٰ و طہارت، تنظیم و سیاست اور ہمت و استقامت میں یکتائے روزگار تھے، یوں تو تفسیر، حدیث اور دیگر تمام مروج علوم دینیہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، لیکن فقہ میں آپ کو تخصص کا درجہ حاصل تھا، اس لیے آپ کے ہم عصر اکابر علماء نے آپ کو فقیہ اعظم تسلیم کیا--- آپ کے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ کے مطالعہ سے آپ کی وسعت نظر، عمیق مشاہدہ، قوت استدلال اور جدت فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے"---

[محمد عبدالحکیم شرف قادری، مولانا، نور الحبیب، بصیر پور، شمارہ رجب ۱۴۰۳ھ]

آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، ملک اور بیرون ملک کے لوگ استفتاءات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے--- آپ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، انگریزی اور ہومیوپیتھی ادویات، جاں بہ لب مریضوں کے لیے عطیۂ خون، بچیوں کو لکھنے کی تعلیم دینے اور ریل گاڑی و ہوائی جہاز میں نماز وغیرہ عہد حاضر کے نئے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے---

فتاویٰ نوریہ کی زیر نظر جلد (دوم) میں بھی رؤیت ہلال، روزہ کی حالت میں انجکشن، بلغاریہ، ڈنمارک وغیرہ جہاں سال کے کچھ دن ایسے آتے ہیں جن میں غروب آفتاب کے بعد جلد ہی صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے اور بعض وہ علاقے (قطب شمالی اور قطب جنوبی) جہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، ایسے علاقوں میں نماز روزے اور دیگر تقریبات کے اوقات کا تعین، حج کے لیے تصویر کا جواز اور ایوبی دور میں عائلی قوانین پر مبنی پنجاب اسمبلی میں بیگم سلمیٰ کے پیش کردہ بل پر تحقیقی رائے ایسے متعدد فتوے ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے عصر حاضر کے چیلنج کو قبول کرتے ہوئے تحقیق کا حق ادا کیا---

جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ (سابق جج وفاقی شرعی عدالت، مہتمم دار العلوم نعیمیہ کراچی) نے ایک مرتبہ پچیس سے زائد مسائل پر مشتمل ایک سوال نامہ پاکستان کے اکابر علماء کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں انتقال خون، اعضاء کی پیوند کاری اور ٹیسٹ ٹیوب بے بی وغیرہ ایسے جدید مسائل کے بارے میں رائے طلب کی گئی تھی--- حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز ان چند بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے جواب کی زحمت برداشت کی--- بقول حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ:

"بلکہ صحیح یہ ہے کہ پوری دلچسپی سے معقول و مدلل جوابات صرف آپ ہی کے تھے" --- [مکتوب بنام مولانا شبیر احمد ہاشمی، محررہ ۶ رمئی ۱۹۸۳ء]

جواد مطلق نے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کو جس فقہی بصیرت سے بہرہ ور فرمایا تھا، اس کے بارے میں شارح مسلم، علامہ غلام رسول سعیدی، شیخ الحدیث کراچی رقم طراز ہیں:

"حضرت فقیہ اعظم اپنے وقت کے عظیم محدث اور فقیہ تھے، آپ مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے، آپ کے مطالعہ کی وسعت بے پناہ تھی، جب کسی مسئلہ پر قلم اٹھاتے تو حوالوں کا انبار لگا

دیتے تھے--- فتاویٰ نوریہ میں دلائل کا سیلاب ہے--- بہت سے ایسے مسائل جن کو آپ نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اور ان میں اپنی مجتہدانہ رائے کا اظہار فرمایا--- ہوسکتا ہے بعض حضرات کو ان میں سے کسی چیز سے اختلاف ہو لیکن ایک وقت آئے گا کہ علماء آپ کے خیالات سے رہنمائی حاصل کریں گے"--- [مکتوب بنام راقم محررہ ۱۹ ر مئی ۱۹۸۴ء]

فتاویٰ نوریہ کی زیرِ نظر جلد (دوم) کے اکثر و بیشتر فتووں میں بیسیوں مآخذ سے استفادہ کیا گیا ہے، اس سلسلے میں متعدد مثالیں دی جاسکتی ہیں، اختصار کے پیشِ نظر چند شواہد ملاحظہ فرمائیں:

صفحہ ۵۵۳ تا صفحہ ۵۷۶ حرمت مصاہرت کے بارے میں ایک فتویٰ ہے، ۲۴ صفحات کے اس فتوے میں ۶۱ حوالہ جات دیے گئے ہیں---

صفحہ ۱۱۵ تا صفحہ ۱۱۶ پر بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ کے عدم جواز پر صرف ڈیڑھ صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی فتویٰ ہے، جس میں دس کتب کے حوالے اور انیس صحابہ کرام کے اسماء گرامی درج کیے ہیں، جن سے اس مسئلے کے بارے میں احادیث مروی ہیں---

صفحہ ۲۷۱ سے رؤیت ہلال سے متعلق ایک فتویٰ شروع ہوتا ہے، جو صرف تین صفحات کا ہے، مگر اس میں ۳۴ کتب کے حوالے دیے گئے ہیں---

اسی طرح صفحہ ۴۰۷ تا صفحہ ۴۰۹ پر نکاح کے بارے میں ایک فتویٰ ہے، اڑھائی صفحات کے اس فتوے میں ۳۷ حوالہ جات دیے گئے ہیں---

اس قدر محنت اور تحقیق کے باوجود آپ نے عمر بھر کسی سے فتویٰ نویسی کے عوض ایک پائی بھی وصول نہ فرمائی--- اسی طرح درس و تدریس اور امامت و خطابت کے فرائض بھی عمر بھر بغیر کسی ادنیٰ معاوضے کے، للّٰہیت و خلوص کے ساتھ انجام دیتے رہے---

ایک فقیہ اور مفتی کے لیے ایمانی فراست، علمی وسعت، تزکیۂ نفس، تقویٰ و ورع اور دیانت و راست بازی وغیرہ جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام تر آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں--- انہی اوصاف کے پیشِ نظر ایک مرتبہ حضرت صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا:

"حضرت مولانا محمد نور اللہ صاحب دورِ حاضر کے امام ابوحنیفہ ہیں"---

عشق مصطفیٰ

حضرت فقیہ اعظم فنافی الرسول اور فنافی حب المدینہ تھے--- آپ کی محفل میں حاضری سے شرف یاب ہونے والے اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے پیارے شہر مدینہ منورہ کا ذکر آتے ہی مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگتے، درس حدیث دیتے ہوئے آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے ابلنے لگتے، ایسا محسوس ہوتا کہ محبوب پاک ﷺ کے جمال جہاں آراء کے دیدار میں محو ہیں--- مولانا حافظ محمد اسد اللہ نوری کے نام ایک مکتوب گرامی میں اسی حقیقت کو یوں منکشف فرماتے ہیں:

''میرا تو بفضلہٖ تعالیٰ یہ عالم ہے کہ بصیر پور میں درس اسباق دیتے ہوئے مدینہ عالیہ میں ہی حاضر معلوم ہوتا ہوں--- گنبد خضراء پیش نظر رہے تو کوئی دوری نہیں--- تعلیم بھی نہایت ضروری ہے کہ صوفیٔ بے علم شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے، ورنہ دل یہی چاہتا ہے کہ ہر وقت مدینہ عالیہ حاضری رہے'' --- [مکتوب محررہ، ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۹ء]

آپ کے دل میں حاضریٔ مدینہ منورہ کی کتنی تڑپ تھی، اس کی جھلک آپ کی تحریروں میں جا بجا دیکھی جا سکتی ہے--- حضرت کے مرید خاص حاجی چودھری محمد اسحاق نوری متعدد بار حاضریٔ مدینہ منورہ میں حضرت کے ہم سفر رہے، وہ حاضریٔ بارگاہ سرکار ﷺ میں تھے کہ ان کے نام ایک مکتوب میں آپ نے تحریر فرمایا:

''حسرت آتی ہے کہ آپ کے ساتھ ان پاک پیاری گلیوں میں یہ فقیر بھی ہوتا تھا، مگر کیا کروں کہ یہ نامرادی کے دن بھی قسمت میں تھے--- گو تذکرہ تو وہیں کا رہتا ہے مگر ہوں تو دور و مہجور..........

حاجی صاحب! اس گدائے بے نوا کی جلدی حاضری کی اجازت لے کر آئیں اور بغداد شریف کی حاضری کی منظوری بھی لے کر آئیں کہ وہاں سب کچھ ملتا ہے''---

[محررہ ۲۰ر اپریل ۱۹۸۰ء]

جب ظاہراً حاضری میں تاخیر ہو جاتی یا حج وعمرہ کے دن قریب آتے تو آپ کی بے قراری، اضطراری شکل اختیار کر جاتی--- دیکھیے اپنے مرید چوہدری عبد الرزاق نوری مدنی کو ایک مکتوب میں وارفتگی کی عجب کیفیت میں لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قبلہ فضیلۃ الشیخ محمد ضیاء الدین قادری مدظلہم سے نہایت نیازمندانہ سلام عرض کریں اور خاص الخاص دعا کرائیں کہ یہ سگ بے بضاعت بھی مدینہ منورہ کی گلیوں کی زیارت کر سکے۔ حضرت خواجہ غلام فرید علیہ الرحمۃ چاچڑاں شریف والوں کا ایک شعر لکھتا ہوں کہ میرے دل کی حسرت کی آواز ہے:

کوئی یار سنیہڑا گھل وے ، دن بیتے گزرے
میرا جاوے نہ جوبن ڈھل دے ، دن بیتے گزرے

مدنی صاحب! خوب خوب بچوں کی طرح بلک بلک کر اور رو رو کر دعائیں کریں اور التجائیں کریں--- ضدی بچے کے مہربان ماں باپ ضد پوری کر دیتے ہیں، ہمت کریں میں تو بالکل بے دست و پا ہوں، کچھ بھی نہیں کر سکتا، نہ بچہ ہوں کہ ضد پر اڑ جاؤں--- ہاں کرم ہی کرم درکار ہے''--- [محررہ ۱۰ر شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ، ۲۴ر جون ۱۹۸۰ء]

اور پھر جب اذن حضوری مل جاتا تو آپ کی مسرت دیدنی ہوتی--- حاجی رشید احمد نوری بھٹی کو تحریر فرمایا:

''سترہ ستمبر کو بصیر پور سے (مدینہ منورہ) روانگی ہے--- اس دن میری عید کا دن ہے''--- [مکتوب محررہ ۱۴ر اگست ۱۹۸۱ء]

پھر کوئی عزیز آپ کی علالت و نقاہت اور موسم کی حدت کے پیش نظر یہ عرض کرتا کہ--- ع

گرمی ہے، تپ ہے، درد ہے، کلفت سفر کی ہے

تو آپ اسے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز کے ہم زبان ہو کر جواب دیتے--- ع

ناشکرا! یہ تو دیکھ عزیمت کدھر کی ہے

چنانچہ حاجی رشید احمد نوری بھٹی کے ایک خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

''کل ان شاء اللہ تعالیٰ روانہ ہو رہا ہوں، وللہ الحمد و المنۃ، آپ کی نصیحت بجا کہ کمزور ہوں اور گرمی بڑی ہے مگر مدینہ منورہ کی طرف منہ ہو تو کوئی خوف نہیں''---

[محررہ ۱۵ر جولائی ۱۹۷۹ء]

سلسل کرم ہوتا رہا---

۱۹۶۰ء میں پہلی بار آپ حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے، پھر مسلسل کرم ہوتا رہا---

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ اکیس مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری سے شرف یاب ہوئے---

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ ظاہری بے سروسامانی کے باوجود بارگاہ حبیب ﷺ سے بلاوا آ گیا---

۱۹۶۲ء کو آپ نے دوسرے حج کی درخواست دی، قرعہ اندازی میں نام نہ آیا، ذوالحجہ کا چاند نظر آ گیا، بظاہر مایوسی و ناامیدی تھی مگر آپ یہی فرماتے کہ میں حضور ﷺ کے لطف و کرم سے ناامید نہیں ہوں---چنانچہ سرکار ﷺ کی طرف سے عجب کرم ہوا کہ یکم ذی الحجہ کو آپ قیلولہ فرما رہے تھے، خواب میں مشہور فقیہ مدینہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زیارت ہوئی، موصوف نے فرمایا:

"میں حضور ﷺ کے حکم سے آپ کو لینے آیا ہوں"---

گویا فقیہ اعظم پاکستان کو لینے کے لیے فقیہ مدینہ کو بھیجا گیا، بیدار ہوئے تو ڈاکیا دفتر حج کی طرف سے اطلاعی چٹھی لیے کھڑا تھا، جس میں تحریر تھا کہ آپ کا فلاں نمبر کا تار ملا ہے، لہٰذا آپ ۸/مئی ۱۹۶۲ء (۳/ذی الحجہ ۱۳۸۱ھ) کو کراچی پہنچیں، حالانکہ آپ نے کوئی تار نہیں دیا تھا، اس غیبی تار کا آج تک پتا نہیں چل سکا---چنانچہ آپ عازم حرمین شریفین ہوئے اور حج وزیارت کی سعادت سے نوازے گئے---

۱۳۹۹ھ/ ۱۹۷۹ء میں حاضریٔ مدینہ منورہ کے لیے عراق اور شام کا راستہ اختیار فرمایا---بغداد شریف، کربلا معلّٰی، نجف اشرف، بصرہ، کوفہ، دمشق اور حلب وغیرہ شہروں میں متعدد انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار اور اولیاء عظام کے مزارات پر حاضری دی---

سیاسی کردار

حضرت فقیہ اعظم نوّر اللہ مرقدہ جامع الصفات شخصیت تھے---وہ بیک وقت بہترین مدرس بھی تھے اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک منتظم بھی---نعت گو شاعر بھی تھے اور بلند پایہ محقق بھی---ژرف نگاہ مفتی بھی تھے اور شیخ کامل بھی---ان گوناں گوں اوصاف کے ساتھ ساتھ جواد مطلق نے آپ کو سیاست میں بھی بڑی فراست سے بہرہ ور فرمایا تھا---اگرچہ عملاً سیاست سے کنارہ کش رہے، تاہم جب کبھی دین کی سربلندی کے لیے قربانیوں کا موقع آیا تو قوم نے آپ کو مجاہدین کی صف اوّل میں پایا---چنانچہ آپ نے آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس (۲۷ تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۶ء) میں شرکت سے لے کر تحریک پاکستان کو کامیابی

سے ہم کنار کرنے تک بہت نمایاں کردار ادا کیا--- تقاریر کے ذریعے قیام پاکستان کے لیے راہ ہموار کی، مخالفین پاکستان کی یورش اور نظریاتی یلغار کو دلائل و براہین سے ختم کیا اور تحریک پاکستان کو قوت بہم پہنچائی---

۱۹۴۶ء میں جب کانگریس اور مسلم لیگ کا انتخابی معرکہ ہوا تو آپ نے اپنا بھرپور اثر و رسوخ استعمال کیا، نتیجۃً اس حلقۂ انتخاب میں مسلم لیگی امیدوار کو کامیابی ہوئی--- پاکستان قائم ہو گیا تو آپ کا دار العلوم مہاجرین کا کیمپ بن گیا، آپ نے میزبان بن کر مہاجرین کا استقبال کیا اور انھیں قیام و طعام کی سہولتیں مہیا کیں--- جہاد کشمیر میں غازئ کشمیر حضرت علامہ ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ (م ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء) کے ساتھ مکمل تعاون کیا---

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے پرزور حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں، آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے--- ۱۹۷۴ء میں سانحہ ربوہ کے باعث جب دوبارہ تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے تحفظ ناموس رسالت کا نعرہ بلند کیا اور اس تحریک میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا---

۱۹۴۸ء میں ملتان میں جمعیت علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی تو اس اجلاس میں حضرت بھی شریک ہوئے--- آپ جمعیت کے اساسی ارکان میں سے تھے اور جمعیت کی مجلس عاملہ و شوریٰ کے رکن بھی رہے--- ۱۹۷۷ء میں خواص و عوام کے پرزور اصرار پر جمعیت علماء پاکستان کی طرف سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر نظام مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ کی خاطر باقاعدہ الیکشن میں حصہ لیا، یہ وہ وقت تھا کہ حکمران پارٹی کی مخالفت کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، مگر اس مرد مجاہد نے نعرۂ قلندرانہ بلند کیا--- مخالفت کی آندھیاں اٹھیں، بدتمیزی کے جھکڑ چلے، دھمکیوں کے طوفان اُمڈے مگر جرأت و استقلال کے اس کوہِ گراں کے پائے ثبات میں ذرا بھر لغزش نہ آئی--- آپ کو الیکشن میں حصہ لینے اور کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں حکومت وقت نے کئی انتقامی منصوبے بنائے (جن کا دستاویزی ثبوت موجود ہے)، مگر آپ نے تمام سازشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور ہر مقام پر ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا---

ملک کے دیگر مقامات کی طرح اس حلقۂ انتخاب میں بھی وسیع پیمانے پر دھاندلیاں ہوئیں، دھاندلیوں کے خلاف ابھرنے والی تحریک نظام مصطفیٰ کے نتیجہ میں جبر و استبداد اور آمریت کا بت پاش پاش ہو گیا---

نظام مصطفیٰ کی اس تحریک میں آپ کا مثالی کردار ہمیشہ دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا---۲۳ر مارچ ۱۹۷۷ء کو ایک بہت بڑے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گرفتاری دی---ساہیوال سنٹرل جیل میں بھی اپنے مشن کو جاری رکھا اور درس قرآن کریم کے علاوہ قیدی طلبہ وعلماء کو بخاری شریف کا درس بھی باقاعدگی سے دیتے رہے---

۱۹۷۸ء میں آپ کو جماعت اہل سنت پاکستان کا سینئر نائب صدر مقرر کیا گیا، آخر عمر تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے---

اتباع سنت

حضرت فقیہ اعظم نور اللہ مرقدہ کی پوری زندگی اتباع نبوی اور عشق مصطفوی ﷺ سے عبارت تھی---ان کا چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، غرض ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ کے مطابق تھی---عبادت وریاضت اور تقویٰ وطہارت میں مقام رفیع پر فائز تھے---فرائض وواجبات کے علاوہ سنن ونوافل کا وہ اہتمام کہ باید و شاید---بچپن ہی سے تہجد کی عادت تھی، جس پر عمر بھر مواظبت فرمائی---مریدین ومعتقدین کو بھی پابندی سے تہجد ادا کرنے کی تاکید فرماتے---چنانچہ اپنے ایک مرید حاجی سکندر علی نوری کے نام تحریر فرمایا:

''نماز پنج گانہ اور نفل تہجد کا خیال آپ کے اہل خانہ بھی رکھیں اور اوراد و وظائف پورے کرتے رہیں''---[محررہ ۲۱ر اگست ۱۹۷۲ء]

ایک اور مکتوب گرامی میں مولانا مسعود احمد نوری بن مولانا زید احمد نوری خطیب گوجرانوالا کے نام تحریر فرمایا:

''نمازیوں اور ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک ومحبت سے رہا کریں، تہجد قضا نہ کیا کریں''---[محررہ ۴ر جنوری ۱۹۷۲ء]

آپ نے عمر بھر شریعت مطہرہ پر پابندی کا درس دیا، جس کی جھلک جا بجا آپ کی تحریروں میں دیکھی جاسکتی ہے---اپنے ایک فرزند نسبتی مولانا حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر علیہ الرحمۃ کے نام ایک مکتوب میں یہ نصیحت فرمائی:

''اپنے اوقات عزیزہ پڑھنے اور پڑھانے میں پورے کریں اور استقامت علی الشریعۃ کا خاص خیال رہے کہ اصل وہی ہے اور اسی میں مدارج عالیہ مضمر ہیں---خاقانی نے کیا خوب کہا ہے:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

حکیم سنائی نے بھی خوب سنائی ہے:

غمِ دین خور کہ غمِ غمِ دین است
ہمہ غم ہا فروتر از این است"

[محررہ ۶ رمضان المبارک ۱۳۷۴ھ]

اسی طرح حضرت مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ اور مولانا ابوالضیاء محمد باقر نوری و مولانا ابوالحقائق محمد رمضان نوری رحمہما اللہ تعالیٰ کے نام تحریر فرمایا:

"شریعت غراء پر عمل پوری کوشش سے کرتے رہیں--- ہر قسم کی خیانت سے پوری پرہیز رہے، خلوص واخلاص واتفاق سے وقت بسر کریں، یہ دنیا لعب ولہو ہی تو ہے"---

[محررہ مدینہ منورہ، ۲۷ رمئی ۱۹۶۰ء]

اخلاق و کردار

حضرت فقیہ اعظم اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل تھے--- ان کے قول وفعل میں کامل ہم آہنگی تھی--- آپ باوقار، بارعب اور پرکشش شخصیت کے حامل تھے، آپ بچوں پر رحمت، طلباء پر شفقت اور بزرگوں سے مودت فرمایا کرتے تھے--- آپ کی زندگی حافظ شیرازی کے اس شعر کا صحیح مصداق تھی:

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں مروّت با دشمناں مدارا

اخلاقیات میں صاحب خلق عظیم کے مظہر اتم تھے--- شخصیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آپ کی ذات شرافت ومتانت، جرأت واستقلال، ہمدردی، خیر خواہی، حلم وبردباری، بے لوثی وفرض شناسی، عالی ظرفی، علم وعمل، تواضع وانکساری، خداترسی اور پرہیزگاری کا مرقع تھی--- آپ نے ۱۹۷۵ء میں اپنی جواں سال عالمہ فاضلہ صاحبزادی کی وفات اور پھر ۱۹۷۸ء میں جواں سال عالم، فاضل، محقق اور قابل ترین صاحب زادے مولانا ابوالفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ کے وصال پر جس صبر واستقامت

کا مظاہرہ کیا، وہ تاریخ عزیمت کا درخشندہ باب ہے---جس طرح حضور ﷺ کے صاحب زادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وصال کے موقع پر کتب احادیث میں حضور ﷺ کے طریق عمل کی منظر کشی کی گئی ہے، حضور ﷺ کے اس متبع سنت اور مظہر نے اپنے عمل سے وہی سماں پیدا کر دیا کہ آنکھیں اشک بار تھیں اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے:

ان العین تدمع و القلب یحزن و لا نقول الا ما یرضیٰ ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون---[مشکوٰۃ، باب البکاء علی المیت]

''آنکھیں اشک بار ہیں، دل غم گین ہیں، مگر ہم ایسی کوئی بات نہیں کہتے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو اور ہم اے ابراہیم! تیرے فراق سے بڑے رنجیدہ ہیں''---

عاجزی و فروتنی آپ کے ماتھے کا جھومر اور استغناء و توکل آپ کی زینت تھے---آپ کسی امیر یا وزیر کے دروازے پر نہ گئے، طلب زر اور طلب دنیا سے ہمیشہ پہلوتہی کی---بس انہیں تکیہ تھا تو اپنے کریم رؤف و رحیم ﷺ کی محبت پر تھا---یہی ان کا اصل سرمایہ تھا---مریدین و معتقدین کے لیے اسی دولت کے حصول کی دعا کیا کرتے، جیسا کہ حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر علیہ الرحمۃ کے نام تحریر فرمایا:

''دنیا دار المحن اور سجن المؤمن ہے---اللہ تعالیٰ ایمان اور حب الحبیب الاعظم ﷺ سے دل آباد رکھے تو سب کچھ حاصل ہے---یرزقنا اللہ تعالیٰ''---[محررہ ۳؍فروری ۱۹۸۱ء]

سفر آخرت

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے کیم رجب المرجب ۱۴۰۳ھ، بمطابق ۱۵؍اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک، دوپہر ایک بجے میو ہسپتال لاہور میں وصال فرمایا---وصال مبارک کی خبر قیامت اثر کو ٹیلی ویژن اور ریڈیو نے دو مرتبہ نشر کیا---اخبارات نے صفحۂ اول پر یہ جان کاہ خبر شائع کی---ہر طرف صف ماتم بچھ گئی---ملک بھر سے لوگ بصیر پور شریف پہنچنا شروع ہو گئے---۱۶؍اپریل کو غسل کے بعد حضرت کو دن کے گیارہ بجے دار العلوم کے صحن میں رکھ دیا گیا---تین بجے تک مشتاقان دید، دیدار سے مشرف ہوتے رہے---

آپ کا چہرۂ انور پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اس پر نورانیت اور مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی---

روزنامہ مشرق لاہور نے اپنی ۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء کی رپورٹ میں تحریر کیا:

''مولانا مرحوم کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھ دیکھ کر لوگوں کا ایمان تازہ ہو رہا تھا''---

نشان مرد مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی---

مولانا تابش قصوری صاحب لکھتے ہیں:

جنازہ میں کم وبیش چالیس ہزار نامور علماء، ومشائخ عظام اور اصفیاء، وحفاظ کرام شریک تھے---ان خواص کے علاوہ عوام کا اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں---

[ترجمان اویس، مریدکے، رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ]

روزنامہ جنگ لاہور (۱۸/اپریل ۱۹۸۳ء) نے جنازہ کا اجتماع ڈیڑھ لاکھ بتایا---تاہم محتاط اندازے کے مطابق عوام کی تعداد دو لاکھ سے متجاوز تھی---

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے مشرقی حصہ میں آپ کا روضۂ مبارکہ مرجع خلائق ہے---آپ کا سالانہ عرس مبارک رجب المرجب کی پہلی اور دوسری تاریخ کو بڑی شان وشوکت سے منعقد ہوتا ہے، جس میں ممتاز علماء ومشائخ رونق افروز ہوتے ہیں---

شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نوّر اللہ مرقدہ کے برادر گرامی حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ کہا:

آں ابو الخیر زبدۂ اخیار — بود اندر علوم کوہِ وقار
تاج دارِ ولایتِ عرفاں — در دیار علومِ دیں سردار
سینہ گنجینہ اش ز حبّ نبی — دِلش از ذوق وشوقِ دیں سرشار
رحلتش غرّۂ ز ماہِ رجب — سال ہفتاد و دو ز عمر شمار

فخر آں بود چونکہ ''نور اللہ''
مرقدِ اوست، مظہر انوار

۱۴۰۳ھ

ممتاز نعت گو شاعر راجا رشید محمود نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا:

فقیہِ زماں صاحبِ اوج و عظمت — رہے عمر بھر سادگی کی علامت

جو پوچھوں میں تاریخ ترحیل ان کی — تو ہاتف کہے "فاضلِ پاک طینت"

۱۴۰۳ھ

معروف مبلغ، خطیب اور ادیب علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے متعدد کلمات سے تاریخ وصال کا استخراج کیا، جن میں چند مادہ ہائے تاریخ حسب ذیل ہیں:

"باکمال عاشقِ رسول، مولانا محمد نور اللہ"
۱۴۰۳ھ

"عالمِ حق، بانی جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیرپور"
۱۴۰۳ھ

"پاک دل، مفسر، محدث، مدرس، فقیہ قدس اللہ سرہ"
۱۹۸۳ء

"عالی لقب فقیہ اعظم پاکستان"
۱۹۸۳ء

"عرش پر دھوم مچی وہ مومن صادق ملا"
۱۴۰۳ھ

"فرش سے ماتم اٹھا، محمد نور اللہ گیا"
۱۹۸۳ء

نامور شاعر جناب طارق سلطان پوری کی مستخرجہ تواریخ سے بطور نمونہ چند مادے:

وہ بصیرت کا نمونہ وہ فقاہت کا نشاں — اجتہادی شان کا مالک تھا وہ مردِ خدا

اس عظیم المرتبت انسان کا سالِ وصال — "مظہرِ انوار اوجِ شرع" طارق نے کہا

۱۹۸۳ء

"وجیہ و محبوب، باکمال شخصیت"
۱۹۸۳ء

"پیکرِ تقویٰ و تفقہ دین"
۱۴۰۳ھ

"مجتہدانہ بصیرت کا جلوۂ حسین"
۱۴۰۳ھ

"فہیم، محقق اعظم"
۱۴۰۳ھ

"یم تدبر و فراست"
۱۴۰۳ھ

"حسن عہد فقیہ اعظم"
۱۴۰۳ھ

معروف نعت گو جناب قمر رجوانی نے درج ذیل کلمات سے تاریخ وصال کا استخراج کیا:

"محبت بے مثال" "عابد مغفور" اور "عالم یکتا علامہ محمد نور اللہ نعیمی نور اللہ مرقدہ"

۱۹۸۳ء ۱۴۰۳ھ ۱۹۸۳ء

اولاد امجاد

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے ہاں پانچ صاحب زادے اور سات صاحب زادیاں تولد ہوئیں، ان میں دو صاحب زادے اور چار صاحب زادیاں بقید حیات ہیں ۔۔۔۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں:

۱ مولانا الحاج محمد ظہور اللہ نوری

۲ مولانا الحاج ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری علیہ الرحمۃ (وفات ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء)

۳ صاحبزادہ محمد عبد اللہ

۴ صاحبزادہ محمد اسد اللہ (یہ دونوں صاحبزادے کم سنی میں وفات پا گئے)

۵ راقم الحروف محمد محب اللہ نوری

تصانیف

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز، صاحب تصنیف عالم دین تھے ۔۔۔۔ تدریسی و انتظامی مصروفیات کے ساتھ آپ نے کئی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ۔۔۔۔ جن تصانیف کا علم ہو سکا وہ یہ ہیں:

فتاویٰ نوریہ	چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے ۔ سب جلدیں زیور طبع سے مزین ہو چکی ہیں
جلد اول	پہلا ایڈیشن، مطبوعہ پاکستان پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۶۰ء
جلد اول	دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۱ء
جلد اول	تیسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۱ء
جلد اول	چوتھا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۷ء
جلد اول	پانچواں ایڈیشن، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳ء
جلد دوم	پہلا ایڈیشن، مطبوعہ ملی پرنٹرز، لاہور، ۱۳۹۷ھ/۱۹۷۷ء
جلد دوم	دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

جلد دوم	تیسرا ایڈیشن، شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ/ جنوری ۱۹۹۴ء

جلد دوم	چوتھا ایڈیشن، جمادیٰ اخریٰ ۱۴۲۱ھ/ ستمبر ۲۰۰۰ء

جلد دوم	پانچواں ایڈیشن، رجب ۱۴۲۶ھ/ اگست ۲۰۰۵ء

جلد سوم	پہلا ایڈیشن، کمبائن پرنٹرز، لاہور، ۱۹۸۳ء

جلد سوم	دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۴ء

جلد سوم	تیسرا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۹ء

جلد سوم	چوتھا ایڈیشن، چاچا پرنٹنگ پریس، لاہور، جمادیٰ اخریٰ ۱۴۲۶ھ/ جولائی ۲۰۰۵ء

جلد چہارم	پہلا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۰ء

جلد چہارم	دوسرا ایڈیشن، شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۹۸ء

جلد چہارم	تیسرا ایڈیشن، چاچا پرنٹنگ پریس، لاہور، جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ/ جولائی ۲۰۰۵ء

جلد پنجم، ششم	(یہ دونوں جلدیں یک جا ہیں)

پہلا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۰ء

جلد پنجم، ششم	دوسرا ایڈیشن، گنج شکر پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۳ء

جلد پنجم، ششم	تیسرا ایڈیشن، شوال المکرم ۱۴۲۳ھ/ جنوری ۲۰۰۳ء

۲	رسالۃ الرمز (عربی)، ۱۳۴۹ھ/ ۱۹۳۰ء

(یہ رسالہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے) ---

۳	انوار اتقن الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکا دولہ، تصنیف ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء

۴	تنویر فی الزوال بنور عدل فی الزوال (عربی)، ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء، مطبع دین محمدی پریس، لاہور

۵	قضائے سنت فجر

(اس رسالہ کا سن تصنیف درج نہیں ہے، البتہ حضرت علیہ الرحمہ نے آخر میں جو تحریر فرمائے ہیں، ان سے واضح ہے کہ یہ "فرید پور جاگیر" کے زمانہ قیام (۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۵ء) میں تحریر کیا گیا

یہ رسالہ فتاویٰ نوریہ جلد ۶، صفحہ ۳۷۸ تا ۳۹۰ شامل کر دیا گیا ہے)۔۔۔

۶ اثار استمرار الکفار فی اصرار النار، ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء

۷ نور نعیمی، ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

(یہ رسالہ دوسری بار ۱۹۷۹ء میں "بہرو پیوں کا اصل روپ" کے نام سے شائع ہوا)۔۔۔

۸ نور التوا میمن، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۳ء، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء

۹ عقود العساجد لعمار المساجد، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء

۱۰ مسئلہ سایہ، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء، مطبوعہ لاہور

۱۱ افادۃ النشر او کد الامر، ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء

۱۲ نغمات عشق المعروف دیوان نوری، ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء، مطبوعہ مقبول احمد پریس لاہور

(عربی، فارسی، اردو اور پنجابی منظوم کلام، جس کا اکثر و بیشتر حصہ زمانہ طالب علمی کی یادگار ہے۔ اردو اور پنجابی کا کچھ حصہ مطبوعہ ہے، باقی غیر مطبوعہ ہے)۔۔۔

۱۳ حرمۃ المصاھرہ لرفع المناکحہ، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء

۱۴ مکبر الصوت، ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، مطبوعہ ....

(اس کتاب کا تاریخی نام مکبر الصوت لیس فوت (۱۳۷۵ھ) ہے۔۔۔ دوسرا ایڈیشن بعد تمیمہ خطیب پاکستان مولانا محمد شریف نوری علیہ الرحمہ کے زیر اہتمام جمعیت اہل سنت قصور کی طرف سے شائع ہوا۔۔۔ اب یہ رسالہ (مع تمیمہ) فتاویٰ نوریہ جلد ۱، صفحہ ۴۲۳ تا ۵۵۵ شامل کر دیا گیا ہے)۔۔۔

۱۵ تمیمہ مکبر الصوت، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۹ء، مطبوعہ لاہور آرٹ پریس لاہور

۱۶ تقبیل الابھامین عند ثانی الاذانین، ۱۳۷۸ھ/۱۹۵۸ء

(یہ رسالہ فتاویٰ نوریہ جلد ۱، صفحہ ۲۷۷ تا ۳۰۲ شامل ہے)۔۔۔

۱۷ حدیث الحبیب، ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء، مطبوعہ الہلال پریس لاہور

(اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن نثار آرٹ پریس، لاہور سے ۱۹۷۲ء میں اور تیسرا ایڈیشن ..... پریس، لاہور سے ۱۹۷۳ء میں طبع ہو کر انجمن حزب الرحمٰن کی طرف سے شائع ہوا)۔۔۔

۱۸ حرمت زاغ، ۱۳۸۱ھ/ ۱۹۶۱ء، مطبوعہ حمایت اسلام پریس، لاہور

(اس رسالہ کا تاریخی نام "الجواب لا یحل کباب الغراب" ہے --- یہ جمعیت عالیہ اسلامیہ (مؤتمر علماء پاکستان) کی طرف سے شائع کیا گیا --- دوسری بار انجمن حزب الرحمٰن نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا) ---

۱۹ روزہ اور ٹیکہ، ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء

۲۰ ابداء البشریٰ بقبول الصلوة فی الضحوة الکبریٰ، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء، مطبوعہ نثار آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۶۹ء

(یہ رسالہ مشرقی پاکستان سے آمدہ سوالات کے جواب میں تحریر کیا گیا، جو خطیب دار السلام جامع مسجد مدرسہ ملفٹ گنج کی طرف سے شائع ہوا) ---

۲۱ الافتاء فی جواز تعلیم الکتابة للنساء، ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء

۲۲ خطبات نوریہ (عربی)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۸۴ء

۲۳ حواشی صحیح بخاری (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۴ حواشی صحیح مسلم (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۵ حواشی جامع ترمذی (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۶ فوائد ظہوریہ، حواشی شرح جامی (عربی)، غیر مطبوعہ

۲۷ مکاتیب فقیہ اعظم (غیر مطبوعہ)

۲۸ مواعظ فقیہ اعظم (غیر مطبوعہ)

فتاویٰ نوریہ

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِى الدِّيْنِ

(متفق علیہ)

”اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے

اسے دین کا ”فقیہ“ بنا دیتا ہے“

زکوٰۃ

إنّ الصدقة لتطفئ غضب الرّب

وتدفع ميتة السوء (ترمذی)

"یقیناً غضب الٰہی کے فرو کرنے اور بری موت سے بچنے کا ذریعہ صدقہ ہے"

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبۃ : ۱۰۳)

"اے محبوب! ان کے مال میں سے زکوٰۃ وصول کیجئے جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کرو اور ان کے حق میں دعائے خیر فرمادیا کیجئے"

تعارف کتاب الزکوٰۃ

ارکان اسلام میں سب سے اولیت تو شہادتِ توحید و رسالت کو ہے' اس ادائے شہادت کے بعد ایک مسلمان کے ذمہ جو عبادات ہیں' ان میں سب سے اہم نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے----- زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں تیس مقامات پر آتا ہے' جن میں اٹھائیس جگہ نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر آیا ہے----- نماز کی طرح زکوٰۃ کا آغاز بھی ابتدائے اسلام کے ساتھ ہی ہو گیا تھا' تب زکوٰۃ کا لفظ انفاق فی سبیل اللہ اور خیرات کے مترادف تھا----- سورۂ مزمل جو وحی کا ابتدائی سورۃ ہے' اس میں بھی اس امر کی صراحت موجود ہے----- ارشاد ربانی ہے:

و اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ و اقرضوا اللہ قرضا حسنا و ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ہو خیرا و اعظم اجرا----(المزمل: ۲۰)

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو کچھ تم اپنے لئے آخرت میں بھیجو گے' اسے اللہ کے حضور بہتر اور زیادہ ثواب کی صورت میں پالو گے"-----

گویا اجمالی طور پر زکوٰۃ' آغاز اسلام میں شروع تھی' تاہم مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ۲ھ میں باقاعدہ ایک نظام کی صورت میں فرض ہوئی' جس کی تکمیل بالتدریج فتح مکہ کے بعد ہوئی-----

احکام الٰہیہ سراسر حکمت پر مبنی ہیں‘ ان میں جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے‘ وہیں حقوق العباد کی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا ہے اور انہیں پورا کرنے اور ان کا لحاظ رکھنے کی بہت تاکید کی گئی ہے ----- نماز‘ اللہ کے حقوق میں سے ہے‘ جب کہ زکوۃ میں بندوں کے حقوق کا پاس رکھا گیا ہے ----- نماز بدنی عبادت ہے اور زکوۃ مالی عبادت ہے -----

نظام زکوۃ کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ دولت کی منصفانہ تقسیم عمل میں آئے‘ سرمایہ داروں اور غریبوں کے درمیان توازن قائم رہے اور ملت اسلامیہ کے افراد میں باہمی ہمدردی‘ غم خواری‘ تعاون‘ خبر گیری اور محبت و مودت کا رشتہ قائم ہو -----

زکوۃ کے متعدد معانی ہیں‘ علامہ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں:

اصل الزکوة فی اللغة الطهارة و النماء و البرکة و المدح و کله قد استعمل فی القرآن و الحدیث-----

(لسان العرب‘ جلد ۱۴‘ صفحہ ۳۵۸)

"لغوی اعتبار سے زکوۃ کا معنی پاکیزگی‘ بڑھنا‘ برکت اور مدح ہے‘ قرآن و حدیث میں ان تمام معانی کا استعمال ہوا ہے" -----

زکوۃ ادا کرنے سے بقیہ مال پاکیزہ اور ستھرا ہو جاتا ہے اور اس سے طہارت نفسی حاصل ہوتی ہے‘ مال میں خیر و برکت اور روحانی طور پر بالیدگی اور نشو و نما بڑھ جاتی ہے اور زکوۃ ادا کرنے والا سوسائٹی کی نظر میں قابل ستائش ٹھہرتا ہے اور ضرورت مند زکوۃ حاصل کرنے کے بعد اس کی مدح و تعریف کرتے ہیں -----

اصطلاح شریعت میں زکوۃ کا مفہوم یہ ہے کہ جس مال پر ایک سال گزر گیا ہو‘ اس میں سے ایک معین حصہ کا‘ کسی مسلمان فقیر کو رضائے الٰہی کے لئے مالک بنا دینا‘ بشرطیکہ وہ فقیر ہاشمی نہ ہو -----

دیگر عبادات کی مانند اخلاص وللّٰہیت زکوۃ کا رکن ہے ----- وجوب زکوۃ کے لئے یہ شرائط ہیں:

۱ اسلام-----

۲ بلوغ-----

۳ عقل-----

۴ حریت-----

۵ مال بقدر نصاب موجود ہو-----

۶ نصاب کی قرض سے فراغت-----

۷ نصاب حاجات اصلیہ سے زائد ہو' یعنی اپنے اہل و عیال کے کھانے پینے' علاج' لباس اور رہائش کے اخراجات منہا کرنے کے بعد بچنے والی رقم اگر نصاب کو پہنچ جائے تو زکوۃ لازم ہو گی-----

۸ مال بڑھنے والا ہو' خواہ حقیقۃً یا حکما-----جیسے سونا' چاندی' روپے' مال تجارت اور جنگل میں چرنے والے جانور-----

۹ سال گزرنا-----یعنی قمری سال پورا ہونے پر زکوۃ فرض ہو گی-----

نصاب

رسول اللہ ﷺ نے زکوۃ کے لئے ایک نصاب مقرر فرمادیا ہے کہ اس نصاب سے کم مالیت رکھنے والے پر زکوۃ فرض نہیں ہے:

سونا ساڑھے سات تولہ-----(۸۷.۴۸ گرام)

چاندی ساڑھے باون تولہ-----(۶۱۲.۳۶ گرام)

نقدی روپیہ یا مال تجارت میں چاندی کی مالیت کا لحاظ رکھا جائے گا-----

آج (مؤرخہ ۵ / جون ۲۰۰۰ء) چاندی کا بھاؤ ایک سو روپے فی تولہ ہے' اس حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت پانچ ہزار دو صد پچاس (۵۲۵۰ روپے) پاکستانی بنتی ہے لہذا اگر شروع سال اور اختتام سال میں اتنی مالیت کا مالک ہو اگرچہ دوران سال کمی واقع ہو جائے' وہ

صاحب نصاب قرار پائے گا اور اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی -----

زرعی پیداوار کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ اس میں کوئی نصاب نہیں، زمین سے تھوڑی یا زیادہ جس قدر بھی پیداوار حاصل ہو، اس میں سے عشر یا نصف عشر ادا کیا جائے -----

شرح زکوٰۃ

مال، اللہ رب العزت کی عطا ہے ----- وہ جس قدر بھی اپنے راستے میں خرچ کرنے کا حکم دے، عین انصاف ہے ----- مگر یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہماری ضرورت اور مال کی جانب طبعی رغبت کے پیش نظر اپنے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے مال کا ایک قلیل حصہ راہ حق میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور بقیہ مال ہمارے لئے پاک اور حلال فرما دیا کہ اسے اپنی جائز ضروریات میں جیسے چاہیں، خرچ کریں -----

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلسلے میں نہایت حکیمانہ انداز میں پیداوار کی مختلف اقسام پر مختلف شرح زکوٰۃ متعین فرمائی ----- وہ اشیاء جن میں نشوونما اور ترقی کی صلاحیت نہیں، جیسے رہائشی مکان، لباس، زیر استعمال سامان، سواریاں اور قیمتی پتھر وغیرہ، ان پر کوئی زکوٰۃ مقرر نہیں کی گئی -----

وہ چیزیں جن میں نشوونما کی صلاحیت ہے اور کچھ عرصہ باقی رہنے والی ہیں، وہ پانچ ہیں:

۱..... معدنیات -----

۲..... زرعی پیداوار -----

۳..... سونا، چاندی (کرنسی) -----

۴..... مال تجارت ----- اور -----

۵..... جانور -----

پہلی قسم معدنیات یعنی سونا، چاندی، قدرتی گیس، تیل، نمک، کوئلہ، لوہا اور تانبہ وغیرہ کی کانیں ----- چونکہ یہ محض عطیہ الٰہی ہیں، للذا ان میں سب سے زیادہ زکوٰۃ رکھی گئی ہے ----- یعنی حاصل شدہ ذخائر کا خمس (۲۰ فی صد) -----

زرعی پیداوار کی دو قسمیں ہیں ----- ایک وہ جو بارش کے قدرتی پانی سے نشوونما پائے اس میں چونکہ مالک کو بلا خرچ پانی مہیا ہوتا ہے لہذا اس میں پیداوار کا عشر (۱۰ فی صد) ادا کرنا ہوگا ----- جب کہ دوسری قسم کے فصل کی آب یاری کے لئے ٹیوب ویل یا رہٹ کے ذریعے پانی حاصل ہوتا ہے اور اس پر محنت اور خرچ اٹھتا ہے لہذا اس میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں (۵ فی صد) حصہ مقرر فرمایا -----

سونا' چاندی' روپیہ پیسہ کے حصول' اس کی حفاظت اور اس کے ذریعے تجارت کے لئے سخت محنت اور جاں فشانی سے کام لینا پڑتا ہے' لہذا اس میں زمین کی دوسری قسم سے بھی نصف شرح زکوٰۃ مقرر فرمائی' یعنی چالیسواں حصہ (۵۰ .۲ فی صد)

سونے' چاندی کے زیر استعمال زیورات کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے ----- ہیرے' جواہرات زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں' الا یہ کہ وہ تجارت کے لئے ہوں تو پھر دیگر اموال کی طرح ان کی زکوٰۃ بھی ادا کی جائے گی -----

مال تجارت میں دوکان کا تمام سٹاک' کارخانہ میں تیار مال اور خام مال شامل ہے ----- نیز ہر وہ چیز جو فروخت کرنے کی نیت سے خریدی ہو' سامان تجارت میں داخل ہے -----

جانوروں کی افزائش نسل اور صلاحیت میں یکسانیت نہیں' اس لئے ان کی شرح زکوٰۃ بھی مختلف ہے ----- جو صرف ان جانوروں پر ادا کرنا لازم ہے' جو سال کا اکثر حصہ خودرو اور قدرتی گھاس کھا کر گزارہ کرتے ہوں ----- فقہی اصطلاح میں ان جانوروں کو سائمہ کہا جاتا ہے ----- سائمہ جانوروں کی سال گزرنے کے بعد شرح زکوٰۃ حسب ذیل ہے :

اونٹ

پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں' پانچ اور پانچ سے زائد اونٹوں پر شرح زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے :

نصاب	شرح زکوٰۃ
پانچ سے نو تک	ایک بکری
دس سے چودہ تک	دو بکریاں

پندرہ سے انیس تک	تین بکریاں
بیس سے چوبیس تک	چار بکریاں

ان تمام صورتوں میں اختیار ہے کہ بطور زکوٰۃ بکری دی جائے یا بکرا' مگر سال سے کم کا نہ ہو-----

پچیس سے پینتیس تک	ایک بنت مخاض (پورے سال کی ایک مادہ اونٹنی)
چھتیس سے پینتالیس تک	ایک بنت لبون (پورے دو سال کی مادہ اونٹنی)
چھیالیس سے ساٹھ تک	ایک حقہ (تین برس کی اونٹنی)
اکسٹھ سے پچھتر تک	ایک جذعہ (چار برس کی اونٹنی)
چھہتر سے نوے تک	دو بنت لبون (پورے دو سال کی دو اونٹنیاں)
اکانوے سے ایک سو بیس تک	دو حقہ (تین سال کی دو اونٹنیاں)

اس کے بعد ۱۴۵ تک ہر پانچ کی تعداد پر ایک سال کی بکری کا اضافہ کر لیں مثلاً ۱۲۵ اونٹ وں تو دو حقے اور ایک بکری' ۱۳۰ ہوں تو دو حقے اور دو بکریاں۔ علی هذا القياس-----

گائے / بھینس

انتیس گائیں ہوں تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے' اس سے زیادہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تیس سے انتالیس تک	ایک تبیع یا تبیعہ (سال بھر کا بچھڑا یا بچھیا)
چالیس سے انسٹھ تک	ایک مسن یا مسنہ (دو برس کا بچھڑا یا بچھیا)
ساٹھ سے انہتر تک	دو تبیع یا تبیعہ (سال بھر کے دو بچھڑے یا بچھیاں)
ستر سے اناسی تک	ایک تبیع یا تبیعہ اور ایک مسن (ایک سال بھر کا بچھڑا یا بچھیا اور ایک دو سالہ بچھڑا)
اسی سے نواسی تک	دو مسن (دو سالوں کے دو بچھڑے)

خلاصہ یہ کہ ہر تیس میں ایک تبیع یا تبیعہ (ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا) اور ہر چالیس میں ایک مسن یا مسنہ (دو سالہ بچھڑا یا بچھیا)-----

بکری، بھیڑ اور دنبہ

انتالیس بکریوں تک زکوٰۃ نہیں ہے، اس سے زیادہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

چالیس سے ایک سو بیس تک	ایک بکری
ایک سو اکیس سے دو سو تک	دو بکریاں
دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک	تین بکریاں
چار سو سے چار سو ننانوے تک	چار بکریاں
پھر ہر سو بکریوں پر	ایک بکری کا اضافہ

بکریوں کی زکوٰۃ میں اختیار ہے کہ نر دے یا مادہ، مگر یہ خیال رہے کہ سال سے کم نہ ہو-----

مصارف

اللہ رب العزت جل وعلا نے قرآن کریم میں مصارف زکوٰۃ بیان فرمادیے ہیں:

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ-----(التوبہ: ٦٠)

"اموال زکوٰۃ صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ کی وصولی پر مقرر افراد اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کے دلوں کو اسلام سے مانوس کرنا مقصود ہو اور (غلامی سے) گردنیں آزاد کرانے میں اور مقروضوں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے----- یہ فرض ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے"

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مستحقین کا ذکر آیا ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱ فقیر----- وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ کچھ ہو مگر اتنا کم کہ نصاب کو نہ پہنچے----- جب تک ایک وقت کا کھانا موجود ہو فقیر کے لئے سوال کی اجازت نہیں-----

۲ مسکین----- جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، حتیٰ کہ کھانے اور تن ڈھانپنے کے لئے

مانگنے پر مجبور ہو جائے' ایسے شخص کے لئے شریعت سوال کی اجازت دیتی ہے-----

۳ عامل ----- جسے امام وقت نے زکوٰۃ و صدقات (عشر وغیرہ) کی تحصیل پر مقرر کیا ہو' عامل کو بقدر کفایت زکوٰۃ کی مد سے تنخواہ دی جا سکتی ہے-----

۴ مؤلفۃ القلوب -----لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے اور نو مسلم افراد کی خاطر داری کے لئے زکوٰۃ دینا-----

جمہور علماء کے نزدیک اب یہ شق منسوخ ہو چکی ہے بلکہ عہد صدیقی میں ہی اس پر اجماع ہو گیا تھا' کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شوکت و سر بلندی اور غلبہ عطا فرما دیا تھا-----

۵ رقاب ----- مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ دینا تاکہ وہ مال زکوٰۃ سے (بدل کتابت ادا کر کے) غلامی سے آزاد ہو سکیں-----

انسداد غلامی کے لئے اسلام نے جو کوششیں کی ہیں' یہ شق بھی اسی کا حصہ ہے----- آج کل پوری دنیا خصوصاً پاکستان میں یہ مصرف مفقود ہے-----

۶ غارم ----- وہ مقروض جو قرض ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو' اسے ادائے قرض کے لئے مالِ زکوٰۃ میں سے امداد دی جا سکتی ہے' بشرطیکہ یہ قرض اس نے کسی برے کام یا فضول خرچی کی بنا پر نہ لے رکھا ہو-----

۷ فی سبیل اللہ ----- اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے' بے سر و سامان مجاہدین' نادار حجاج کرام اور دینی علم حاصل کرنے والے طلباء کرام مراد ہیں----- بلکہ وہ مدارس دینیہ جن میں صحت عقیدہ کے ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم دی جائے اور ان میں مبلغین و محققین اور علماء تیار کیے جاتے ہوں' ان مدارس کے طلباء فی سبیل اللہ میں داخل اور زیادہ مستحق ہیں-----

۸ ابن السبیل ----- وہ مسافر جس کی زاد راہ ختم ہو چکی ہو----- اسے بقدر ضرورت زکوٰۃ دی جا سکتی ہے-----

☆ زکوٰۃ درج بالا مصارف کے علاوہ کسی اور مد مثلاً تعمیر مسجد' تکفین و تجہیز میت وغیرہ میں استعمال نہیں کی جا سکتی-----

☆ ایسے شخص کو زکوٰۃ نہ دی جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ بے جا اسراف

اور گناہ کے کام میں خرچ کرے گا-----

☆ سادات کرام اور بنو ہاشم (حضرت علی، جعفر، عقیل اور حضرت عباس و حارث بن عبدالمطلب کی اولاد) کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی-----حدیث پاک میں ہے:

ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس و انها لا تحل لمحمد ﷺ و لا لآل محمد ﷺ-----(صحیح مسلم 'کتاب الزکوٰۃ' باب تحریم الزکوٰۃ علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم)

"یہ صدقات لوگوں کے میل کچیل ہیں اور یہ محمد ﷺ اور آپ کی آل کے لئے جائز نہیں ہیں"-----

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام پر زکوٰۃ واجب نہیں کیوں کہ وہ جملہ آلائشوں سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں' ان کے پاس جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ طیب و طاہر ہوتا ہے جب کہ دوسرے لوگ زکوٰۃ کے ذریعے میل کچیل نکال کر بقیہ مال کو پاک صاف کرتے ہیں-----(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو در المختار اور رد المحتار کتاب الزکوٰۃ' جلد ۲' صفحہ ۲۵۶)

☆ اپنے اصل یعنی ماں' باپ' دادا' دادی' نانا اور نانی وغیرہم اور اولاد جیسے بیٹا' بیٹی' نواسہ اور نواسی وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی-----اسی طرح بیوی خاوند کو اور خاوند بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کہ ان کے مفادات مشترکہ ہیں-----

کتاب الزکوٰۃ کے پہلے حصہ میں سونا چاندی اور سامان تجارت وغیرہ اور ان کے مصارف کے متعلق پندرہ فتوے ہیں جب کہ دوسرا حصہ باب العشر کے عنوان سے ہے' جس میں زرعی پیداوار کی زکوٰۃ جسے شرعی اصطلاح میں عشر کہا جاتا ہے' کے مسائل ہیں-----اس حصہ میں چھ استفتاءات ہیں-----

مجموعی طور پر کتاب الزکوٰۃ میں اکیس (۲۱) استفتاءات شامل ہیں جن کے ضمن میں متعدد مسائل وجزئیات آگئے ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

کتاب الزکوٰۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو وہ زیور، مال مویشی، نقدی اور غلہ وغیرہ کس کس چیز پر سے ادا کرے، واضح طور پر تحریر فرمادیں۔

(السائل چاکر نمبردار از لائل پور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

زکوٰۃ چاندی (۵۲½ تولہ) سونے (۷½ تولہ) کی ڈلیوں، برتنوں، زیورات وغیرہ پر، نوٹوں پر جب تک چلتے رہیں اور ایسے پیسے وغیرہ جن میں چاندی غالب نہیں (ورنہ چاندی ہیں کہ بند ہوجائیں تب بھی واجب ہوگی) زمین کی پیداوار گندم، دھان، چنے وغیرہ

پر، اونٹ کم از کم پانچ، گائے بھینس ملی جلی یا اکیلی اکیلی کم از کم تیس ۳۰، بھیڑ بکری، دنبہ ملے جلے یا اکیلے اکیلے کم از کم چالیس ۴۰، جبکہ یہ مویشی پورا سال یا سال کا زیادہ حصہ باہر چر کر گزارہ کرتے ہوں اور مقصود ان سے دودھ، گھی، بچے اور موٹے کرنا ہو تو ان پر اور تجارت کے سامان پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی پوری تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے جو میں نہیں لکھ سکتا بلکہ لکھا ہوا لاہور سے منگوالیں یعنی کتاب بہارِ شریعت حصہ پنجم، مرکزی انجمن حزب الاحناف اندرون دہلی دروازہ لاہور سے منگالیں، تقریباً دو اڑھائی روپے خرچ آجائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

مکرم ومحترم حضرت علامہ شیخ الحدیث والتفسیر دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج شریف!

معلوم نہیں کہ آجکل حضرت کی صحت کا کیا حال ہے۔ مطلع فرمائیے، نیز دو مسئلوں کے بارے آپ کی تحقیق مطلوب ہے، امید ہے کہ از راہِ کرم فرمائی جلد مطلع فرمائیں گے۔

۱۔ موجودہ نوٹ یا روپیہ کس قدر ہوں تو زکوٰۃ کا نصاب ہوگا؟

۲۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن اگر تفریحِ طبع کے لئے ہو جب بھی یہی حکم ہوگا؟ اور بعض انجکشن تو ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے بھوک پیاس نہیں لگتی اور نیز اگر رگ

میں انجکشن لگایا جائے جب بھی روزہ نہیں جائے گا؟ اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔ زکوٰۃ والا مسئلہ جلد مطلوب ہے۔ خدا کرے آپ بخیریت ہوں۔ والسلام

دعا کا طالب ناچیز غلام محمود خطیب جامع مسجد عیدگاہ نیا محلہ جہلم، ۷ اکتوبر ۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بملاحظۂ عالیہ حضرت مولانا صاحب زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاجِ گرامی!

مدت کے بعد گرامی نامہ باصرہ نواز ہوا، یاد آوری کا شکریہ! فقیر کا وہی سابقہ حال بحال ہے مگر بفضلہٖ وکرمہٖ تعالیٰ امورِ متعلقہ انجام دے رہا ہوں۔

(۱) اس مسئلہ کی وہ تحقیق[1] جس پر اہل السنت والجماعت کا عمل ہے، اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسالہ مبارکہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں ہے بیں کیا اور میری تحقیق کیا! البتہ بعض تفقہات ہوا کرتے ہیں مگر وہ بھی سارے ایسے نہیں کہ تحریر کئے جاسکیں ایسے ہی امور کے متعلق ھٰذا مما یعلم ولا یفتی بہ کہا کرتے ہیں۔

(۲) جب انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو تفریح وغیرہ کا تفرقہ بھی نہیں رہتا مثلاً نظر الی المحبوب سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو ضرورت کے علاوہ تفریحاً نظر کرے تب بھی فساد نہیں

---

[1] کہ نوٹ مال ہے جب تک چالو رہے اور چاندی یا سونے کے نصاب کی قیمت کے لحاظ سے نصاب بنتا ہے اور یہی حکم موجودہ روپیہ غالبۃ الغش کا ہے ۱۲ منہ غفرلہ ۲۳ جمادی الاخریٰ ۸۶ھ

اور یہی حدیث سے ثابت ہوا کہ جب لقمہ کے ساتھ ہو تو تھوک بیس کا اثر رہے
تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس کا اصل مدینہ اسلام اور ایصال ہے جس میں امت
حضرت ربی اور افضل حضرت ربی ہے۔ اس کی ایک تفسیر و تشریح کی بنا پر کہاں کسی
پہ سوالات جن سے عموماً لوگ جو اکثر بے روزہ ہوتے ہیں بعض اہل علم کے پریشان کر دیتے
کیلئے پیش کرتے ہیں آپ جیسے اہل علم فضلا کا کام ہے کہ تحقیق شرعیہ سے ان کو تسکین
جواب دیں اور یہ بھی کہ انجکشن بھی مفسد نہیں کہ رگ بھی مخارق فطریہ اور طرق مسنونہ سے
جوف سے نہیں تصریح فقہاء کے مطابق۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ
تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۳ جمادی الآخری ۱۳۸۹ھ

الاستفتاء

مخدوم و مکرم مولانا صاحب

السلام علیکم! حالات خیریت کی رضی ہے آپ کا گرامی نوازش نامہ موصول ہوا جواب دیا
پاؤں کی سے دل سے شکر گزار ہوں، ماہ رجب کے روزہ کے متعلق چند ایک باتیں
طلب ہیں ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔

(۱) گورنمنٹ کی طرف سے جو ریڈیو کی گھڑی سے کچھ فرق ہو جاتا ہے اور گھڑی جاتی ہے اور
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہوگی۔

۲۔ کچھ رقم بطورِ ضمانت بطورِ امانت میعادی بینک میں جمع کروانی پڑتی ہے، یہ رقم کفالت کے طور پر بینک میں رکھی جاتی ہے اور یہ رقم بھی ریٹائرمنٹ پر یا عہدہ میں ترقی ہونے پر واپس ملتی ہے، نیز اس رقم پر بینک سالانہ سود بھی ڈیڑھ روپیہ سیکڑہ ادا کرتا ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ رقم لازمی طور پر رکھنی پڑتی ہے اور کسی ایسے حساب میں نہیں رکھی جاسکتی کہ جس پر سود نہ ملتا ہو۔ اس کے متعلق زکوٰۃ و سود کے متعلق واضح فرمائیں۔

۳۔ مثال کے طور پر گذشتہ ماہ رجب میں ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپیہ تھا۔ اب وہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتا رہا۔ اب چودہ سو ہو گیا ہے، اب زکوٰۃ چودہ سو پر ہے یا ایک ہزار پر۔

سائل: چوہدری عبدالحق سب انسپکٹر انجمنہائے امداد باہمی منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

محبی جناب چوہدری صاحب سلمہ ربہ تعالٰی

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاجِ گرامی!

فقیر بخیریت، طالبِ خیریتِ احباب ہے، مرسلہ ملفوف ملا، جوابات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ وہ رقم جو مشاہرات ملازمین سے ہر ماہ حکومت رکھ لیا کرتی ہے اور ریٹائر ہونے سے پہلے قبضہ و استعمال میں نہیں آسکتی اس پر زکوٰۃ نہیں کہ وصول سے پہلے صرف اس کا استحقاق ہے اور حقیقۃً مال نہیں، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۰ میں ہے بل ھو مال حکمی

فی الذمۃ و ما فی الذمۃ لا یمکن قبضہ فلم یکن مالا مملوکا رقبۃ و یدا فلا تجب الزکوۃ فیہ کمال الضمار۔

۲۔ وہ رقم جو کفالت وضمانت کے طور پر بینک میں جمع کروانی پڑتی ہے اور ریٹائرمنٹ یا عہدہ میں ترقی سے پہلے نہیں مل سکتی تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں کہ وہ رہن کی طرح قابل انتفاع نہیں، فتاوٰے عالمگیر ج ا ص ۸۹ میں ہے فان لم یتمکن من الاستمتاع فلا زکوۃ علیہ و ذلک مثل مال الضمار۔ نیز اسی کے ص ۸۸ میں ہے ولا علی الراھن اذا کان الرھن فی ید المرتھن۔ باقی سود نہ لے اور رکھ کر دے دے کہ ہیں سود نہیں لیتا۔ یہی بہتر ہے۔

۳۔ جب ابتدائے سال زکوٰۃ میں ایک ہزار روپیہ ملا اور پس انداز کے طور پر جب سال پورا ہوا تو چودہ سو ہو چکا تو زکوٰۃ پورے چودہ سو کی ادا کرے۔ فتاوٰی عالمگیر ج ا ص ۹۰ میں ہے من کان لہ نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسہ ضمہ الی مالہ و زکاہ سواء کان المستفاد من نمائہ او لا و بای وجہ استفادہ ضمہ الخ

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ رجب المرجب ۹۷ھ

الاستفتاء

مرسلہ جناب نور الحق صاحب ریٹائرڈ فون انسپکٹر محلہ کوٹ فتح جمال راوی روڈ اوکاڑہ

ضلع منٹگمری کے دو خطوں کے ضمن میں ایک مسئلہ دریافت کے قابل ہے :-

مجھے کچھ روپیہ فنڈ کا، عرصہ ۵ ۳ سال ملازمت کے بعد ملا ہے جو میری تنخواہ سے ماہ بہ ماہ کٹتا رہا تھا، اب اس پر زکوٰۃ دینی ہے کس حساب سے یعنی کتنے عرصہ کی دی جاوے، اس کٹاؤ کے روپیہ کے علاوہ چند مرتبہ میں صاحبِ نصاب ہوا تھا مگر بعض سالوں میں نہیں وہ روپیہ مجھے شدید ضرورت پر بھی نہیں مل سکتا تھا بلکہ شرط تھی کہ مستعفی ہونے کے بعد یا پنشن جانے کے بعد اور یا وفات ہونے پر رشتہ داروں کو دئے جاسکتے ہیں، میرے قبضہ میں صرف ابھی پنشن کے بعد ہی آئے ہیں اور اگر کسی کوتاہی کے باعث ملازمت سے برطرف کر دیا جائے تو بھی اس کا مالک جمع کرنے والا ہی رہتا ہے اور جمع شدہ رقم واپس مل جاتی ہے۔

خداوندِ کریم جناب کے مدرسہ کو قائم رکھے، ترقی و برکت عطا فرمائے آمین ثم آمین۔ فی الحال میں نے ایک سال کی زکوٰۃ فوراً نکال دی ہے آئندہ اور جو حکم صادر ہوگا کیا جاوے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

امام الائمہ حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہبِ مہذب میں اس کٹاؤ کے روپیہ پر زمانہ قبل از قبضہ کی زکوٰۃ ہے ہی نہیں کہ وجوب زکوٰۃ کے لئے آزاد عاقل بالغ مسلمان کا صرف استحقاق ملکِ نصاب یا کسی کے ذمہ اس کی تملیک کا ثبوت و لزوم کافی نہیں کہ انقضائے سال وغیرہ شرائط کے پائے جانے پر زکوٰۃ فرض ہو جائے بلکہ نصاب کا ملکِ کامل و تام شرط ہے اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ نصاب حقیقۃً یا تقدیراً

نامی ہو، چنانچہ نہایت ہی معتمد و مستند کتبِ مذہبیہ میں ان شروط کا ذکر ہے علاوہ
یہ روپیہ قبل از قبضہ حقیقۃً نہ آپ کا مال تھا اور نہ ہی نصاب تھا کہ صرف استحقاق یا گورنمنٹ
کی ذمہ داری مال نہیں بلکہ ذمہ داری کا مطلب ہی یہ ہے کہ پنشن وغیرہ شروط کے پائے
جانے پر آپ کو مالک بنا دے اور قبضہ میں دے دے گو اس ذمہ داری کا نہایت ہی پکا
کے سبب عرف آپ کو مالک یا جمع کرنے والا کہے اور اس روپیہ کو ملک قرار دے
بلکہ قبل از قبضہ تو کوئی تعین ہی نہیں اور عرفِ شرع میں اس کو دین کہا جاتا ہے بدائع صنائع
ج ۲ ص ۱۰ میں ہے بل هو مال حكمي في الذمة وما في الذمة لا يمكن
قبضه فلم يكن مال مملوكا رقبة و يدا فلا تجب الزكوة فيه
كمال الضمار۔ مبسوط ج ۲ ص ۱۹۵ میں ہے و الدين ليس بمال على الحقيقة
حتى لو حلف صاحبه ان لا مال له لا يحنث في يمينه وانما تة
المالية فيه عند تعيينه بالقبض فلا يصير نصاب الزكوة ما لم
تثبت فيه صفة المالية۔ نیز بدائع صنائع کے اسی صفحہ میں ہے ان الدين
ليس بمال بل هو فعل واجب وهو فعل تمليك المال و
تسليمه الى صاحب الدين الخ اور چونکہ یہ استحقاق و ذمہ داری و دین کسی مال
کا معاوضہ نہیں بلکہ آزاد مسلمان کی خدماتِ ملازمانہ کا صلہ ہے تو حکماً بھی مال زکوٰۃ و نصاب
نہیں بنے گا بلکہ شرعاً دینِ ضعیف ہی رہے گا جس پر زمانہ قبل از قبضہ کی زکوٰۃ نہیں مبسوط
ج ۲ ص ۱۹۵، فتاوے امام قاضی خان ج ۱ ص ۱۱۸، فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۳، بدائع صنائع
ج ۲ ص ۱۰، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۷، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۹۰، تنویر الابصار، در المختار،
رد المحتار، شامی ج ۲ ص ۴۹، مراقی الفلاح ص ۴۳۱ میں ہے و النظم من المبسوط
و دين ضعيف وهو ما يكون بدلا عما ليس بمال كالمهر و
بدل الخلع و الصلح عن دم العمد۔ نیز ان تمام کتبِ مذکورہ کے صفحات

مزید ہ میں ہے و النظم للامام قاضیخان و فی الدین الضعیف لا تجب الزکوٰۃ مالم یقبض مأتی درھم و یحول الحول اور جب قبل از قبضہ مال و نصاب ہی نہیں تو دوسری شرط یعنی ملک کا کامل و تام ہونا خود بخود منتفی ہو گیا بلکہ اگر بالفرض حقیقۃ مال و نصاب ہوتا تب بھی ملک کامل و تام نہ ہوتا کہ کمال و تمام ملک قبضہ اصیل و وکیل کے سوا ہو ہی نہیں سکتا، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۳، عالمگیر ج ۱ ص ۸۸، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵ میں ہے والنظم لہ ان المراد بالتام المملوک رقبۃ و یدا تو یہ دوسری وجہ انتفائے زکوٰۃ ہے اور یونہی تیسری شرط نصاب کا حقیقۃً یا تقدیراً نامی ہونا بھی خود بخود منتفی ہو گیا بلکہ بالفرض حقیقی مال و نصاب ہوتا تب بھی قبل از قبضہ نامی نہ بنتا کہ نقدی کا نامی ہونا یوں ہے کہ اس کو تجارت سے بڑھائے یا بڑھا سکے اور تجارت قبضہ سے پہلے ہو ہی نہیں سکتی۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۶، عینی علی الکنز (مطبوعہ حیدری بمبئی) ص ۵۹، عالمگیر ج ۱ ص ۸۹، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۸ وغیرہ میں ہے و النظم من الھندیۃ او تقدیرا بان یتمکن من الاستنماء بکون المال فی یدہ او ید نائبہ۔ ہدایہ، عنایہ ج ۲ ص ۱۲۲ میں ہے لا نماء الا بالقدرۃ علی التصرف و مثلہ فی الفتح ج ۲ ص ۱۱۳، نیز ہندیہ بحر الرائق کے انہیں صفحات میں ہے و النظم منہا فان لم یتمکن من الاستنماء فلا زکوٰۃ علیہ و ذلک مثل مال الضمار اور یہ روپیہ تو شدید ضرورت پر بھی قبل از پنشن وغیرہ نہیں مل سکتا تھا تو تصرف و تجارت کی صورت ہی نہ تھی تو یوں بھی زکوٰۃ کا انتفاء ہوا۔ بہر حال زمانۂ ماضیہ کی زکوٰۃ اس روپیہ پر ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک نہیں اور جب قبضہ ہوا تو مالِ زکوٰۃ و نصاب بنے گا تو اگر بوقت قبضہ اس روپیہ کے علاوہ بھی آپ صاحب نصاب نقدی تھے تو اس نصاب کے ساتھ یہ روپیہ بوجہ مجانستِ شرعیہ منضم ہو جائے گا اور جب اس کا سالِ زکوٰۃ پورا ہو تو حکماً اس کا بھی پورا ہو گیا اور

زکوٰۃ حسب دستور فرض ہو گی اور اگر بوقتِ قبضہ کسی اور نصاب نقدی کے مالک نہ تھے تو قبضہ کے وقت سے سال گزرنے پر زکوٰۃ لازم ہے کما فی عامۃ المعتبرات من مسئلۃ الانضمام و ذا ظاہر جدا اور ظاہر یہی ہے کہ آپ اس روپیہ ملنے سے پہلے ہی صاحب نصاب نقدی تھے تو جب پہلے نصاب کا سال پورا ہوا تو اس کا سال بھی جب پورا ہو گیا تو یہ زکوٰۃ جو آپ نے ایک سال کے بعد ادا کی اس کے لئے ادا ہو گئی کہ زکوٰۃ پیشگی بھی جائز ہے کما فی المعتبرات۔ البتہ ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے شاگردان گرامی شان امام ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہے تو اس کا حساب یوں ہو گا کہ وہ کٹاؤ کا روپیہ پہلی مرتبہ جب نصاب بنا تھا اس وقت سے سال پورا ہونے تک تازہ کٹاؤ ملا کر کل کا چالیسواں حصہ اس پہلے سال کی زکوٰۃ الگ کر لیں پھر باقی ماندہ اور دوسرے سال کے تازہ کٹاؤ کل کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دیں پھر یہ بقایا تیسرے سال کے تازہ کٹاؤ سمیت جتنا ہو گا اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے یونہی ہر سال کے بقایا مع تازہ کٹاؤ کی زکوٰۃ نکالتے جائیں یعنی ہر سال کے حصہ زکوٰۃ کا دوبارہ حساب نہیں ہو گا مثلاً ملازمت کے پہلے سال پورے ہونے پر کٹاؤ اسی روپیہ ۵۲ ½ تولہ چاندی کا ہم قیمت ہونے کے سبب نصاب بنا تو اس وقت سے سال زکوٰۃ کا ابتدا ہوا اور یہ زکوٰۃ کا پہلا اور ملازمت کا دوسرا سال جب پورا ہوا تو تازہ کٹاؤ سمیت کل کٹاؤ کا روپیہ ایک سو ساٹھ بنا تو اس کی زکوٰۃ چار روپے الگ کر لیں، باقی ایک سو چھپن، ملازمت کے تیسرے اور زکوٰۃ کے دوسرے سال پورے ہونے پر مع تازہ کٹاؤ دو سو چھتیس ہو گئے ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دیں وعلی ہذا القیاس۔[1]

---

[1] اور اگر مشاہرہ میں ترقی ہوتی تھی تو اس کے حساب سے کٹاؤ کی زیادتی کا حساب بھی ضروری ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اور جب تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا روپیہ اس مجموعہ کثاؤ وصول کردہ سے الگ کیا جائے تو یقیناً اس مجموعہ سے کم رہے گا تو ایک سال کی زکوٰۃ بھی اس مجموعہ کے چالیسویں حصہ سے کم آئے گی حالانکہ آپ نے چالیسواں حصہ ایک سال کی زکوٰۃ نکالی ہے تو ان تمام گذشتہ سالوں کی وصول تک کے لئے حصص زکوٰۃ کی میزان لگا کر اتنا روپیہ بطور زکوٰۃ ادا کریں کہ سابقاً ادا کردہ چالیسویں حصہ سمیت وہ میزان پوری ہو جائے، و ذا واضح من الدر المختار وغیرہ۔ و اللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

خ ه المفتیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ شعبان المعظم ۱۳۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین بیچ ان مسائل کے :۔

۱۔ زید نے تین لڑکے اور ایک لڑکی کا عقیقہ میں ایک (گائے یا بیل) دو سالہ ذبح کر کے گوشت تقسیم کر دیا، دو حصہ لڑکا کا اور ایک حصہ لڑکی سات حصص میں عقیقہ ہوا۔ کیا یہ عقیقہ درست ہے یا کہ نہیں ؟

۲۔ عقیقہ کتنی عمر تک ادا ہو سکتا ہے ؟

۳۔ عمر کے پاس ایک آدمی بغیر تنخواہ کے کام کرتا ہے اس کا نان و نفقہ کا انتظام عمر کے

ذمہ ہے، کیا عمر زکوٰۃ کا کچھ اس کو بھی تقسیم کر سکتا ہے یا کہ نہیں؟

۴۔ زید نے کچھ رقم برائے حفاظت بنک میں رکھ دی۔ اس کی نیت سود حاصل کرنا نہیں تھی، بنک سے رقم واپس کر لی اور ساتھ سود بھی ملا، کیا وہ سود کسی غریب محتاج کو دے سکتا ہے وہ خود استعمال کو منع سمجھتا ہے۔ جمع کرنے کے وقت بھی اس کی نیت یہی کہ یہ رقم سود غربا یا محتاجوں کو دے دے۔ قرآن و حدیث سے جواب دیکر اللہ تعالیٰ و رسول مقبول سے ثواب دارین حاصل کریں۔ جزاک اللہ خیر حاصل فرمادیں، اللہ تعالیٰ ثواب عطا فرمائے گا۔

احقر العباد سید عبد الحمید شاہ سبزواری چک نمبر ۵۵ م

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ درست ہے کہ عقیقہ میں گائے یا بیل کا حصہ بھی جائز ہے، فتاویٰ عالمگیری ج ۴ ص ۳۴ میں ہے وكذلك ان اراد بعضهم العقيقة عن ولد ولد له من قبل كذا ذكره محمد عليه الرحمة في نوادر الضحايا۔

۲۔ افضل تو ولادت سے ساتویں روز ہے مگر عمر بھر ہو سکتا ہے، روایات میں آیا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود اپنا عقیقہ کیا۔ یہ شکر نعمت ہے اور شکر نعمت عمر بھر میں ہو سکتا ہے۔ شرح شمائل ملا علی قاری علیہ الرحمہ ج ۱ ص ۳۵ میں فتاوے قفال مروزی سے ہے انه صلى الله عليه وسلم عق عن نفسه بعد النبوة اور یونہی شرح شمائل مناوی علیہ الرحمۃ ج ۱ ص ۳۵ میں تہذیب نووی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا، نیز الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۶ میں شیخ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس

نقل کے بعد فرماتے ہیں فیحمل ذالک علی ان الذی فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار للشکر علی ایجاد اللہ ایاہ رحمۃ للعالمین و تشریع لامتہ۔

۳- ہاں اگر وہ آدمی عمر کا کام زکوٰۃ نہ دے تب بھی کرتا ہے تو عمر اس کو زکوٰۃ کی نیت سے دے سکتا ہے یعنی خدمت کا عوض نہ سمجھے اس لئے کہ کسی کی خدمت کرنا جوازِ زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۹۷ میں ہے و کذا ما یدفعہ الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد و غیرھا بنیۃ الزکوٰۃ کذا فی معراج الدرایۃ۔

۴- ہاں وہ بنک سے ملا ہوا سودی روپیہ خود استعمال نہ کرے بلکہ کسی غریب یا محتاج کو دے دے مگر یہ نہ سمجھے کہ صدقہ ہے اور ثواب ہوگا بلکہ اپنے سر سے اس بلا ٹالنے کے لئے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ رجب المرجب ۸۳ھ ۱۴/۱۲/۶۳

الاستفتاء

بخدمتِ اقدس قبلہ و کعبہ الحاج اباجی صاحب دامت برکاتکم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- کے بعد نہایت عاجزانہ التجاء کہ بندہ حضور کی خدمتِ اقدس میں خط نہ لکھنے کی خطا سے معافی مانگتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بندہ جب

حضور کے حاضر ہوا تھا تو ایک مہینہ رخصت پر رہا اور حتمی ارادہ تھا کہ مری کے علاوہ
میں نہیں رہوں گا لیکن ان کے پے در پے خطوں نے جانے پر مجبور کر دیا۔ جب بھگواڑی پہنچا
تو حالات دگرگوں تھے یعنی جس آدمی کو پیچھے نمازوں اور جمعہ کے لئے چھوڑ گیا تھا وہ
پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہا تھا اور عوام کی اکثریت اس کے خلاف تھی۔ جب بندہ
پہنچا تو اس نے مخالف پہلو اختیار کیا اور بدر صاحب کا سخت مخالف بن چکا تھا
اور اس نے اپنی مکمل پارٹی بنالی ہے۔ بندہ کا پہلے اس کے خیال تھا کہ لاہور آجاؤں
لیکن اب بھگواڑی رہنے کا ارادہ ہے اور اسے شکست دینے کا بھی ارادہ کر چکا ہوں
بندہ کی فتحمندی کی بنیاد حضور کی دعائیں ہیں ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

باقی ایک مسئلہ میں بندہ کے ساتھ ان کی شدید جھڑپ ہوتی ہے
وجہ یہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوۃ کھانی جائز ہے یا نہیں، اس نے کہا ہے کہ جائز ہے
اور اس کے اتحادی باقی مولوی صاحبان اس کی تائید کرتے ہیں' حوالہ دیتے ہیں
قہستانی کا اور دوسری اور کتابیں ہیں۔ بندہ نے کہا مطلقاً نہیں جائز اور قہستانی کا
اگر سچا حوالہ بھی ہو تو میں ماننے کے لئے تیار نہیں کیونکہ یہ موضوع روایت کا جامع ہے
بندہ کی تائید ایک دیوبندی مولوی نے کی، بہرکیف نزاع کافی حد تک پھیل چکا ہے اور
بندہ بالکل مضبوط ہے، یہ پتہ نہیں کہ سچ پر ہوں یا باطل پر، دل کہتا ہے کہ حق پر ہوں
بعدہ آداب و السلام عرض۔ پتہ نہیں قبلہ بندہ کی تمام زندگی میں مخالفت ہی مخالفت ہے
اب تک اتفاق کا چہرہ نہیں دکھائی دیا، اگر اسی طرح رہا تو یہ کام چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤں گا
بعدہ بندہ کی طرف سے تمام اساتذہ کرام کی خدمت میں السلام علیکم قبول ہو۔

راقم الحروف صابر علی دتّو

مولانا بدر صاحب و مولانا فلک شیر صاحبان سلام عقیدت پیش کرتے ہیں
اور آقا تحریر میں غلطیاں بہت، پردہ پوشی فرمائیں، ہماری تحریر حضور کی خدمت میں حاضر

کرنے کے لائق تو نہیں لیکن اور کوئی وسیلہ نہیں۔ بندہ کی طرف سے صاحبزادہ محمد محب اللہ اور چودھری صاحب، خورد و کلاں کی خدمت میں نہایت عقیدت مندانہ السلام علیکم قبول ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

عزیز القدر عزیزی مولانا صابر علی خاں صاحب سلمہ ربہ تعالٰی ونصرہ علی جمیع اعدائہ نصرا

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از دعوات عافیت دارین آنکہ مدت کے بعد تمہارا خط پہنچا، اچھا ہے وہیں دین کی خدمت کرو، اللہ تعالٰی حق کو فتح عطا فرمائے۔

یہ مسئلہ صحیح ہے کہ بنی ہاشم کے لئے زکوٰۃ جائز نہیں ہے، ظاہر الروایہ فقہ حنفی کی یہی ہے کسی ضعیف روایت سے حرام، حلال نہیں ہو سکتا، حضور پر نور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور حضور کے فرمان کے برخلاف کس کی بات معتبر ہو سکتی ہے؟ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی بہت بڑی جماعت اس مضمون کی حدیثیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جن میں یہ حضرات حضرت سیدنا امام حسن مجتبٰی، حضرت امام حسین، حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس، حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابو ہریرہ، حضرت انس بن مالک، حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری، حضرت ابو رافع، حضرت ہرمز یا کیسان، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت ابو یعلٰے، حضرت ابو عمیرہ رشید بن مالک، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن علقمہ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عقیل، حضرت ام المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق، حضرت ام المؤمنین ام سلمہ، حضرت ام المؤمنین جویریہ بنت الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین داخل ہیں۔ اختصاراً صرف مسلم شریف

(مطبوعہ رشیدیہ دہلی) کتاب الزکوٰۃ ج ا ص ۲۴۵ سے ایک حدیث نقل کی جاتی ہے کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ان ھٰذہ الصدقات انما ھو اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد و لا لآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہی کتب فقہ میں ہے۔ فتاوے عالمگیری ج ا ص ۹۷، فتاوے قاضیخان ج ا ص ۱۲۵، فتاوے سراجیہ ص ۲۸، خلاصۃ الفتاوی ج ا ص ۲۴۲، بدائع صنائع ج ۲ ص ۴۹، کنز الدقائق بحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ وغیرہا کتب مذہب مہذب حنفیہ میں ہے و النظم من البحر ای لایجوز الدفع لھم لحدیث البخاری نحن اھل بیت لاتحل لنا الصدقۃ اور اس مسئلہ میں ائمہ مذاہب حقہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق و اجماع ہے۔ میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۴، رحمۃ الامہ ج ا ص ۱۳۸ میں ہے و النظم من المیزان اتفق الائمۃ الاربعۃ علی انہ لایجوز اخراج الزکوٰۃ لبناء مسجد او تکفین میت و اجمعوا علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

لہذا آپ آئندہ کے لئے بھی بالکل مضبوط رہیں کہ یقیناً سچ پر ہیں، مخالفت سے گھبرانا نہیں چاہیئے، کام چھوڑنے سے مخالفت ہرگز نہیں چھوڑتی۔ جو بھی نیا کام کروگے حتیٰ کہ ہل چلاؤ گے تو پھر بھی مخالفت ہوسکتی ہے جو وٹو وؤں کا قومی کام ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دعائیں پہنچتی رہیں گی۔ کیا دار العلوم کے لئے بھی کچھ ہوسکتا ہے یا بوجہ مخالفت مشکل ہے؟ بدصاحب اور فلک شیر صاحب سے سلام محبت، آپ نے یہ غلطی کی ہے کہ اپنا پتہ نہیں لکھا لہذا بدصاحب کی معرفت بھیج رہا ہوں۔

والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ شعبان المعظم ۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل میں :-

۱۔ زکوٰۃ لڑکی اور داماد کو جائز ہے ؟

۲۔ بہن اور بھائی کو جائز ہے ؟

۳۔ انگریز سے جو سود بنک کے ذریعہ سے وصول ہوا اس کا خرچ نیک کاموں میں جائز ہے ؟

۴۔ قرضدار کو قرض بعوض زکوٰۃ معاف کیا جائے تو زکوٰۃ جائز ہے خواہ قرضدار پر کتنا قرض ہو ؟

۵۔ اور زمین سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے کیا اس میں زکوٰۃ ہے ؟

سائل : شاہد خاں صاحب از بنک ۲۱ ۸/۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

۱۔ لڑکی کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں اور داماد کو جبکہ مصرف زکوٰۃ ہو، جائز ہے۔

۲۔ بہن اور بھائی مسکین و فقیر کو جائز ہے۔

۳۔ انگریز سے جو سود بنک کے ذریعہ لیا وہ حقیقۃً سود نہیں بلکہ مالِ موذی نصیبِ غازی ہے اور جیسے غازی مالِ غنیمت ہر نیک کام میں خرچ کر سکتا ہے ایسے ہی یہ روپیہ

انگریز سے لیا ہوا بھی خرچ کر سکتا ہے۔

۴۔ قرض دار کو قرض بعوض زکوٰۃ معاف کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے خواہ قرض کتنا ہی ہو مگر صرف اس قرض کی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے جو معاف کیا دوسرے اموال کی نہیں۔

۵۔ اگر زمین خراجی نہ ہو، جیسی ہمارے ملک کی زمینیں ہیں تو اس زمین کے غلہ میں زکوٰۃ لازم ہوتی ہے بارانی اور بغت کے غلہ سے سواں حصہ زکوٰۃ ہے اور کنوئیں یا خریدے ہوئے پانی سے سیراب کئے تو بیسواں حصہ لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۲ر شعبان المعظم ۶۷ھ

۲۱ جون ۴۸ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں

بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

حضرت مولیٰ تعالیٰ عزوجل کا فرمانِ والاشان ہے انما الصدقات
للفقراء والمسٰکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی
الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل ط فریضۃ من
اللہ ط واللہ علیم حکیم ۰ پارہ دہم رکوع ۱۴ " زکوٰۃ تو انہی لوگوں کے لئے ہے
محتاج اور نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی
جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرضداروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ مقرر
کیا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے " یہ آٹھ قسم ہیں، ان سے نمبر چہارم بہ اجماعِ
صحابہ کرام بحکم حدیث شریف ساقط ہو گیا کہ جب مولیٰ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ و شوکت عطا
فرمایا تو اس کی ضرورت نہ رہی کہ کچھ دے کر ان کے دل بہلائے جائیں۔ تیسرا اور پانچواں
نمبر ہمارے ملک میں موجود نہیں اور قرضداروں سے مراد وہ ہیں جو بغیر کسی گناہ کے
مبتلائے قرض ہوئے اور اتنا مال نہ رکھتے ہوں جس سے قرض ادا کریں، انہیں ادائے
قرض میں مال زکوٰۃ سے مدد دی جائے، مسافر سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس مال
نہ ہو، طالب علم اہل السنۃ والجماعۃ نمبر اول و دوم و ہفتم میں داخل ہیں اور زیادہ تر مستحق ہیں کہ اس
پرفتن دور میں دینِ متین کے جانباز و حامی ہیں طالب علم شرعی کے استحقاق قومی کی اہمیت
تیسرے پارے کی اس آیت میں بھی نمایاں طور پر ثابت ہے جو اصحابِ صفہ (نبی کریم صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طالب علموں) کے حق میں نازل ہوئی۔ ارشاد ہوتا ہے للفقراء
الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض

یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف الآیۃ (پارہ سوم رکوع پنجم) جو ان فقیروں کے لئے جو راہِ خدا میں روکے گئے ہیں زمین میں چل نہیں سکتے (کہ چل کر کسب معاش کر سکیں) نادان انہیں تونگر سمجھے (سوال سے) بچنے کے سبب۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی دغوی

۱۵ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ

الاستفتاء

باسم المجید بفضل اللہ مایرید، بگرامی قدر جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مدیۂ سنت خیر الانام بعد خیریت جانبین خدا سے مطلوب، مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب دے کر عند اللہ اجر حاصل کریں :۔

ا۔ حضرت زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتول کے سوا دوسری بیویوں سے جو اولاد علی کرم اللہ وجہہ چلی ہے وہ علوی سید کہلا سکتے ہیں یا نہیں؟

ب۔ قطب شاہ بغدادی علوی کی اولاد (اولادِ بنی ہاشم) فاطمی رشتوں سے آپس میں رشتے ناطے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

ت۔ ایک شخص کہتا ہے کہ علوی سید کہلانا جرم ہے حالانکہ ارشادِ الٰہی ہے ادعوھم لآبائھم۔

ج۔ علوی سید کہلانے والا آدمی خود اعلان کرتا ہے کہ بھائی فاطمی سید تو خود مطلق سید

سکتا ہے اور غیر فاطمی علوی سے مشتق ہوتے ہیں مگر دونوں حضرات پر صدقات وزکوٰۃ حرام ہیں بوجہ قربت خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر وہ ایک اکیلا آدمی رٹ لگاتا ہے کہ جو علوی ہو کر سید کہلائے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہر سہ جزئیات کا جواب مدلل طور پر لکھیں، بینوا توجروا۔ جواب سے جلدی مستفید کریں۔

پتہ: حکیم مولوی محمد اعظم خطیب جامع مسجد مقام چکواری ڈاک خانہ خاص ضلع میرپور آزاد کشمیر

جوابی لفافہ ارسال خدمت ہے لہٰذا مہربانی فرما کر جلدی جواب دیویں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ :- سید کا لفظ لغت عرب کے لحاظ سے بڑا عام ہے حتیٰ کہ کافروں پر بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں عزیز مصر کو سید فرمایا گیا ہے الفیا سیدھا لدی الباب مگر آجکل پاکستان وغیرہ چند ممالک کی اصطلاح میں حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک کو کہا جاتا ہے جو حضرت امام حسن مجتبیٰ اور حضرت امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بھی اولاد ہے۔ دستور العلماء ج ۲ ص ۱۹۳ میں ہے السید بفتح الاول والثانی المشدد الرئیس کما یقال سید القوم ای رئیسھم ثم غلب فی من کان من اولاد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب ممالک میں ان حضرات کو شریف کہا جاتا ہے بہرحال یہ ایک اصطلاحی چیز ہے اس اصطلاح کے لحاظ سے تو غیر فاطمی حضرات سید نہیں بن سکتے، ہاں اگر کوئی نئی اصطلاح بن گئی ہو یا بنائی جائے تو کوئی حرج نہیں کہ اصطلاح جدید سے شرعاً ممانعت نہیں آئی مگر موجودہ

اصطلاح کے لحاظ سے پرہیز ضروری ہے اگرچہ وہ علوی کی قید یا حیثیت سے سید کے جائیں مگر عوام الناس کے لئے ضرور دھوکا لگتا ہے جو ادعوھم لآبائھم کی خلاف ورزی کے حدود میں پہنچا سکتا ہے ہاں نرا علوی کہلائیں یا شاہ صاحب کہلائیں تو یہ ہو سکتا ہے مگر وہ بھی جبکہ تکبر کی نیت سے نہ ہو ورنہ کون نہیں جانتا کہ تکبر دغرور حرام ہیں اور جہنم میں پہنچانے والے ہیں، قطب شاہ صاحب بغدادی کی اولاد کہلانے والوں کے متعلق مجھے معلوم نہیں اگر وہ واقعی بنی ہاشم سے ہیں تو رشتے مل سکتے ہیں، فتاویٰ عالمگیری میں ہے قریش بعضھم اکفاء لبعض اور زکوۃ بھی واقعی ان پر حرام ہے، فتاوےٰ عالمگیری ج ا ص ۹۷ میں ہے ولا یدفع الی بنی ھاشم وھم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب کذا فی الھدایۃ اور اگر بنی ہاشم سے نہیں تو پھر یہ حکم بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں کہ زکوۃ کا مال ایسے شخص کو دینا جائز ہے جس کے پاس حج کے لئے نصف سے زائد روپیہ ہے اور باقی کمی ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: نور محمد، پاکپتن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی حج کو جارہا ہے تو دینا جائز ہے قرآن کریم میں ہے فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستے میں زکوٰۃ دینی جائز ہے اس میں طالب علم غازی حج کرنے والا جس کے پاس حسب ضرورت خرچ نہ ہو سارے داخل ہیں۔ ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے شامی ج۲ ص ۶۴ میں ہے فقد قال فی البدائع فی سبیل اللہ جمیع القرب فیدخل فیہ کل من سعی فی طاعۃ اللہ و سبیل الخیرات اذا کان محتاجا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر الی الکریم محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ بھنگی اور شرابی کو مال زکوٰۃ کا دینا یا مال زکوٰۃ کا کپڑا یا کھانا لیکر دینا جائز ہے یا نہیں اس مسئلہ کو بحوالہ کسی کتاب مستند کا تحریر کریں۔

خیر اندیش قدیم عبد الکریم المتعلم خود از حجرہ شاہ مقیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ایسے شخص کو زکوٰۃ دینی لائق نہیں جس کے متعلق معلوم ہو کہ بے جا اور گناہ میں خرچ کرے گا۔ طحطاوی علی المراقی ص ۴۳۵۔ فتاوے بریہنہ ج ۲ ص ۱۱ میں ہے والنظم من الطحطاوی لا ینبغی دفعھا لمن علم انہ ینفقھا فی سرف او معصیۃ۔ بلکہ عموماً یہ لوگ بدعتی اور شریعت کے چور ہوتے ہیں، ایسے کو دینا منع ہے۔ تنویر الابصار متن در المختار میں ہے جو متونِ معتبرہ سے ہے۔ ج ۲ ص ۹۴ مع الشرح والحاشیۃ لا یجوز صرفھا لاھل البدع اقول وقد قررھا العلائی والشامی فی الغالی بلکہ قرآنِ کریم کا فرمان ہے ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ تو ان لوگوں کی امداد کرنا گناہ ہوا۔ اور بحر الرائق میں ہے لانہ اعانۃ علی الحرام اور یہ وجوہ مانع عین مالِ زکوٰۃ اور کپڑا وغیرہ اس کے معاوضہ میں دینے کو شامل ہیں وھذا بین من ان یبین واوضح من ان یبرھن وھو الموفق والھادی۔ وصلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم الی یوم التنادی بل ابد الآبادی۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بنام جناب حاجی محمد خلیل محمد جمیل صاحبان آڑھتیان پشم منٹگمری

آپ نے مسئلہ دریافت فرمایا ہے کہ آیا ایسے پرائمری سکول کے مدرس کو بطور مشاہرہ رقم زکوٰۃ دینی جائز ہے جس میں امراء و غرباء کے لڑکے پڑھا کرتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مالِ زکوٰۃ بطورِ تنخواہ دینے سے چونکہ معاوضہ بنے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی ، اگر زیادہ ضرورتِ دلائل ہو تو مطلع فرمائیں بفضلہ و کرمہ تعالٰی لکھ کر بھیج دیئے جائیں گے مگر میرے خیال میں یہ ایک دلیل ہی کافی ہو گی اور کارہ ڈھیر آیات و احادیثِ شریفہ کا لکھنا بھی اچھا نہیں لہذا اسی پر اکتفاء کرتا ہوں ، والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

ہائی سکول حجرہ جو کہ پہلے پہلی جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک اکٹھا تھا، چند دن ہوئے گورنمنٹ کی طرف سے پرائمری سکول علیحدہ کر دیا گیا ہے جس کے حصہ میں بالکل عمارت نہیں ملی، صرف بورڈنگ ہی ملا جس میں کمرہ صرف ایک ہی تھا چونکہ پرائمری سکول کے لئے کمرے کی ضرورت محسوس ہونے کی وجہ سے خیال کیا کہ آیا اس عمارت کے لئے پرائمری سکول کو زکوٰۃ فنڈ دے سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

مستفتی: محمد رمضان، نور حسن دوکانداران حجرہ شاہ مقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

پرائمری سکول کی عمارت کیا مسجد کی عمارت میں بھی زکوٰۃ فنڈ نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ فتاوٰے عالمگیر اور تمام کتبِ مذہبیہ میں مسطور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیب وآلہ واصحاب وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ ربیع الثانی ۷۹ھ بروز اتوار

الاستفتاء

مرشدی و مولائی و والدی قبلہ و کعبہ الحاج حضرت مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ صاحب نعیمی مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ : بعد از ادائے آداب نیاز مندانہ عرض سلام خیریت جانبین از درگاہ ایزدی نیک مطلوب المرام اینکہ :

۱۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مستحق کے ملک کرنا شرط ہے مگر عموماً مدرسہ کی رسید کاٹ دی جاتی ہے اور مدرسہ کے کھاتہ میں رقم جمع ہو جاتی ہے۔ اصل مستحق جو طلباء ہیں ان کے ملک نہیں کی جاتی۔ اس کی کیا صورت ہے؟

مفصل مسئلہ مع حوالہ جات کتب سے مستفیض فرمائیں۔

۲۔ نحر کا سنت طریقہ کیسے ہے؟

السائل

رشید احمد نوری از تونسہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ واقعی زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے مگر آپ کو یہ کس نے کہا کہ طلباء کے ملک نہیں کی جاتی ہے۔ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ دار العلوم میں زکوٰۃ یا کوئی ایسی رقم آئے جس میں تملیک شرط ہے تو وہ مستحق طلباء کے ملک ضرور کی جاتی ہے اور طلباء اپنی رضا سے دار العلوم کے ملک

کر دیتے ہیں پھر وہ رقم دار العلوم کے کھاتہ میں جمع ہوتی ہے۔ اس چیز کی نہایت احتیاط کی جاتی ہے، ہمارے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں زکوٰۃ فقیر کے ملک کی جائے اور فقیر اپنی خوشی سے دیدے تو جائز ہے۔ فتاوے عالمگیر ج ۴ ص ۳۷۷ اور شرح الاشباہ للحموی ص ۶۱۳ میں ہے و کذلک فی جمیع ابواب البر التی لا یقع بہا التملیک کعمارۃ المساجد وبناء القناطر والرباطات لایجوز صرف الزکوٰۃ الی ھٰذہ الوجوہ و الحیلۃ لہ ان یتصدق بمقدار زکاتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذلک بالصرف الی ھٰذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ و لذلک الفقیر ثواب بناء المساجد والقنطرۃ۔ اور شامی ج ۲ ص ۱۶ میں ہے وقد یقال ان ثواب التکفین (وغیرہ) یثبت للمزکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ و ان اختلف الثواب کما و کیفا قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علی یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ۔

۲۔ نحر کا یہ طریقہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کیا جائے اور اگلا پاؤں باندھ دیا جائے اور نیزہ گردن کے اگلے حصے پر مار کر رگیں کاٹی جائیں، اس کا ذکر قرآن کریم سورۃ الحج شریف کی آیت والبدن جعلنٰھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف میں ہے۔ ترجمہ اور تفسیریں نکال کر دیکھ لیں اور احادیث شریفہ میں بھی اس کا ذکر ہے اور کتب فقہ میں بھی۔ آپ نے زکوٰۃ کا لفظ ذال سے لکھا ہے حالانکہ زا ہے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ ۱۴۰ ذوالقعدۃ المبارکہ ۱۳۸۸ھ

الاستفتاء

بگرامی خدمت جناب حضرت مولانا مفتی صاحب دار الافتاء دار العلوم البصیر پور

حضرت والا، السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ، عرض آنکہ:

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین دربارہ این مسئلہ کہ عقیقہ کے طور پر گائے قربانی کے حصص کے شمول کے علاوہ باقی سال بھر میں ذبح کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگر گائے قربانی کے علاوہ دیگر ایام میں بطورِ عقیقہ پوری کی پوری ذبح کی جائے تو شرع شریف میں جائز ہے یانہیں؟ ایک عالم صاحب نے قربانی کے شمول کے علاوہ گائے کا عقیقہ دیگر ایام میں کرنا ناجائز قرار دیا ہے، شرع شریف کی روشنی میں اس کا حل درکار ہے۔

۲۔ گائے کا عقیقہ ناجائز خیال کرتے ہوئے بکروں کا عقیقہ کیا جاوے اور بکرے مخصوص قربانی کے لئے پال رکھے ہوں تو بکروں کا ذبح کرنا جائز ہے یانہیں؟

۳۔ صدقہ کے بکرے کا گوشت صدقہ دینے والا کھا سکتا ہے یانہیں؟

احقر شبیر احمد عفی عنہ چیچہ وطنی مکان ۱۸۱۳ بلاک ۱۲ ضلع منٹگمری ۲۶ $\frac{8}{64}$

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

حضرت مولانا صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:-

۱۔ ہاں دیگر ایام میں بھی گائے کا عقیقہ جائز ہے، صحیح بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث کی

مرفوع وصحیح حدیث میں ہے اهريقوا عنه دما (ترجمہ: بہاؤ (ذبح کرو) بچہ کی طرف سے کوئی خون (کسی جانور کا عقیقہ کرو)۔ یہ امر اہراق قیدِ وقت سے مبرا ہے تو جمیع اوقات کو شامل ہوگا اور یونہی دماً بھی مطلق ہے تو جنس قربانی کے جمیع حیوانات پر صادق آئے گا تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ گائے کا عقیقہ مطلقاً جائز ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔ قسطلانی علی البخاری ج ۶ ص ۲۶۲ میں ہے والجمهور على اجزاء الابل والبقر ايضا لحديث عند الطبرانى عن انس مرفوعا يعق عنه من الابل والبقر والغنم (ترجمہ) جمہور کے نزدیک اونٹ اور گائے بھی کفایت کرتے ہیں بسبب ایک حدیث کے جو طبرانی نے حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ عقیقہ کیا جاوے بچہ کا اونٹ اور گائے اور بکری سے۔" اور یونہی فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۴۸۷ میں بھی ہے بزیادۃ "وابی الشیخ بعد الطبرانی" تعجب ہے کہ یہی اطلاق جواز تو قربانی کے دنوں میں جواز کی دلیل ہے مگر آپ کے عالم صاحب الٹے یہ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں جائز نہیں یعنی اطلاق جواز کے قائل نہیں تو ان پر لازم ہے کہ خصوصِ جواز کی دلیل پیش کریں حالانکہ ایسی کوئی دلیل ہے ہی نہیں بلکہ مجھے تو تمام عالم میں ایسا کوئی عالم معلوم نہیں جو ایسی تخصیص کا قائل ہو شاید آپ کے عالم صاحب کیسے عالم ہیں!

۲۔ ایسے خیال سے بچنا ضروری ہے کہ یہ جمہور ائمہ و مشائخ اسلام کے خلاف ہے اور قربانی کے مخصوص بکرے چونکہ قربانی کے لئے ہی مخصوص ہیں تو عقیقہ میں ذبح نہ کئے جائیں۔

۳۔ عام عقیقہ کا گوشت عقیقہ کرنے والا کھا سکتا ہے ہاں اگر نذرِ شرعی کی بناء پر عقیقہ کرے یا کوئی اور واجب و فرض صدقہ ادا کرتے ہوئے بکرا کرے تو ہرگز نہ کھائے بلکہ صرف فقراء و مساکین کو ہی کھلائے کہ یہ ان کا ہی حق ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عفو المفتقر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵ ربیع الثانی شریف ۱۳۹۰ھ

عشر

بابُ العشر

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ :

۱. چاہی زمین اور نہری زمین یعنی جس کو نہری پانی تمام سال ملتا رہتا ہے اور جس کو چاہی زمین کو آں کا پانی ملتا رہے اور چھ ماہ کے بعد نہری بھی مل جائے اس کے عشر کے متعلق بتائیں ہمیں کتنا لگتا ہے؟ کیا جو فصل پک کر تیار ہو جائے اور اس کی بٹائی کی جائے خواہ نہری ہو یا چاہی ہو کیا اس کا بھی عشر کتنا دیا جاتا ہے یا کہ کچا فصل مثلاً چارہ جو بھینس کو چرایا جائے یا ویسے اس کی رقم نہ فروخت کر کے لی جائے ویسے ہی کچا فصل ہی ویسے بانٹ یا چارے کے موافق کھلایا وغیرہ جائے، کیا عشر دیا جائے گا یا نہیں؟

۲. عشر جس فصل یا فصل کی رقم کا دیا جائے اور اس رقم کی زکوٰۃ بھی نکالی جائے گی خواہ عشر والی رقم کو سال ہوا ہو یا کہ نہیں، عشر کی رقم کس طرح خرچ کرنی چاہیے اور کس

کس آدمی کو یا رشتہ داروں میں کس طرح دی جاتی ہے، کون کونسے رشتہ داروں کو جو غریب ہوں یا عشر مسجد یا مسجد کی کسی جگہ یا کوئی ایسی جگہ یہاں نہ دیا جاتا ہو، اس سے مطلع فرمائیں بینوا توجروا۔

سائلان، حاجی محمد الدین محمد رمضان دوکانداران حجرہ شاہ مقیم ضلع منٹگمری۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

چونکہ ہمارے یہاں نہری پانی قیمت سے ملتا ہے لہذا نہری اور چاہی کھیتی کا ایک ہی حکم ہے، گندم، جو، دھان وغیرہ ہر فصل کا نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دینا پڑتا ہے، پکا غلہ اٹھائے یا کچا ہی جانوروں کو چارے کی صورت میں کھلائے یا فروخت کر دے اور اگر مزارع کو بٹائی پر زمین دی ہوئی ہے تو زمیندار اپنے حصے کا اور مزارع اپنے حصے کا دے عشر میں قیمت بھی دی جاسکتی ہے مثلاً ایک من گندم دینی پڑی تو اس کی قیمت نرخ حال کے حساب سے نقدی وغیرہ کی صورت میں دے سکتا ہے، عشر اور زکوٰۃ دونوں کا ایک ہی حکم ہے، ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، بیوی یا خاوند کو دینا جائز نہیں اور اسی طرح اولاد اور اولاد کی اولاد کو بھی نہیں، باقی غریب رشتے دار کو دے سکتا ہے بشرطیکہ اہل بیت کرام نہ ہوں کہ مال زکوٰۃ میل کچیل ہے اہل بیت کرام کے لائق نہیں اور مسجد پر بھی نہیں لگا سکتا۔

آپ کے سوال میں جس عبارت پر لکیر کھینچ دی ہے وہ سمجھ نہیں آتی لہذا اس کا جواب نہیں لکھ سکا، سوال ہمیشہ صاف صاف اور سادہ الفاظ میں ہونا چاہئے اور زیادہ

مسائل کا اکٹھا سوال بھی نہیں چاہیئے کہ اتنی فرصت نہیں کہ ایک وقت میں سب کا جواب دیا جاسکے بدیں وجوہ آپ کے پہلے سوالوں کے جواب اب تک نہیں دے سکا ہوں آپ کا وہ کاغذ اور لفافہ بھی واپس کررہا ہوں جس جس مسئلہ کی ضرورت ہو اکیلا اکیلا لکھیں۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

محمد المفتی ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ر صفر المظفر ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

بخدمت اقدس حضرت مولانا المعظم والمکرم دامت برکاتہم العالیہ

پس از تسلیم مع التکریم معروض کہ کیا ارشاد ہے علمائے دین کثرہم اللہ تعالٰی ونصرہم وایدہم وابدہم کا اس مسئلہ میں کہ کیا زکوٰۃ ہے ایسی کھیتی کی جس کو کھاد و سہاگہ جیسی نہروں کا پانی دیا جاتا ہے اور اس پانی کی قیمت (آبیانہ) ادا کی جاتی ہے، بینوا توجروا۔

السائل العبد محمد رمضان نوری غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں نصف عشر لازم ہے کہ اس میں بھی کثرت موئنہ ہے، علامہ علاؤ الدین علیہ الرحمہ نے درالمختار ج ۲ ص ۶۹ مع الشامی میں شوافع سے نقل کرتے ہوئے برقرار رکھا وفی کتب الشافعیۃ اوسقاہ بماء اشتراہ وقواعدنا لا تاباہ پھر عرف عام سے یہ معاملہ ثابت و صحیح ہو چکا ہے تو حکم وہی ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۰ رجمادی الاخریٰ ۴ ۱۳۷ھ بروز جمعۃ المبارک

الاستفتاء

قبلہ و کعبہ دارین حضرت مولانا صاحب مولوی نور اللہ صاحب مدظلہ العالی

بعد از آداب و تسلیمات خیریت و عافیت آں ذات ستودہ صفات از درگاہ مجیب الدعوات مرام نیک مطلوب المعروض اینکہ بندہ آنحضور پرنور کا نہایت از تہ دل مشکور و ممنون ہے کہ عزیزم رشید احمد فرزندم آں ذات ستودہ صفات کے دائرہ بندگان میں داخل ہو کر نہایت متشرع اور نیک اطوار آنجناب سے مستفید و مستفیض ہو رہا ہے، آنحضور کا پتہ مبارک

بھی تحریر کر دیا ہے۔ انشاء اللہ بعد برداشتگی خرمن بلائے جناب کے درسِ اقدس میں حصہ عشر انشاء اللہ بھیجا جائے گا۔ نیز بندہ کے خاتمہ بالخیر کے لیے بھی اللہ میاں سے دعا فرما دیں۔

۲۔ چند ایک مسائل کا خدشہ بوجہ قلتِ فرصت کے رہتا ہے لہٰذا ان کے اجوبہ سے ممنون و مشکور فرما دیں۔

مسئلہ نمبر ۱: سورہ ممتحنہ پارہ ۲۸ میں الآیۃ یا ایھا النبی اذا جاءك المؤمنات یبایعنك الخ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا جاءكم المؤمنات الخ ہر دو آیہ مبارکہ میں المؤمنات فاعل ہے جاءَ کا بوجود فاعل مؤنث حقیقی ہونے کے فعل جاء کیسے مذکر استعمال ہوا ہے؟

مسئلہ نمبر ۲: جو اراضی مملوکہ اہلِ اسلام حکومتِ پاکستان ہیں، عشری ہیں یا خراجی؟

مسئلہ نمبر ۳: جو اراضی غیر مسلم اقوام فی الحال الاٹمنٹ حکومت نے مہاجرین کو کر دی ہیں وہ عشری ہیں یا خراجی؟ اگر عشری ہیں تو عشر مالکان عارضی پر ہے یا مزارعان پر اور صاحب شارح درالمختار معروف بالشامی نے تحریر فرمایا ہے کہ اراضی مملوکہ حکومت پر نہ عشر اور خراج مزارعین پر ہے اور نہ حکومت پر۔

مسئلہ نمبر ۴: کیا عشر و زکوٰۃ فقیروں کے دربار پر لنگر میں جہاں امیر فقیر کو روٹی ملتی ہے اور فقیر خود متوفی ہیں، درست ہے دینا یا نہ، والسلام

العارض: بندہ محمد حنیف بمعرفت شیخ محمد امین سوداگر چرم منکیرہ خاص تحصیل بھکر ضلع میانوالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ نحو کا قاعدہ ہے کہ جمع مذکر سالم کے ماسوا ہر اسم ظاہر جمع کے لیے اسم ظاہر مؤنث

غیر حقیقی کا حکم ہے اس امر میں کہ تذکیر و تانیث فعل دونوں میں جائز ہیں، تذکیر اس لئے کہ وہ جمع ہے اور لفظِ جمع مذکر ہے اور تانیث اس لئے کہ جماعت ہے اور لفظِ جماعت مؤنث ہے اور یہ لحاظ نہیں کیا جاتا کہ مفرد حقیقۃً مذکر ہے تو جمع کے لئے فعل مذکر چاہئے یا مؤنث ہے تو فعل مؤنث چاہئے، کافیہ میں ہے وحکم ظاهر الجمع غير المذكر السالم مطلقا حكم ظاهر غير حقيقي۔ شرح ملّا جامی میں ہے مطلقا ای سواء کان واحده مؤنثا نحو اذا جاءك المؤمنات او مذكرا نحو جاءت الرجال حكم ظاهر غير المؤنث الحقيقي فانت بالخيار ان شئت الحقت التاء به وان شئت تركتها نحو جاءت الرجال وجاء الرجال۔ غایۃ التحقیق میں ہے مطلقا ای سواء کان واحده مؤنثا حقيقيا كالنسوة والمؤمنات او مذكرا حقيقيا كالرجال و الجمال حكم ظاهر المؤنث غير الحقيقي في جواز تذكير الفعل و تانيثه نحو جاء الرجال وجاءت الرجال قال الله تعالى اذا جاءك المؤمنات وقال نسوة وقالت الاعراب وانما جاز فيه الوجهان لانه مأول بالجماعة والجماعة مؤنث باعتبار اللفظ غير مؤنث باعتبار المعنى فيجوز الوجهان عملا بالاعتبارين۔ رضی اور تکملہ عبد الغفور میں بالفاظِ متقاربہ ہے وانما لم يعتبر التانيث الحقيقي الذي كان في المفرد لان المجاز الطارئ ازال حكم الحقيقي كما ازال التذكير الحقيقي في رجال۔

۲۔ ان اراضی سے غالباً وہ اراضی مراد ہیں جو مملکتِ پاکستان کے زمینداروں کی ملکیت ہیں تو ان کے متعلق یقینی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اصل میں عشری ہیں یا خراجی بڑا مشکل ہے اس لئے کہ جب سلاطینِ اسلام نے پہلے پہل ہندوستان کے اس حصہ کو فتح کیا تھا تو یہ معلوم

نہیں ہو سکا کہ ان سلاطین نے کونسی صورت اختیار کی تھی صورتیں بکثرت ہیں بعض خراجی کی اور بعض عشری کی، پھر تغیر و تبدل مالکان سے بھی عشری و خراجی ہونے میں تغیر ہو سکتا ہے مبسوط سرخسی ج ۳ ص ، میں ہے کل بلدۃ اسلم اھلھا طوعا فھی ارض عشریۃ پھر فرمایا و کل بلدۃ افتتحھا الامام عنوۃ و قسمھا بین الغانمین فھی ارض عشریۃ لما بینا و کذلک المسلم اذا جعل دارہ بستانا او احیی ارضا میتۃ فھی ارض عشریۃ الخ اور ج ۳ ص ۸ میں ہے و کل بلدۃ فتحھا الامام عنوۃ و قھرا ثم من بھا علی اھلھا فھی ارض خراج اور ایسے ہی درالمختار، شامی، عالمگیر، بحرالرائق وغیرہا میں ہے اور جب یقینی طور پر بوجہ عدم واقفیت یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اصل میں عشری ہیں یا خراجی تو علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی ملکیت ایسی اراضی جن کے متعلق دلیل شرعی سے خراجی ہونا ثابت نہیں، حکماً عشری ہیں کہ آباد اراضی خراج یا عشر دونوں سے خالی نہیں ہو سکتیں اور مسلمانوں کے لائق عشر ہی ہے کہ اس میں عبادت کا معنی پایا جاتا ہے۔ ہدایہ ج ۲ ص ۱۰۵، فتح القدیر ج ۵ ص ۲۷۹، درالمختار شامی ج ۳ ص ۳۵۱، مبسوط ج ۳ ص ۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۵۷ میں ہے والنظم لملک العلماء ان الاراضی لا تخلو عن مؤنۃ اما العشر و اما الخراج والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولی لان فی العشر معنی العبادۃ و فی الخراج معنی الصغار مبسوط ج ۳ ص ، وغیرہ میں ہے و المسلم لا یبدأ بالخراج صیانۃ لہ عن معنی الصغار فکان علیہ العشر، اور اگر اس سوال میں ایسی اراضی مراد ہیں جو کسی کی خاص ملکیت نہیں بلکہ براہِ راست حکومت پاکستان کی مملوکہ ہیں تو وہ تحریر شامی والی صورت ہے اس کا حکم تیسرے نمبر کے جواب سے واضح ہے۔

۴۔ اراضی متروکہ غیر مسلم جو حکومت نے مہاجرین کو الاٹ کر دی ہیں، گو نام کے لحاظ سے عارضی ہیں مگر اکثر حقیقۃً مستقل ہو چکی ہیں اور مہاجرین باقاعدہ حقوقِ مالکانہ حاصل کر چکے ہیں

تو وہ عشری ہیں کہ خراجی ہونے کی دلیل نہیں۔ شامی ج ۳ ص ۳۵۲ اور ج ۳ ص ۳۵۳ ۔
بحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۶ میں ہے ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودها الی
بیت المال، نیز شامی ج ۳ ص ۳۵۱ میں ہے اذا قسم بین المسلمین[لعه] غیر
الغانمین فانہ عشری لان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداء اور جو
اراضی متروکہ وقتی عارضی طور پر الاٹمنٹ میں اور مہاجرین کے ملک نہیں یا الاٹ کے لئے
ٹینڈر کی صورت میں مسلم مزارعین کے زیر کاشت ہیں تو حسب القواعد وہ حکومت پاکستان
کا ملک ہیں کہ بلا جہاد کے حاصل ہوتی ہیں البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۷ میں قول کنز و ما
اخذنا منھم بلا قتال یصرف فی مصالحنا الخ کی شرح میں ہے
لانہ مال بیت المال فانہ وصل للمسلمین بغیر قتال و
ھو معد لمصالح المسلمین مگر یہ اراضی مملوکہ حکومت (جس کے متعلق
شامی نے ج ۳ ص ۳۵۳ میں لکھا ہے لا عشریۃ و لا خراجیۃ من
الاراضی تسمی ارض المملکۃ و اراضی الحوز) کے تحت داخل نہیں ہو سکتی
کہ خود شامی بھی اسی صفحہ میں اس اراضی کی تشریح فرماتے ہیں وھو ما مات اربابہ
بلا وارث و آل لبیت المال او فتح عنوۃ و ابقی للمسلمین
الی یوم القیامۃ یعنی اس کے مالک بلا وارث مر جائیں اور وہ زمین بیت المال
کے لئے ہو جائے یا عنوۃ فتح ہو اور مسلمانوں کے لئے قیامت تک رکھی جائے اور
ان زمینوں میں یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کے مالک صرف ڈر کے مارے بھاگ گئے
تو عشری بنیں گی کہ بیت المال کے ملک میں آنے کے سبب خراج اٹھ گیا اور عشر اٹھنے

سلعه اور اراضی متروکہ ہی بیت المال کے لئے بنی رہے گی ۱۲ منہ عفی عنہ

للعه مہاجرین بھی غیر الغانمین ہیں ۱۲ منہ عفی عنہ

کا کوئی دلیل نہیں حالانکہ کتب معتبرہ مذہب سے سن چکے کہ آباد زمین عشر و خراج دونوں سے خالی نہیں ہو سکتی اور اگر بالفرض یہ اراضی متروکہ اس اراضی الحوز کے تحت آجائے جس کے متعلق شامی نے لاعشریۃ ولا خراجیۃ فرمایا ہے تو پھر بھی عشر دینا پڑے گا اس لئے کہ شامی اس اراضی کا حکم تاتارخانیہ سے اسی صفحہ میں ناقل ہیں ان

یجوز للامام دفعہ للزراع باحد طریقین اما باقامتہم مقام الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج واما باجارتہا لہم بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا یعنی امام (سلطان اسلام)

کے لئے جائز ہے کہ وہ اراضی کاشتکاروں کے سپرد کرے دو طریقوں سے کسی ایک پر (۱) کاشتکاروں کو سابقہ غیر مسلم مالکوں کے قائم مقام کھیتی کرنے اور خراج کے دینے میں بنادے۔

(۲) کاشتکاروں کو کرایہ پہ دے جو خراج کے قدر پر ہو تو یہ وصول کردہ امام کے حق میں خراج ہوگا حالانکہ یہ حقیقت آفتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ حکومت پاکستان اراضی مذکورہ کاشتکاروں کے سپرد ان دو طریقوں سے کسی ایک پر بھی نہیں کر رہی بلکہ جو گنے لگان وصول کیا جاتا ہے جو غیر مسلم تارکین کو مالک تصور کرتے ہوئے ان کے نام خزانے میں جمع کیا جاتا ہے جسے خراج کا حکم ہرگز ہرگز نہیں دیا جا سکتا کہ خراج تو فقط مصالح مسلمین اور غازیوں اور ان کے بال بچوں کے لئے مخصوص ہے کما فی عامۃ المعتبرات اور یہ وصول کردہ خاص کفار کا حق قرار پاچکا ہے تو خراج کیسے ہو سکتا ہے اور جب خراج نہ بنا تو عشر ضرور لازم ہوگا کہ اوپر متعدد معتمدہ کتب مذہب سے گزر چکا ہے کہ کوئی آباد زمین عشر یا خراج سے خالی نہیں رہ سکتی حالانکہ فقہائے کرام صراحۃً تاکیداً فرماتے ہیں کہ فرضیت عشر قرآن کریم اور حدیث شریف اور اجماع اور عقلی دلائل سے ثابت ہو چکی ہے اور یہ کہ بلاشبہ وہ پھلوں

اور کھیتوں کی زکوٰۃ ہے اور یہ کہ وہ ایسی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے جو خراجی نہ ہو اور یہ کہ وہ ایسی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے جو نہ عشری ہو اور نہ خراجی جیسے جنگلات اور پہاڑ اور یہ کہ اس کے وجوب کا سبب وہ زمین ہے جس سے حقیقۃً پیداوار ہوا اور یہ کہ وہ بچے اور دیوانے اور مکاتب کی زمین میں بھی واجب ہو جاتا ہے اور یہ کہ اس میں زمین کا مالک ہونا شرط نہیں بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے تو اراضی موقوفہ میں بھی لازم ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد وٰاتوا حقہ یوم حصادہ اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان ما سقت السماء ففیہ العشر و ما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر عام ہیں اور عشر پیداوار میں لازم ہوتا ہے نہ زمین میں، تو زمین کا ہونا نہ ہونا برابر ہے، پیداوار کا مالک ہو تو عشر لازم ہوگا۔ شامی ج ۳ ص ۳۵۲، ۳۵۳ میں ہے

لانھم قد صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب و السنۃ والاجماع والمعقول و بانہ زکوٰۃ الثمار والزروع وبانہ یجب فی الارض الغیر الخراجیۃ و بانہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان سبب وجوبہ الارض النامیۃ بالخارج حقیقۃ و بانہ یجب فی ارض الصبی و المجنون و المکاتب لانہ مؤنۃ الارض وبان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج فیجب فی الاراضی الموقوفۃ لعموم قولہ تعالیٰ انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض وقولہ تعالیٰ وٰاتوا حقہ یوم حصادہ وقولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما سقت السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض

وعدم سواء کما فی البدائع ، بلکہ ائمہ ثلاثہ حضرات امام مالک امام احمد اور امام شافعی تو دلائلِ مذکورہ کی وجہ سے فرماتے ہیں کہ خراجی زمین میں خراج کے ساتھ ساتھ عشر بھی لازم ہے کما فی فتح القدیر وغیرھا اور ہمارے نزدیک گو خراج کے ساتھ عشر لازم نہیں مگر خراج نہ ہو تو عشر ضرور لازم ہوگا کما مر۔ نیز شامی ج ۲ ص ۶۷ میں ہے و لا یلزم من سقوط الخراج الخ اور ج ۲ ص ۶۸ میں ہے و علیٰ فرض سقوط الخراج لا یسقط العشر الخ اور یہاں سے اراضی الحوز کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کا عشری و خراجی نہ ہونا محض تعبیرات اصطلاحیہ کے لحاظ سے ہے ورنہ شامی ہی سے وہیں سن چکے کہ طریق ۱ میں کاشتکار خراج ادا کرتے ہیں اور ۲ میں کرایہ اراضی وصول کردہ امام کے حق میں خراج ہے اور کاشتکاروں کے حق میں گو کرایہ ہے مگر صاف تصریح فرمادی ہے کہ وہ ہر طرح کرایہ نہیں بلکہ وہ حق امام میں خراج ہے فرمایا علیٰ انک علمت ان الماخوذ لیس اجرۃ من کل وجہ بل ھو فی حق الامام خراج اور یہ بھی صرف اراضی الحوز کی پہلی شق ما مات ارباب۔ بلاوارث و آل لبیت المال والی اراضی کے متعلق ہی ہے یہ بحث اصل میں صاحبِ فتح القدیر سے اراضیٔ مصر کے متعلق ہے جو اصل میں خراجی تھی اور اراضی شام کے متعلق بھی یہی کہا گیا ہے۔ در المختار میں ہے و قالوا اراضی الشام و مصر خراجیۃ و فی الفتح الماخوذ الاٰن من اراضی مصر اجرۃ لا خراج الخ شامی نے ج ۳ ص ۳۵۲ میں فرمایا و الحاصل الاتفاق علیٰ انھا خراجیۃ و انما اختلف الخ نیز ج ۳ ص ۳۵۶ میں فرمایا لانہ خراجی فی اصل الوضع اور ج ۲ ص ۶۷ میں فرمایا و فی حکم ذلک اراضی مصر والشام الخ اور دوسری شق او فتح عنوۃ الخ میں یہ مشکل ہے جبکہ مزارع اہل اسلام ہوں لما علمت ان الخراج لا یوظف علی المسلم ابتداءً بہرحال

اور اراضی منزدکہ غیر مسلم مذکورۂ سوال کی پیداوار کا احوط و اسلم یہی ہے کہ ایسی اراضی عشر بالالتزام ادا کیا جائے کہ اگر بالفرض عشر عنداللہ لازم نہ ہو تب بھی ادا میں گناہ نہیں بلکہ خیرات ہی ہے اور بحکم و ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیرا و اعظم اجرا باعثِ اجرِ عظیم بنے گا اور اگر عند اللہ تعالیٰ لازم ہو اور ادا نہ کرے تو سخت گنہگار ہوگا حالانکہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مطلقاً لازم ہے کما مر فلا تنس الاحتیاط۔

۴۔ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے کہ فتاوےٰ عالمگیر وغیرہا میں زکوٰۃ کی تفسیر تملیک مخصوص سے ہی کی ہے، ہندیہ کے لفظ میں اما تفسیرھا فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی الخ تو اگر متولیان دربار خود فقرائے شرعی ہیں جو مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو حسبِ دستورِ شرع عشر و زکوٰۃ ان کو تملیکاً دے سکتا ہے اور وہ اپنے طور پر فقرا اغنیا۔ سب کو کھلا سکتے ہیں لحدیث ابی ھریرۃ وغیرھا درالمختار میں ہے وحیلۃ التکفین بھا التصدق علیٰ فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔ شامی نے فرمایا قلت واخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرت الصدقۃ علیٰ یدی مائۃ لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدی من غیر ان ینقص من اجرہ شیئ اقول ولا مفھوم للتکفین و التعمیر و ذا ظاھر جدا۔ فتاوے ہندیہ ج ۴ ص ۳۷۷، شرح حموی للاشباہ ص ۶۱۳ میں ہے والنظم من الھندیۃ وکذلک فی جمیع ابواب البر التی لا یقع بھا التملیک کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر والرباطات لا یجوز صرف الزکوٰۃ الیٰ ھذہ الوجوہ والحیلۃ لہ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علیٰ فقیر ثم یأمرہ بعد ذلک بالصرف الیٰ ھذہ الوجوہ اھ اور یہ ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ بلا مالک بنائے اس نیت سے لنگر میں داخل کرے کہ سب فقراء امراء

اغنیاء کھاتے پیتے رہیں کہ یہ صورت تملیک نہیں بلکہ اباحت ہے اور اباحت سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، درالمختار میں ہے خرج الاباحۃ۔ شامی نے فرمایا ہے فلا تکفی فیہا۔ ہاں یوں ہو سکتا ہے کہ کسی معتمد کو اپنا نائب و وکیل بنا کر عشر و زکوٰۃ سپرد کردے کہ وہ حیلۂ شرعیہ کے ساتھ سب کو کھلاتا رہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے و ذا ظاہر جدا لا غبار علیہ اصلاً۔

اور یونہی مدارس اسلامیہ کے فقراء، متولیوں کے ملک کیا جائے کہ اپنے طور خرچ کریں یا ان کو یہ واضح کر کے دیا جائے کہ یہ عشر اور زکوٰۃ ہے کہ وہ صرف مستحقینِ زکوٰۃ پر خرچ کریں یا حیلۂ شرعیہ سے ان طلباء پر بھی خرچ کریں جو مصرفِ زکوٰۃ نہیں جیسے سید وغیرہ، ہاں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ دربار و لنگر اور مدرسے والے اہل السنت و الجماعت دیندار ہوں اور بدمذہب نہ ہوں کہ تعاون علی البر و التقوی بنے اور تعاون علی الاثم والعدوان نہ بنے۔ تنویر الابصار میں ہے ولا یجوز صرفہا لاہل البدع اور یہ تو نہایت واضح ہے کہ زکوٰۃ و عشر کا حکم من حیث المصرف ایک ہی ہے کما فی عامۃ المعتبرات۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۶ھ بروز بدھ

الاستفتاء

مکرم معظم جناب مولٰنا دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج گرامی ! احوال آنکہ بندہ کا ذریعۂ معاش زمینداری ہے۔ بندہ کی اراضی تین جگہ ہے۔ مقامی اراضی خود کاشت کرواتا ہوں اور دوسری جگہ کی اراضی ٹھیکہ پر دی جاتی ہے اور رقم نقد وصول کی جاتی ہے۔ جو اراضی خود کاشت کرواتا ہوں اس میں ایک آدمی حصہ دار رکھتا ہوں جس کو ۱/۴ دیا جاتا ہے۔ بندہ کا ایک بالغ لڑکا شادی شدہ ہے جس کے تمام واجبات بندہ نے بحیثیت سرپرست اپنے ذمے رکھے ہوئے ہیں، صدقہ فطر وغیرہ اور اس کا قیام وطعام علیحدہ ہے اس کو بطور حصہ ۱/۵ برائے خرچ سالانہ دیتا ہوں فصل وٹھیکہ کی رقم سے نقد فصل خریف وربیع سے کمیں کو نقد جنس دی جاتی ہے۔ حجام لوہار وغیرہ مذکور فصل کی کاشت نہری پانی سے کی جاتی ہے، معاملہ سرکاری فصل سے ادا کیا جاتا ہے جو رقم نقد ٹھیکہ کی وصول ہوتی ہے اور جو جنس گندم کپاس وغیرہ نقد رقوم میں فروخت کی جاتی ہے اس میں سے ۱/۴۰ کے حساب سے زکوٰۃ نکال دی جاتی ہے۔ زیورات سے بھی بروئے شریعت زکوٰۃ نکالی جاتی ہے البتہ اجناس خوردنی وغیرہ جو برائے خوراک رکھی جاتی ہے اس کو زکوٰۃ کا علم نہ ہونے کے باعث زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی چونکہ تجارتی رو سے تو ٹھیک زکوٰۃ چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جاتی ہے لیکن زمینداری کے سلسلہ کے متعلق تذبذب میں ہوں کہ اس کی زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جاتی ہے تاکہ اسلامی دستور کے مطابق زکوٰۃ ادا کر کے سرخروئی حاصل کی جا سکے۔ مقامی چند مولویوں سے دریافت کیا تو انہوں نے زبانی جواب دیا جو مختلف تھا اس لئے تسلی نہ ہو سکی تو آنجناب بزرگوار کی طرف رجوع کیا۔ امید واثق ہے کہ آنجناب مفصل تسلی بخش جواب سے مشکور فرمائیں گے۔ مجلس حاضرین کو السلام مسنون قبول ہو بچوں کو پیار۔ فقط والسلام۔

السائل حکیم عبدالستار معرفت حکیم اللہ صاحبان جنرل اسٹور گگو منڈی

۱۹ ۵/۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ : مزاجِ گرامی !

یہاں کی زمینیں حکماً عشری ہیں جن میں زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ جسے عشر کہا جاتا ہے، لازم ہے، اگر بارش یا دریائی پانی سے معتد فصل تیار ہو جائے تو اس میں پورا عشر لازم ہوتا ہے یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ اور اگر چاہی پانی سے کاشت کی جائے یا قیمۃً پانی لیا جائے تو نصف لازم ہوتا ہے یعنی بیسواں حصہ کما فی الھندیۃ و تنویر الابصار و در المختار و رد المحتار۔ اور جو زمین نقد رقم وصول کر کے ٹھیکہ پر دی جاتی ہے تو وہ نقد رقم زمین کی پیداوار شمار ہوتی ہے لہذا اس سے بھی دوسری پیداوار غلہ وغیرہ کی طرح عشر دینا لازم ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج۱ ص ۹۶ میں ہے ولو اجر ارضا عشریۃ کان العشر علی الاجر عند ابی حنیفۃ اور جو ارضی خود کاشت بمع حصہ دار ہے اس کی بھی تمام پیداوار میں عشر لازم ہے۔ آپ پر اور آپ کے حصہ دار پر اپنے اپنے حصہ کا۔ اسی صفحہ میں ہے وفی المزارعۃ علی قولھما العشر علیھما بالحصۃ اور اول میں کل پیداوار کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ حجام، لوہار وغیرہ کو جو دیا جاتا ہے یا بیج اور بیلوں پر خرچ کیا جاتا ہے اور دوسرے اخراجات سارے نکال کر عشر نہیں دیا جاتا بلکہ لازم یہ ہے کہ پوری پیداوار کا عشر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیدے اور جو باقی بچا یہ سارے اخراجات اسی میں سے کرے۔ فتاویٰ عالمگیر کے اسی صفحہ میں ہے و لا تحسب اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانھار واجرۃ الحافظ وغیر ذلک فیجب اخراج

الواجب من جميع ما اخرجت الارض عشرا او نصفا كذا في البحر الرائق۔ باقی رہا نقد رقم سے زکوٰۃ نکالنا تو یہ الگ بات ہے۔ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ جس کا نام عشر ہے وہ پیداوار ہیں سے صرف ایک مرتبہ نکالی جاتی ہے دوبارہ اسی پیداوار میں لازم نہیں بلکہ نئی پیداوار ہیں لازم ہوتی ہے لہذا اٹھیکہ والی نقدی یا جو کپاس گندم وغیرہ کی فروخت سے جو نقدی آتی ہے تو اس کی نقدی والی زکوٰۃ الگ ہوگی کما فی عامة المعتبرات۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۳ ۵/۶۳

الاستفتاء

قبلہ وکعبہ معلی القاب عالی جناب مکرمی ومعظمی دام ظلکم

السلام علیکم: بعد سلام عاجزانہ کے مستدعی ہوں کہ آپ حضور کا اطلاع نامہ دستار بندی آج موصول ہوا، ان شاء اللہ قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کی فدوی پوری کوشش کرے گا۔ کمترین کو حسب ذیل مسئلہ دریافت طلب ہیں، امیدوار ہوں کہ آپ حضور خصوصی توجہ فرما کر بواپسی مطلع فرما کر پرورش فرماویں گے۔ کاروبار مارکیٹ دودکانداری اکم جنوری سے شروع کر کے ۳۱ ردسمبر کو ختم کرتے ہیں اور اسی طرح کل سرمایہ ہر سال ختم ہونے پر ۳۱ ردسمبر کو شمار کر لیا جاتا ہے یعنی ۳۱ ردسمبر کو ہر سال وہ راس المال ہوگیا جس پر زکوٰۃ واجب ہوئی۔ دوسرے نمبر پر زمین ہے، زمین کی کل پیداوار سالانہ

پر تھی، یکم جنوری سے ۳۱ر دسمبر تک جو بھی حاصل ہوا اس پر بیسواں حصہ زکوٰۃ واجب الادا رہوئی، یہ دونوں مدات ہی آمدنی کی ہیں ان پر ہر سال تمام کے بعد زکوٰۃ واجب الادا رہے، اب دورانِ سال میں جو بھی آمدن زمین سے ہوئی ہے، وہ تو مارکیٹ میں آئی رہتی ہے یعنی خرچ ہوتی رہتی ہے، اس کا مال خرید کر دوکان (مارکیٹ) میں لاتے رہتے ہیں اور فروخت کرتے رہتے ہیں اور اسی دورانِ سال میں جو رقم زمین پر خرچ ہوتی رہتی ہے مثلاً نوکروں کی تنخواہیں، انجنوں کی مرمت وغیرہ وغیرہ بیج وغیرہ وہ ہر قسم کا خرچ دکان (مارکیٹ) سے کرتے رہتے ہیں، حساب زمین کا آمد و خرچ کا بھی باقاعدہ رکھا جاتا ہے، اختتام سال یعنی ۳۱ر دسمبر کو باقاعدہ شمار کر لیا جاتا ہے کہ سال تمام میں کس قدر آمد وصول ہوئی اور کس قدر خرچ ہوا اور باقی خالص آمدنی کس قدر ہوئی، اب اصل سرمایہ قابل زکوٰۃ تو وہی ہوا جو کہ دکان (مارکیٹ) کا ۳۱ر دسمبر کو شمار ہوا کیونکہ زمین کی آمدنی علیحدہ تو رکھی نہیں جاتی وہ بھی دوکان (مارکیٹ) میں ہی آ کر شامل ہوتی رہتی ہے لیکن سرمایہ دوکان راس المال پر شرح زکوٰۃ بحساب (چالیسواں حصہ ہے) جبکہ زمین کی آمدنی پر بیسواں حصہ واجب الادا رہے۔

خاکسار کے خیالِ ناقص میں اس کا حل اس طرح ہے کہ زمین کی کل آمدنی شمار کردہ میں سے خرچ جو کہ مارکیٹ (دوکان) سے زمین پر کیا جاتا ہے، وضع کر کے باقی خالص آمدنی سال تمام پر بیسواں حصہ زکوٰۃ کروں اور اسی طرح جس قدر رقم پر بیسواں حصہ زکوٰۃ ادا ہو وہ کل سرمایہ راس المال دوکان (مارکیٹ) سے وضع کر لیا جاوے اور جو باقی بچے اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کر دی جاوے، وضاحت کے لئے مثال فرضی ذیل ہے:۔

آمدن زمین سال تمام از یکم جنوری تا ۳۱ر دسمبر (فرضی رقم)	خرچ زمین تمام سال	بقایا بچت	شرح زکوٰۃ
۱۰۰/-	۵۰/-	۵۰/-	بیسواں حصہ

دست بستہ ملتجی ہوں کہ رائے عالیہ سے مطابق شرح مبین بوالپسی سرفراز فرما کر

پرورش فرمائیں، فقط زیادہ آداب ونیاز

خاک پا

یوسف عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی المحبوب الرحیم الکریم

وعلیکم السلام: مرسلہ ملا، ماشاء اللہ تعالیٰ سوال بڑی وضاحت سے کیا گیا ہے، پہلے چار چیزیں ذہن نشین کر لیں تو جواب خود بخود واضح ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ زکوٰۃ روزہ حج عدت وغیرہ احکامِ شرع سب میں اسلامی اور خدائی بارہ ماہ کا اعتبار ہے۔ قرآنِ کریم میں یسئلونک عن الاھلۃ ط قل ھی مواقیت للناس والحج (پارہ دوم رکوع ہشتم آیت ۱۸۹) اور فرمایا ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السمٰوات والارض (پارہ دہم رکوع یازدہم آیت ۳۶، سورہ التوبہ) تو یکم جنوری سے ۳۱ دسمبر تک سال شمار کرنا شریعتِ پاک کے خلاف ہوا اور اس میں بڑا فرق پڑ جاتا ہے کیونکہ اسلامی ۳۳ سال کے انگریزی سال صرف ۳۲ بنتے ہیں دیکھیے اس سال یکم شوال المکرم ۸۸ھ، ۲۲ دسمبر ۶۸ کو آرہی ہے حالانکہ ۱۳۵۰ھ میں یکم شوال المکرم ۱۵ دسمبر ۱۹۳۶ کو تھی تو ان اسلامی تینتیس ۳۳ سالوں کے انگریزی حساب سے سات دن کم بتیس سال بنتے ہیں، دوسرے لفظوں میں تینتیس سال گزرنے

پر ایک سال سات دن کا حساب زکوٰۃ واجب الادا رمالک نصاب کے ذمہ بطور بقایا رہ جاتا ہے لہذا آپ پر لازم ہے کہ اسلامی سال کا حساب شروع کر دیں اور گزشتہ انگریزی سالوں کے شرعی سال بنا کر کمی جو آپ کے ذمہ بقایا ہے پوری پوری ادا کر دیں۔

۲۔ زمین کی پیداوار میں سال کا اعتبار نہیں بلکہ پیدا ہونے پر عشر لازم ہو جاتا ہے ہر جنس کا عشر آمد کے ساتھ ہی ادا کرنا ضروری ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض (پارہ سوم رکوع پنجم سورہ البقرہ آیت ۲۶۷) نیز ارشاد ہوا واٰتوا حقہ یوم حصادہ (پارہ ہشتم رکوع چہارم، سورہ الانعام آیت ۱۴۱)

۳۔ خرید و مرمت انجن، تیل، بیج، نوکر وغیرہ کسی قسم کا کوئی خرچ پیداوار سے ہرگز شمار نہ کیا جائے، نصف عشر یعنی بیسواں حصہ اسی خرچ کے لحاظ سے ہے ورنہ عشر یعنی دسواں حصہ ہوتا، انہی آیتوں سے خرچ کا لحاظ نہ کرنا ثابت ہے اور مذہبِ مہذب کی مستند کتابوں میں مصرح ہے۔ فتاوٰے عالمگیری ج ۱ ص ۹۶ میں ہے ولا تحسب اجرۃ العمال و نفقۃ البقر و کری الانہار و اجرۃ الحافظ و غیر ذلک فیجب اخراج الواجب من جمیع ما اخرجتہ الارض عشرا او نصفا لہذا آئندہ کوئی خرچ وضع نہ کریں اور گذشتہ سالوں کی پیداوار سے وضع کردہ اخراجات کا حساب کر کے ان کا بیسواں حصہ عشر ضرور ادا کریں کہ بری الذمہ ہو جائیں۔

۴۔ پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنے کے بعد اگر جنس کو محفوظ رکھا جائے کہ مہنگائی کے وقت فروخت سے فائدہ حاصل کیا جائے تو سال گزرنے پر اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی ہاں اگر فروخت کر دے تو اس کی رقم مالِ تجارت کے ساتھ

شامل ہو جاتی ہے اور جب مال تجارت کا سال پورا ہو جائے تو اس مال کی زکوٰۃ کے ساتھ اس رقم پر (جو پیداوار کی فروخت سے حاصل ہوئی) بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اگرچہ اس رقم کا سال پورا نہ ہوا ہو مثلاً دوکان کا سال رجب المرجب سے آئندہ رجب المرجب تک ہے اور فروخت جنس کی رقم ربیع الاول میں شامل ہوئی تو یوں نہیں کہ آئندہ رجب میں اس رقم کے علاوہ باقی مال کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور اس کی زکوٰۃ دوسرے ربیع الاول میں فرض ہو اس سے معلوم ہوا کہ جو مال فروخت جنس سے حاصل ہو کر مارکیٹ میں شامل ہو گیا تو مارکیٹ کے طور پر ہی اس کا حساب ہوگا یعنی اس کا بھی چالیسواں حصہ ہی زکوٰۃ ہوگی نہ کہ بیسواں، بیسواں تو پیداوار پر ہے جو پیداوار ہی سے نکالا جائے اور فروخت کر دیا تو قیمت سے نکالا جائے اور پھر وہی قیمت جو بیسویں حصہ نکالنے کے بعد بچی جب مارکیٹ میں مل گئی تو مارکیٹ کے مال کی طرح اس پر بھی چالیسواں حصہ لازم آئے گا لہٰذا آئندہ یوں حساب رکھیں اور گزشتہ سالوں کا حساب بھی صاف کریں یعنی ہر سال کی پیداوار کی آمدنی کا بیسواں حصہ تو آپ ادا کرتے رہے ہیں مگر بقایا انیس حصے جو مالِ تجارت کے ساتھ مارکیٹ میں رہے ان کا چالیسواں حصہ بھی آپ پر بطورِ زکوٰۃ واجب الاداء بقایا ہے اس کو ادا کریں کہ برارتِ ذمہ ہو مثلاً گزشتہ دس سالوں کی مجموعی آمدنی اراضی بتیس [illegible] ہزار روپیہ ہے جس میں سے بیسواں حصہ ایک ۱۰۰۰ ہزار روپیہ آپ نے ادا کر دیا تھا تو اب انیس ۱۹۰۰۰ ہزار روپے کی زکوٰۃ چالیسویں حصہ کے حساب سے ہر سال کی ادا کریں یعنی پہلے سال کی زکوٰۃ چار صد ۴۷۵ پچھتر روپے ادا کریں اور دوسرے سال کے لئے اٹھارہ ہزار پانچ صد پچیس روپے کی زکوٰۃ اس کا چالیسواں حصہ پھر تیسرے سال کے لئے باقیماندہ روپوں کا چالیسواں حصہ ادا کریں اور یونہی باقی سات سالوں کا حساب بھی بطور زکوٰۃ ادا کریں۔

امید غالب ہے کہ بار بار پڑھنے سے بآسانی سمجھ سکیں گے ورنہ آکر سمجھ لیں کہ اب وقت ہے، قیامت میں حساب پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔ والسلام

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ رجب المرجب ۱۳۸۸ھ

12 10/68

الاستفتاء

نمبرا:- کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ جنس سے جو عشر ادا کیا جاتا ہے وہ کل آمد کے اعتبار سے ادا کرنا واجب ہوتا ہے یا کہ خرچیہ زمین مثلاً کھاد، بیانہ، ٹیوب ویل کے پانی کا خرچ اور فصل کا ٹھیکہ وغیرہ ادا کرنے کے بعد جو اصل آمد باقی رہے اس پر واجب ہوتا ہے، تفصیل سے بیان فرمائیں۔

نمبر۲:- ایک چوہدری صاحب کہتے ہیں کہ مقروض آدمی پر واجب نہیں ہوتا لہٰذا جو زمیندار بینک سے سود پر ٹیوب ویل وصول کرتے ہیں یا ٹریکٹر خریدتے ہیں ان پر واجب نہیں، کیا چوہدری صاحب کا یہ قول از روئے شریعت مسلم ہے یا نہیں؟ بصورتِ اول بڑے سے بڑا تاجر بھی بینک کا مقروض ہوتا ہے پھر اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہونی چاہیے۔

نمبر۳: جو گائے بھینس ٹیکے سے نئے دودھ کرواتے ہیں، کیا یہ از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

السائل:- محمد امین الدین، چک ۱۴۲/ای بی (ضلع ساہیوال)

(۱) کل پیداوار کے لحاظ سے عشر واجب ہوتا ہے، ہدایہ، فتح القدیر ج ۲ ص ۸، تنویر الابصار در المختار شامی ج ۲ ص ۶۹ اور طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۴۱، کتاب الفقہ ج ۱ ص ۴۹۴، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۶ میں ہے جس سب کا حاصل بہارِ شریعت ج ۵ ص ۵۲ میں یہ ہے: مسئلہ جس زمین میں عشر واجب ہوا اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر لیا جائے گا، یہ نہیں ہو سکتا کہ مصارفِ زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اجرت یا بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دیا جائے۔

(۲) چوہدری صاحب کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں جبکہ فقہ کی مستند کتابوں میں صاف تحریر ہے کہ دَین (قرض) کا اثر عشر پر نہیں پڑتا، قرض ہو یا نہ ہو، عشر، نصف عشر جو بھی واجب ہو، پورا ادا کرنا ضروری ہے، در المختار شامی ج ۲ ص ۷، طحطاوی ج ۱ ص ۳۹۱، کتاب الفقہ ج ۱ ص ۵۷۴ وغیرہا میں اس کی تصریح ہے، جس کا حاصل بہارِ شریعت کی اردو عبارت ج ۵ ص ۴۱ میں یہ ہے: "عشر و خراج واجب ہونے کے لئے دَین مانع نہیں یعنی اگرچہ مدیون ہو یہ چیزیں اس پر واجب ہو جائیں گی۔"

(۳) ہاں جائز ہے لعموم نصوص القرآن الکریم والحدیث العظیم وذا ظاھر لا یخفٰی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۶ھ

۲۴ ۶/۷۶

روزہ

اَلصِّیَامُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ

(صحیح بخاری، باب فضل الصوم)

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ

(البقرة: ۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تا کہ تم متقی بن جاؤ"

الصیام لی وانا اجزی بہ

(صحیح بخاری باب فضل الصوم)

"روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا"

تعارف کتاب الصیام

اسلام کے ارکان خمسہ میں سے تیسرا اور اہم رکن (صوم) روزہ ہے۔ یہ ایک جامع عبادت ہے۔ دیگر عبادات میں ریا کا شائبہ ہے، مگر روزہ مخلوق کی طرف سے اپنے خالق کی بارگاہ میں ایک خاموش نذرانہ ہے کہ انسان چاہے تو کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہونے دے، روزہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ یقین اور توحید کامل کا آئینہ دار ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت کے باوجود انسان تنہائی میں بھی مرغوبات نفس کے قریب نہیں پھٹکتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میرا خالق و مالک اور علیم و خبیر رب مجھے دیکھ رہا ہے۔ روزہ چونکہ خاص عبادت ہے، اس لئے اس پر اجر بھی خصوصی ملتا ہے۔ رب کریم فرماتا ہے:

الصوم لی و انا اجزی به-----(صحیح مسلم، جلد ا، صفحہ ۳۶۳)

روزہ کے اصل شرعی، طبی، دینی اور دنیاوی کیا کیا فوائد ہیں، ان تمام کے احاطہ سے صرف نظر کرتے ہوئے قرآن حکیم کی بیان کردہ حکمت اور مقصد کو مد نظر رکھیں تو روزہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے، ارشاد فرمایا:

لعلکم تتقون----(البقرہ ۲: ۱۸۳)

"تاکہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو"-----

تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے' جس کے حصول کے بعد انسان گناہ اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا ہے اور خوف الٰہی کی بنا پر گناہوں سے جھجک محسوس کرتا ہے-----

اللہ تعالیٰ نے انسان کی طبیعت میں ایک طرف وہ سارے مادی اور سفلی تقاضے رکھ دیے ہیں جو دوسرے حیوانات میں پائے جاتے ہیں تو دوسری طرف اس کی فطرت میں روحانیت اور ملکوتیت کا وہ نورانی جوہر بھی ودیعت فرمادیا' جو ملأ اعلیٰ کی مقرب مخلوق فرشتوں کی صفت ہے۔ روزہ کی ریاضت مشقت کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے انسان کی بہیمی اور حیوانی قوت ماند پڑ جائے اور انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور روحانی اور ایمانی تقاضوں کی فرمانبرداری کا عادی ہو جائے-----

معلم انسانیت رسول اللہ ﷺ کو روزہ بہت مرغوب تھا' آپ ﷺ نے سال کے مختلف ایام میں روزہ رکھ کر امت کو تعلیم دی کہ وہ گاہے بگاہے یہ ریاضت بجالاتے رہیں تاکہ قرب خداوندی کی منزل آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اس سنت مصطفوی پر عمل پیرا ہو کر حلاوت ایمانی اور لذت روحانی سے سرشار ہوتے رہتے ہیں۔ مگر امت مصطفوی کے لئے اجتماعی طور پر ایک مہینہ کے روزے فرض قرار پائے اور اس کے لئے مہینہ بھی وہ منتخب کیا گیا' جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم کا نزول ہوا۔ رمضان المبارک میں دن کو روزے اور رات کو تراویح کی شکل میں اجتماعی طور پر عبادت کا ایک مربوط نظام وضع کیا گیا تاکہ روزے' نماز اور تلاوتِ قرآن کے برکات اور انوار و تجلیات سے کیف و سرور اور نورٌ علیٰ نور کی کیفیات سے بہرہ یاب ہوا جاسکے-----

رمضان المبارک' روزہ کی فضیلت

رمضان المبارک اور روزہ کی یہ فضیلت ہی کیا کم ہے کہ اس کے تفصیلی احکام قرآن کریم میں بیان ہوئے' مزید براں رسول اللہ ﷺ کی متعدد احادیث مبارکہ اس کی فضیلت پر شاہد ہیں۔ حصول برکت کے لئے ہم یہاں آپ ﷺ کا وہ خطبہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے استقبال رمضان الکریم کی مناسبت سے شعبان المعظم کے آخری روز ارشاد فرمایا:

عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خطبنا

رسول اللهﷺ في آخر يوم من شعبان فقال: يا ايها الناس قد اظلكم شهر عظيم، شهر مبارك، شهر فيه ليلة خير من الف شهر، جعل الله صيامه فريضة و قيام ليلة تطوعا، من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن ادّى فريضة فيما سواه و من ادى فريضة فيه كان كمن ادى سبعين فريضة فيما سواه و هو شهر الصبر و الصبرُ ثوابه الجنة و شهر المواساة و شهرٌ يزاد فيه رزق المؤمن، من فطر فيه صائما كان له مغفرة لذنوبه و عتق رقبته من النار، و كان له مثل اجره من غير ان ينتقص من اجره شيئ، قلنا يا رسول الله ليس كلُّنا نَجِدُ ما يفطر به الصائم فقال رسول اللهﷺ يعطى الله هذا الثواب من فطر صائما على مذقة لبن او تمرة او شربة من ماء، و من اشبع صائما سقاه الله من حوضى شربة لا يظمأ حتى يدخل الجنة، و هو شهرٌ اوله رحمة و اوسطه مغفره و آخره عتق من النار و من خفف عن مملوكه فيه غفر الله له واعتقه من النار----(مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصوم، حدیث: ۱۸۶۳)

"حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ماہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! تم پر ایک عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، اس مہینے کے روزے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (نماز تراویح) کو نفل عبادت مقرر کیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کوئی غیر فرض عبادت (یعنی سنت یا نفل) ادا کرے گا تو اس کو دوسرے مہینہ کے فرضوں کے برابر اس کا ثواب ملے گا اور اس مہینے میں فرض ادا کرنے کا ثواب دوسرے مہینہ کے ستر فرضوں کے برابر ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم

خواری کا مہینہ ہے اور یہی وہ مہینہ ہے جس میں مومن بندوں کے رزق میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کسی روزہ دار کو (اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کے لئے) روزہ افطار کرایا تو یہ عمل اس کے لئے گناہوں کی مغفرت اور آتش دوزخ سے آزادی کا ذریعہ ہوگا اور اس کو روزہ دار کے برابر ثواب دیا جائے گا' بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کمی کی جائے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا:

یارسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص افطار کرانے کی استطاعت نہیں رکھتا (تو غرباء اس عظیم ثواب سے محروم رہیں گے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس شخص کو بھی دے گا' جو دودھ کی تھوڑی سی لسی یا ایک کھجور یا صرف پانی ہی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرادے اور جو کوئی کسی روزہ دار کو کھلا کر سیر کردے' اللہ تعالیٰ اسے میرے حوض (کوثر) سے ایسا سیراب کرے گا' جس کے بعد اس کو کبھی پیاس ہی نہیں لگے گی تاآنکہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اس ماہ مبارک کا ابتدائی حصہ رحمت ہے' درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آتش دوزخ سے آزادی ہے۔ جو آدمی اس مہینے میں اپنے خادم سے کام لینے میں تخفیف اور کمی کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما کر اسے دوزخ سے رہائی اور آزادی عطا فرمادے گا"-----

صیام کا معنی

صیام کا مادہ صوم ہے' لغت میں صوم کا معنی ہے' رُکنا اور باز رہنا۔ علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

الصوم فی الاصل الامساك عن الفعل مطعما کان او کلاما او مشیا-----(المفردات' جلد ۲' صفحہ ۲۹۹)

"روزہ دراصل نام ہے' رُکنے اور باز رہنے کا' خواہ کھانے سے ہو کلام کرنے سے یا چلنے سے"-----

یہی وجہ ہے کہ نصف النہار کو صامت الشمس کہتے ہیں کیوں کہ اس وقت سورج سر پر آکر گویا ٹھہر جاتا ہے۔ خاموشی کو بھی صوم کہتے ہیں' قرآن کریم میں ہے :

انی نذرت للرحمن صوما----(مریم'۱۹:۲۶)

"میں نے رحمٰن کے لئے خاموشی کے روزہ کی نذر مانی ہوئی ہے"-----

اور آندھی رکنے کو کہا جاتا ہے-----"صامت الریح"

علامہ ابن منظور لکھتے ہیں :

"ازروئے لغت کسی چیز سے رکنے اور اسے چھوڑ دینے کو صوم کہتے ہیں اور روزہ دار کیوں کہ کھانے پینے اور عمل تزویج سے خود کو روک لیتا ہے' اس لئے اسے صائم کہا جاتا ہے"-----(لسان العرب' جلد ۱۲' صفحہ ۳۵۱)

شرعی اصطلاح میں صائم یا روزہ دار اسے کہتے ہیں' جو بہ نیتِ عبادت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے باز رکھے' جیسا کہ علامہ نسفی لکھتے ہیں :

هو ترك الاكل و الشرب و الجماع من الصبح الى الغروب بنيته من اهله----(کنز الدقائق)

روزہ کی فرضیت

روزہ کا تصور کسی نہ کسی رنگ میں دنیا کی تقریباً ہر قوم اور مذہب میں پایا جاتا ہے۔ روزے کا حکم شریعت مصطفوی سے خاص نہیں بلکہ یہ پہلی شریعتوں میں بھی شاملِ عبادت رہا ہے۔ قرآن کریم میں ہے :

يا ايها الذين آمنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم----(البقرہ'۲:۱۸۳)

"اے ایمان والو! تم پر روزہ اسی طرح فرض کیا گیا جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا"-----

ابتدائے اسلام میں صرف عاشورہ (دس محرم) کا روزہ فرض ہوا' پھر ایام بیض (جن دنوں کی راتیں چاند کی روشنی سے منور ہوتی ہیں' یعنی ہر ماہ کی ۱۳' ۱۴ اور ۱۵ تاریخ) کے روزے مشروع ہوئے۔ پھر رمضان المبارک کے روزے مدینہ منورہ میں ہجرت سے ۱۸ ماہ اور تحویل قبلہ کے بعد دس شعبان المعظم ۲ھ میں فرض ہوئے ----- (درالمختار علی ھامش ردالمحتار' جلد ۲' صفحہ ۸۰)

شرائط

روزے کی صحت اور درستی کے لئے درج ذیل شرائط ہیں :

۱ مسلمان ہونا

۲ عاقل ہونا

۳ بالغ ہونا

۴ نیت کرنا

۵ عورت کا حیض و نفاس سے پاک ہونا

البتہ مریض اور مسافر کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ وہ بعد میں قضائی دے لے۔ ایسا دائمی مریض' جس کے بچنے کی امید نہ ہو یا بہت زیادہ بوڑھا ہو گیا ہو' ایسے مریض اور شیخ فانی کے لئے (ہر روزے کے عوض' صدقہ فطر کی مقدار یعنی دو کلو گرام گندم یا اس کی قیمت) فدیہ دینے کی اجازت ہے -----

روزے کی اقسام

روزہ سات اقسام کا ہے :

۱ فرض

(i)...... ماہ رمضان المبارک کے روزے

(ii)...... رمضان کے قضا روزے

(iii)...... کفارۂ ظہار کے روزے

(iv)...... کفارۂ قتل کے روزے

(v)...... کفارۂ قسم کے روزے

(vi)...... احرام کی حالت میں شکار کرے تو اس کی جزا کے روزے

(vii)...... حالت احرام کوئی ایسا کام کرے جو احرام کے منافی ہو تو اس کے بدلے فدیے کے روزے

(viii)...... حج کے موقع پر قربانی کی عدم استطاعت کی صورت میں دس روزے -----

(فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۲۳۴)

۲ واجب

اس کی دو قسمیں ہیں :

(۱)...... معین (۲)...... غیر معین

واجب معین

وقت معین کی قید سے منت مانے، جیسے کہے کہ شعبان یا محرم میں اتنے دن روزے رکھوں گا -----

واجب غیر معین

منت مطلق ہو یعنی صرف اتنا کہے کہ روزہ رکھوں گا اور یہ معین نہ کرے کہ کن ایام میں -----

۳ سنت

عاشورہ (دس محرم) اور نو محرم کے روزے -----

۴ مستحب

ایام بیض کے روزے، صوم داودی (یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار)، نیز ہر وہ روزہ جس

کا ثبوت سنت سے ہو مستحب ہے' جیسے عرفہ (۹/ذوالحجہ) کا روزہ' پیر کا روزہ' جمعرات کا روزہ' یکم تا ۹ ذوالحجہ کے روزے یا شوال کے چھ روزے-----

۵ نفل

جن ایام میں روزہ رکھنا مکروہ نہیں' ان میں روزے رکھنا افضل ہے-----

۶ مکروہ تنزیہی

صرف دس محرم کا روزہ رکھنا (۹/محرم کا بھی ساتھ رکھے) یا ہفتہ' اتوار وغیرہ کوئی دن معین کرے' خاموشی کا روزہ' روزہ افطار کیے بغیر اگلا روزہ شروع کرے-----

۷ مکروہ تحریمی

عیدین اور ایام تشریق یعنی عید الفطر' عید الاضحیٰ اور گیارہ' بارہ' تیرہ ذی الحجہ' ان پانچ دنوں میں روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے-----

روزہ کے درجات

روزہ کے تین درجے ہیں:

(۱)...... عوام کا روزہ (۲)...... خواص کا روزہ (۳)...... اخص الخواص کا روزہ

۱ عوام کا روزہ

عوام کا روزہ تو صرف اتنا ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور عمل تزویج سے باز رہے-----

۲ خواص کا روزہ

عوام کے روزے میں پائے جانے والے اوصاف کے ساتھ آنکھ' زبان' کان' ہاتھ' پاؤں اور باقی اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔ آنکھ کا روزہ یہ ہے کہ اسے ہر اس چیز سے بچائے' جسے دیکھنا مذموم اور مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

النظرة سهم مسموم من سهام ابليس لعنه الله فمن تركها خوفا من الله آتاه الله عز و جل ايمانا يجد حلاوته فی قلبه----(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۱)

"بری نظر' شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے' سو جو شخص خوف الٰہی سے اسے چھوڑے (نظر حرام سے بچے) گا' اللہ تعالیٰ اسے ایسا ایمان عطا فرمائے گا' جس کی حلاوت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا"-----

زبان کو جھوٹ' غیبت' گلہ' بکواس اور فحش گوئی سے محفوظ رکھے اور تلاوت قرآن' ذکر الٰہی' درود پاک اور دیگر اوراد و وظائف میں مشغول رہے۔ سرکار ابد قرار ﷺ کا فرمان ہے:

فلا یرفث و لا یجھل فان امرؤ قاتله او شاتمه فلیقل انی صائم انی صائم----(صحیح بخاری' جلد ا' صفحہ ۲۵۴)

"جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو' وہ جماع کی باتیں نہ کرے اور نہ شور و شغب کرے' اگر کوئی شخص اس کو گالی دے یا اس سے جھگڑے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں روزے دار ہوں' میں روزے دار ہوں"-----

کان کو ہر ناجائز اور لغو کلام سننے سے بچائے' کسی مجلس میں غیبت ہو رہی ہو تو وہاں سے اٹھ جائے۔ حدیث شریف میں ہے:

المغتاب و المستمع شریکان فی الاثم----

(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۲)

"غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں گناہ میں برابر کے شریک ہیں"-----

اسی طرح ہاتھ پاؤں اور جملہ اعضاء کو حرام کاری سے بچائے۔ حرام سے تو ویسے بھی بچنا ضروری ہے' روزہ رکھ کر حرام سے باز نہیں آئے گا تو ایسے روزے کا کیا فائدہ؟ حدیث پاک میں ہے:

کم من صائم لیس له من صومه الا الجوع و العطش----(احیاء العلوم' جلد ا' صفحہ ۲۴۲)

"کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں، جنہیں ان کے روزہ سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا"-----

۳ اخص الخواص کا روزہ

درج بالا دونوں قسموں میں درج اوصاف کے علاوہ ان لوگوں کے روزے میں دل کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ دل کو دنیوی خیالات اور بری سوچوں سے پاک رکھے۔ ہر لمحہ یاد الٰہی میں مشغول رہے، ماسوی اللہ کا خیال نہ لائے۔ یہاں تک کہ ایسے لوگ اس خیال کو بھی روزے کے منافی سمجھتے ہیں کہ دن کو یہ سوچیں کہ روزہ کس چیز سے افطار کروں گا-----

کتاب الصوم

فتاویٰ نوریہ کی "کتاب الصوم" تین ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں گیارہ فتوے ہیں، جن میں سے ایک استفتاء ان علاقوں میں روزے کے اوقات سے متعلق ہے، جن میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے، دو فتوے ان علاقوں کے بارے میں ہیں جن میں غروب اور طلوع آفتاب کا درمیانی وقفہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ تین فتوے روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانے کے متعلق ہیں، جن میں ایک مفصل رسالہ ہے، جو "روزہ اور ٹیکہ" کے نام سے الگ شائع ہوا تھا۔ باقی فتوے سفر میں افطار، روزہ کی حالت میں قے اور روزہ کے کفارے سے متعلق ہیں-----

دوسرا باب رؤیۃ الہلال کے حوالے سے ہے، اس میں چھ فتوے ہیں، جن میں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا ایک رسالہ "افادة النشر اوكد الامر" بھی شامل ہے۔ اس رسالہ کے تعارفی کلمات کے ضمن میں مسئلہ رؤیت ہلال کی تشریح کردی گئی ہے-----

تیسرا باب اعتکاف کے بارے میں ہے، جس میں صرف ایک فتویٰ ہے۔ مزید مسائل باب الاعتکاف کے تعارف میں پیش کئے جارہے ہیں-----

چند ضروری مسائل

نماز کی طرح روزہ بھی ہر مسلمان امیر و غریب پر فرض ہے اور اس کے مسائل کی عام

ضرورت پیش آتی رہتی ہے' اس لئے کتب فقہ سے چند ضروری مسائل کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

۱ رمضان المبارک کے روزے کے لئے مستقل نیت ضروری ہے۔ روزہ (اور یونہی نماز) کے لئے فقط دلی ارادہ کافی ہے' سحری کھانا بھی نیت کے قائم مقام ہے' البتہ مستحب ہے کہ زبان سے نیت کرے-----

۲ سحری کھائی اور یہ خیال کیا کہ ابھی رات ہے اور فی الواقع صبح صادق طلوع ہو چکی تھی تو روزہ کی قضا لازم ہے اور (احترام رمضان میں) تمام دن روزہ دار کی طرح اکل وشرب وغیرہ سے باز رہے-----

۳ غروب آفتاب سمجھ کر افطار کر لیا' بعد میں معلوم ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا' ایسی صورت میں صرف قضا ہے' کفارہ نہیں ہے-----

۴ روزہ رکھ کر شرعی عذر (حیض ونفاس وغیرہ) کے بغیر توڑ دینا' سخت گناہ ہے' البتہ اس قدر شدید بیمار ہو جائے کہ روزہ نہ توڑنے سے جان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں افطار کر لے اور صحت یاب ہونے پر قضا لازم ہے-----

مفسدات صوم

کلی کرتے وقت پانی حلق میں اتر گیا' ناک میں پانی ڈالتے ہوئے دماغ کو چڑھ گیا' قصداً منہ بھر قے کی' منہ بھر قے آئی اور چنے کے برابر نگل لی' ناک یا کان میں دوا ڈالی' حقنہ کیا' دانتوں میں اٹکا ہوا کھانا نگل لیا' پان کھائے اگرچہ تھوک دے اور اس کا اثر حلق تک نہ جائے' حقہ یا سگریٹ پینا' ان تمام صورتوں میں اگر روزہ یاد ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہو گی-----

دانتوں سے خون نکل آیا اور اسے نگل لیا' اگر خون غالب تھا تو روزہ ٹوٹ گیا ورنہ نہیں-----

منہ میں کچے رنگ کا دھاگہ رکھا' جس سے تھوک رنگین ہو گیا اور اسے نگل لیا تو روزہ فاسد ہو گیا' قضا لازم ہے-----

کان میں تیل ڈالا' پیٹ یا دماغ کی جھلی تک زخم تھا' دوائی لگائی' جو دماغ یا معدہ تک پہنچ گئی یا پتھر' کنکر یا گھاس وغیرہ کھالی یا رمضان المبارک میں بلانیت روزہ دار کی طرح رہا یا حلق میں بارش کی بوند یا اولہ چلا گیا' بہت سے آنسو یا پسینہ نگل گیا' ان تمام صورتوں میں روزہ کی قضا لازم ہے' کفارہ نہیں ہے-----

اگر کوئی شخص رمضان المبارک کے روزہ میں عمداً دوا یا غذا استعمال کرے یا عمداً جماعت کرے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا و کفارہ لازم ہو گا۔ اسی طرح حقہ یا سگریٹ کا عادی شخص تمباکو نوشی کرے تو قضا اور کفارہ لازم ہے-----

جن صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھانا پینا بعد طیکہ کھاتے ہوئے یاد آجائے تو فوراً منہ سے اگل دے اور کلی کر لے-----

بلا اختیار گرد و غبار' دھواں' مکھی' مچھر حلق میں چلا جائے' دوران غسل کان میں پانی داخل ہو جائے' خود بخود قے آجائے' اگرچہ منہ بھر کر ہو' آنکھ میں دوائی ڈالے' دانتوں میں چنے سے کم مقدار جو چیز رہ گئی' اسے نگل لیا' دن کو احتلام ہو جائے' بیوی کو بوسہ دے یا چھوئے مگر انزال نہ ہو' ان تمام صورتوں میں روزہ قائم رہتا ہے-----

شیشہ دیکھنے' کنگی لگوانے' تیل ملنے یا سرمہ لگانے سے' اگرچہ ان کا ذائقہ حلق میں محسوس ہو' عطر یا پھول سونگھنے' اور مسواک کرنے سے تر ہو یا خشک اگلے پہر ہو یا پچھلے پہر' روزہ فاسد نہیں ہوتا-----

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا' اس مسئلہ پر اسی کتاب الصوم میں سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا تفصیلی رسالہ "روزہ اور ٹیکہ" شامل ہے-----

روزہ کا کفارہ

ایک روزہ بطور قضا رکھے اور پھر (دو ماہ) ساٹھ روزے لگاتار رکھے اگر ایک ناغہ بھی ہو گیا تو از

ہر تو دوبارہ پے در پے روزے رکھے۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے-----

متفرقات

مسافر یا مریض کو افطار کی اجازت ہے لیکن حتی الامکان روزہ رکھنا بہتر ہے-----

سفر سے مراد شرعی سفر ہے، یعنی اوسط رفتار سے تین دن سے کم مسافت نہ ہو۔ اس کا اندازہ ساڑھے ستاون (57.50) میل (92 کلو میٹر) ہے-----

جس مسافر نے طلوع فجر سے پہلے سفر شروع کیا اس کے لئے روزہ ترک کرنا جائز ہے لیکن جس نے بعد طلوع سفر شروع کیا اسے اس دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں-----

عورت کے لئے حیض و نفاس کے ایام میں روزہ منع ہے، جتنے روزے رہ گئے ہوں، رمضان المبارک کے بعد پاکیزگی کی حالت میں ان کی قضائی دے، ہاں ان ایام میں نمازیں معاف ہیں-----

حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو روزہ رکھنے سے اگر اپنی یا بچے کی جان کے ضرر کا اندیشہ ہو تو افطار جائز ہے-----

مجموعی طور پر کتاب الصوم میں اٹھارہ استفتاءات کے جوابات ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

كتاب الصيام

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ دنیا میں بعض ایسے علاقے بھی پائے گئے ہیں جہاں نظامِ شمسی کے تحت سال بھر میں چھ ماہ دن اور چھ ماہ رات رہتی ہے، احادیثِ کریمہ بلکہ نصِ قطعی سے یہ ثابت ہے کہ روزہ کا وقت صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک ہے اور اس بات سے بھی ظاہر ہے کہ چھ ماہ کا روزہ نہیں رکھا جاسکتا ہے تو کیا وہاں کے باشندوں پر رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں یا کہ نہیں، اگر فرض ہیں تو دنیا کا کونسا علاقہ ہے کہ جس کے دن کی مقدار مدِّ نظر رکھی جائے گی؟

السائل: ڈاکٹر اظہر ملک میونسپل کمیٹی نمبر ۲ ڈسپنسری ملتان شہر

۶۸-۱۱-۲۱

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب الکریم مع التسلیم

ہاں روزے وہاں کے عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں لقولہ تعالیٰ من شھد منکم الشھر (پ ۲ ع ۷) کیونکہ شہود الشہر سے مراد انسان کا اس ماہ میں مکلف ہونا ہے۔ احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص الحنفی علیہ الرحمہ ج ۱ ص ۲۱۶ میں ہے ان المراد من الشھود کونہ فیہ من اھل التکلیف اور یونہی ۲۱۷ میں بھی ہے جیسے کہ وہ مرد و عورت جو نہایت پیرانہ سالی کے سبب ایسے کمزور ہوجائیں جو کسی موسم میں بھی کبھی روزہ نہ رکھ سکیں یا ایسا مریض جس کے شفایاب ہونے کی امید ٹوٹ چکی ہو اور رہو اتنا کمزور کہ کسی موسم میں بھی روزہ ادا نہیں کرسکتا تو ان پر روزہ فرض ہوجاتا ہے کیونکہ روزے کے عوض اور بدل پر وہ قادر ہیں جس کا نام فدیہ ہے جیسے وہ بے وضو جسے پانی نہ ملے تو اس پر بھی وضو فرض ہے کیونکہ وہ وضو کے بدل پر قادر ہے جس کا نام تیمم ہے، قرآنِ کریم میں ہے وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین (پ ۲ ع ۷) مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۱۰۰ میں ہے ان الصوم قد لزمہ لشھود الشھر۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۷۸ میں ہے لا شك ان من سمع ان الشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصوم یجزئ عنہ الاطعام علم ان سبب ذلك عجزہ عجزا مستمرا الی الموت الخ شامی ج ۲ ص ۱۶۳، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۶۵ وغیرہ میں ہے المریض اذا تحقق الیأس من الصحۃ

فعلیہ الفدیۃ لکل یوم من المرض۔ میزان شعرانی ج ۲ ص ۲۰، رحمۃ الامۃ ج ا ص ۱۳ میں ہے و اللفظ منہا و اما المریض الذی لا یرجی برؤہ والشیخ الکبیر فانہ لا صوم علیہما بل تجب الفدیۃ عند ابی حنیفۃ وھو الاصح من مذھب الشافعی۔ البتہ کتبِ شافعیہ میں ایسے علاقوں کے متعلق ہے کہ وہ لوگ ایسے نزدیک ترین علاقہ کے لحاظ سے اوقاتِ سحری وافطاری مقرر کرلیں جہاں روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ شامی ج ا ص ۳۳۸، طحطاوی علی الدر ج ا ص ۱۷۵ میں ہے و النظم لہ وکذا یقدرون فی الصوم لیلھم باقرب بلد الیھم ثم یمسکون الی الغروب باقرب بلد الیھم علی ما قالہ الزرکشی و ابن العماد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۱۲/۶۸ ۱۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین درج ذیل مسائل پیش آمدہ کے بارہ میں :۔

ا۔ بلغاریہ یا ڈنمارک وغیرہ علاقوں میں سال کے اندر چند راتیں دو گھنٹے کی ہوتی ہیں بلکہ بعض دنوں میں تو سورج کا طلوع شفق کے غروب سے قبل ہوجاتا ہے، ان جگہوں میں نماز پنجگانہ کن کن اوقات میں قضاءً یا اداءً پڑھنی ہوں گی خصوصاً عشاء، وتر اور فجر کی نماز کے اوقات کیسے متعین کیے جائیں گے؟

۲۔ ان علاقوں میں رمضان کے روزوں کے لئے وقت کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

۳۔ ان علاقوں میں ایام تشریق و قربانی کا تقرر کیسے ہو؟

۴۔ ان علاقوں میں عشرہ اخیرہ رمضان برائے اعتکاف کا تعین کیسے ہو؟

بینوا بالبسط والتفصیل توجروا عند اللہ الکریم الجلیل۔

العارض: جامعہ رضویہ ضیاء العلوم سبز منڈی راولپنڈی شہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ایسے بلاد کے ایسے ایام سال بھر میں تقریباً چالیس ہوتے ہیں، شامی ج ۱ ص ۲۴۵ میں ہے فی اربعینیۃ الصیف۔ ان میں عشاء کے علاوہ سب نمازوں کے اوقات حسب معمول پائے جاتے ہیں۔ ان کو ان کے اپنے مقررہ اوقات میں ہی ادا کرنا لازم ہے لنصوص الکتاب والسنۃ اور نماز عشاء کا وقت مفقود ہے، اس کے متعلق ہمارے امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور آپ کے تلامیذ راشدہ سے کتب مذہب مہذب میں کچھ منقول نہیں بلکہ چوتھی صدی تک کے کسی عالم مشہور حنفی سے کوئی فتوےٰ نظر نہیں آیا لہٰذا پانچویں صدی کے ائمہ کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو مختلف فتوے دئے گئے چنانچہ حضرت شمس الائمہ عبد العزیز احمد حلوانی یا حلوائی بخاری (اخ) کا

سه کتب السائل بالسبط بتقدیم السین علی الباء والظاهر تقدیم الباء علی السین ۱۲ منه غفرله

وصال پانچویں صدی ہجری کے ۸۴۴ھ یا ۹۴۴ھ میں ہے کما فی الجواھر المضیئة ج ۱ص ۳۱۸ والفوائد البھیة ص ۸۱، ۸۲ وایضا فی الفوائد ذکر ست اثنین وخمسین واربع مائة وعن الذھبی ست وخمسین واربع مائة) کی خدمت میں حسب نقول مذہبیہ سب سے اول یہ سوال پیش کیا گیا تو آپ نے وجوب عشاء و وتر کا فتوے دیا، بعد ازاں یہ سوال شیخ کبیر سیف السنة سیف الدین بقالی کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ نے عدم وجوب کا فتوے دیا۔ جب یہ جواب حضرت شمس الائمہ کو پہنچا تو آپ نے ایک سائل کو حضرت سیف بقالی کی خدمت میں بھیجا کہ جامع مسجد خوارزم میں عوام کی موجودگی میں شیخ بقالی کی خدمت میں یہ سوال کرے کہ جو شخص پانچ نمازوں میں سے ایک نماز ساقط کردے اس کے متعلق آپ کا کیا فتویٰ ہے؟ کیا وہ کافر ہے؟ تو حضرت بقالی نے یہ سمجھتے ہوئے کہ سوال میرے ہی فتوے پر ہے، فوراً فرمایا جس شخص کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں اس کے وضو کے فرائض کتنے ہیں؟ تو سائل نے کہا تین ہیں کیونکہ چوتھے فرض کا محل نہیں رہا تو حضرت بقالی نے فرمایا کہ اسی طرح پانچویں نماز اس لئے ساقط ہے کہ اس کا وقت نہیں پایا گیا جب یہ جواب حلوائی کو ملا تو آپ نے پسند فرمایا اور اپنے فتوے سے رجوع کرتے ہوئے حضرت بقالی کی موافقت فرمائی کہ ایسے شخص پہ نماز عشاء نہیں کما فی فتح القدیر ج ۱ص ۱۹۷ و الکبیری ص ۲۲۸ و ۲۲۹ والصغیری ص ۱۲۹ والشامیة ج ۱ص ۳۳۶ و شرح الملا مسکین علی الکنز ص ۳۸۔

بعد ازاں برہان کبیر جن کو برہان الدین الکبیر و الصدر الکبیر و برہان الائمہ بھی کہا جاتا

ھ ان کا سن وفات نہیں ملا مگر چونکہ سوال بعد ازاں پیش ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ بھی پانچویں صدی کے عالم ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

سه کما فی فوائد البھیة (طبع کوہ نور دہلی) وغیرھا ۱۲ منہ غفرلہ

ہے جو حضرت شمس الائمہ حلوانی کے تلمیذِ رشید شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی کے تلمیذِ رشید ہیں جن کا نام نامی عبد العزیز بن عمر ہے۔ ان سے یہ سوال کیا گیا تو آپ نے وجوب کا فتوےٰ دیا کما فی التبیین ج ۱ ص ۸۱ والشامیۃ ج ۱ ص ۳۳۶ والفتح ص ۱۹۷ ولکن فیہ بدل البرھان البرھانی بیاء النسبۃ ولعل الکاتب غلط والصحیح البرھان کما فی التبیین وغیرہ مگر غنیۃ المستملی کبیری ص ۲۲۸ اور صغیری ص ۱۲۹ میں ہے کہ حضرت برہان الائمہ اور ان کے تلمیذِ رشید ظہیر الدین مرغینانی نے عدمِ وجوب کا فتوےٰ دیا و نصہ۔ وردت فتویٰ فی زمن الصدر برھان الائمۃ انا لانجد وقت العشاء فی بلد تناھل علینا صلوٰۃ۔ فکتب لیس علیکم صلوٰۃ العشاء وبہ افتی ظہیر الدین المرغینانی عــہ۔

تو معلوم ہوا کہ برہان الائمہ سے نقل میں اختلاف ہے۔ تبیین وغیرہ میں وجوب کا قول نقل کیا اور کبیری وصغیری میں عدمِ وجوب منقول ہوا مگر قرینِ قیاس یہ ہے کہ صحیح یہی ہے کیونکہ حضرت حلبی کی نقل برہان کبیر کے استاذ شمس الائمہ حلوائی کے فتویٰ کے مطابق ہے اور یونہی برہان کبیر کے شاگرد ظہیر الدین مرغینانی کے فتوے کے مطابق ہے اور کبیری وصغیری کے مطابق مولانا عبد الحی صاحب نے الفوائد البہیہ ص ۱۳۲ کے حاشیہ میں زاہدی کی شرح قدوری سے بھی نقل فرمایا ہے تو جب برہان کبیر کے استاذ اور شاگرد دونوں عدمِ وجوب کے قائل ہیں اور برہان کبیر سے نقل مختلف ہے تو ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی عدمِ وجوب کے قائل ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

بہرحال فتح القدیر میں حضرت سیف الدین بقالی کے استدلال علی عدم الوجوب کا جواب دیتے ہوئے قولِ وجوب کو اختیار فرمایا حیث قال ولا یرتاب متأمل

عــہ درالمختار میں ہے وبہ افتی البقالی ووافقہ الحلوائی والمرغینانی ۱۲ منہ غفرلہ

فی ثبوت الفرق بین عدم محل الفرض وبین سبب الجعلی الذی
جعل علامة علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الامر وجواز
تعدد المعرفات للشیئ فانتفاء الوقت انتفاء المعرف وانتفاء الدلیل
علی شیئ لا یستلزم انتفاءہ لجواز دلیل آخر وقد وجد وھو ما
تواطئت لخبار الاسراء من فرض اللہ تعالیٰ الصلاۃ خمسا الخ

اس کا حاصل یہ کہ مقطوع الیدین والرجلین پر فاقد الوقت کا قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ مقطوع الیدین کا محل فرض معدوم ہے وہ خلقی ہے اور فاقد الوقت کا سبب جو معدوم ہے وہ جعلی ہے اور یہ کہ شے کے معرفات یعنی علامات و دلائل متعدد ہو سکتے ہیں تو وقت کا انتفاء دلیل کا انتفاء ہے اور کسی شے کی دلیل کا منتفی ہونا اس شے کا انتفاء نہیں کیونکہ کوئی اور دلیل بھی ہو سکتی ہے جو مسئلہ ہذا میں موجود ہے کہ احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ ہر ایک شخص پر پانچ نمازیں فرض ہیں اس میں کسی علاقے یا قطر کے رہنے والوں میں سے کسی کا استثناء نہیں اور حدیثِ دجّال سے بھی ثابت ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور ایک سالہ دن میں اندازے سے ہر ایک چوبیس گھنٹے میں پانچوں نمازیں واجب ہیں لہٰذا فاقدِ وقتِ عشاء پر نمازِ عشاء لازم ہے۔

دلیل نمبر۱ کا جواب یہ ہے کہ یہ سبب جعلی کس کے جعل سے ہے وضو کے محل خلقی کا خالق و جاعل ہی اس سبب جعلی کا بھی جاعل ہے وہ وہی ہے جس نے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ ، اور یوں بھی کوئی فرق نہیں کہ محلِ غسل غسل کی ظرفِ مکان ہے اور وقتِ نماز نماز کی ظرفِ زمان ہے تو ظرف ظرف میں کیا فرق؟ وقد صرح ب الاصولیون بان الوقت ظرف للصلوٰۃ وذا مما لا یخفی فانتفی الفارق وصح الاستدلال۔

دلیل نمبر۲ کا جواب یہ ہے کہ واقعی یقیناً احادیثِ کثیرہ سے پانچ نمازیں ثابت ہیں مگر یہ امر بھی یقینی ہے کہ ان کے پانچ وقت بھی آیات و احادیث سے متعین و متقرر ہیں قال

اللہ تعالیٰ ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا۔ تفسیر خازن ج۱
ص ۴۹۳ میں ہے یعنی مکتوبۃ موقتۃ فی اوقات محدودۃ فلا یجوز
اخراجہا عن اوقاتہا علی ای حال۔ معالم التنزیل ج۱ ص ۴۹۳ میں ہے فرضہ
موقتا وقتہ اللہ علیہم وقد جاء بیان اوقات الصلوٰۃ فی الحدیث
ابن کثیر ج۱ ص ۵۵۰ میں حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان
للصلوٰۃ وقتا کوقت الحج۔

قرآنِ کریم کی بکثرت آیات میں اقامت و محافظتِ صلوات کا حکم ہے اور اقامت و
محافظت کا معنی مفسرینِ کرام نے پابندیٔ اوقات اور دیگر شرائط و ارکان سے ادا کرنا بیان
فرمایا ہے۔ خازن اور معالم ج۱ ص ۲۶ میں ہے و النظم من المعالم قولہ تعالیٰ
ویقیمون الصلوٰۃ ای یدیمونہا ویحافظون علیہا فی مواقیتہا الخ۔
تفسیر ابنِ کثیر میں قتادہ سے ہے اقامۃ الصلوٰۃ المحافظۃ علی مواقیتہا الخ اور
یونہی مقاتل بن حیان سے بھی نقل فرمایا۔ نیز در المنثور ج۱ ص ۲۷ میں بھی حضرتِ قتادہ سے
یہی منقول ہے۔ معالم اور خازن ج۱ ص ۴۶ میں ہے واقیموا الصلوٰۃ یعنی الصلوات
الخمس بمواقیتہا وحدودھا۔ نیز معالم و خازن ج۱ ص ۲۰۶ میں بکلماتِ متقاربہ
ہے قولہ تعالیٰ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ ای واظبوا
وداوموا علی الصلوات المکتوبات بمواقیتہا الخ۔ در المنثور ج۱ ص ۲۹۳
میں ہے المحافظۃ علیہا المحافظۃ علی وقتہا۔ نیز ج۱ ص ۲۹۶ میں حدیث
مرفوع عن ابی الدرداء میں ہے من حافظ علی الصلوات الخمس علی وضوئھن
ورکوعھن وسجودھن ومواقیتھن۔ نیز ج۱ ص ۲۹۵ کی احادیث مرفوعہ
سے حضرت حنظلہ کی حدیث میں بعینہٖ یہی کلمات ہیں اور حضرت ام المؤمنین سراپا صدق و صفا
کی حدیثِ مرفوع میں ہے حافظ علی وضوئہا ومواقیتہا۔ حضرتِ انس کی حدیث

مرفوع میں ہے من صلی الصلوات لوقتہا اور یونہی حضرت کعب بن عجرہ سے بھی یہی کلمات ہیں اور یہ حدیث بھی قدسی ہے نیز ج ۱ ص ۲۹۶ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث مرفوع قدسی میں ہے وعزتی وجلالی لا یصلیہا عبد لوقتہا الا ادخلتہ الجنۃ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۹۰ میں اسی آیت کے تحت ہے یأمر تعالی بالمحافظۃ علی الصلوات فی اوقاتہا وحفظ حدودھا واداءھا فی اوقاتہا کما ثبت فی الصحیحین عن ابن مسعود قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ای العمل افضل قال الصلوۃ لوقتہا الحدیث۔ تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۴۲ میں ہے واظبوا علی الصلوات المکتوبات فی اوقاتہن الخ نیز حضرت مسروق تابعی سے بالاسنادین ہے المحافظۃ علیہا المحافظۃ علی وقتہا اور فالحفاظ علیہا الصلوۃ لوقتہا۔ تفسیر بیضاوی ج ۱ ص ۱۱۵ میں ہے بالاداء لوقتہا۔ تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۳۴ میں ہے بالاداء لاوقاتہا والمداومۃ علیہا بلکہ خود فتح القدیر شرح الہدایہ میں بھی یہی معنی ہے، ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے ومحافظتہا اداؤھا فی اوقاتہا۔

ایسی آیات اور مفسرینِ کرام کے اقوال اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احصار اس مختصر فتوے میں مشکل ہے، لبطورِ نمونہ اسی پر اکتفاء ہے اور یونہی احادیثِ کثیرہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ بھی متعذر، ان احادیث میں احادیثِ فعلیہ اور تقریریہ کی کثرت قولیہ سے نسبۃً بہت ہی زائد ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ، بلکہ پانچ نمازوں کے پانچ نام ہی بتا رہے ہیں کہ مخصوص اوقات ہیں، اور نمازِ عشاء کا نام تو صراحۃً قرآنِ کریم میں بھی ہے سورۂ نور کا نورانی ارشاد ہے من بعد صلوۃ العشاء اور احادیثِ مرفوعہ اور اقوالِ صحابہ وتابعین سے بھی اس نماز کا یہ نام روزِ روشن کی طرح ثابت ہے جو آج تک برابر استعمال ہو رہا ہے۔

بہرنہج احادیث سے پانچ نمازیں ضرور ثابت ہیں مگر وہ پانچ میں کونسی نمازیں اور یقیناً یہی پانچ ہیں صلوٰۃ الفجر، صلوٰۃ الظہر، صلوٰۃ العصر، صلوٰۃ المغرب، صلوٰۃ العشاء (تو یہ کہنا (کہ وقت معرف دو دلیل ہے، انتفاء دلیل سے انتفاء شئی لازم نہیں آتا، شے کے لئے اور دلیل کا ہونا بھی جائز ہے جو یہاں موجود ہے) محض تعجب خیز ہے، وہ دلیل یقیناً یہی پانچ نمازیں ثابت کرتی ہے جن کے لئے یہ پانچ اوقات ظروف ہیں جن کی معرفت بخصوصہم انہی اوقات سے ہوتی ہے کہ ان کے اسماء مضافہ الی الاوقات ہیں اور مضاف الی المعرفہ مضاف الیہ سے تعریف حاصل کرتا ہے کما صرح بہ النحاۃ فی کتبھم اور یونہی لام تعریف بھی مفید تعریف ہے جو قرآنِ کریم میں ہماری نمازوں کی اقامت کے بیان میں اکیس آیات میں ہے مثلاً واقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل اور والذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم واقاموا الصلوٰۃ وغیرھا من الآیات اور یہ بھی فرمایا ان الصلوٰۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر اور اضافتِ معنویہ کے ساتھ مضاف الی ضمیر الخطاب ہے ولا تجھر بصلوٰتک اور مضاف الی الضمیر المؤمنین الغائبین جمعاً چار مرتبہ ہے مثلاً وھم علی صلوٰتھم یحافظون وغیرھا من الآیات اور ایک بار مضاف الی یاء المتکلم ہے قل ان صلاتی ونسکی اور ایک مرتبہ الصلوٰت ہے حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی اور ایک مرتبہ صلوٰتھم ہے والذین ھم علی صلاتھم یحافظون تو کیا بیۃ الاسراء کی خمس صلوات ان آیات کثیرہ اور خود اسماء الصلوات سے معین ومقرر نہیں ہوئیں کہ اب بھی اس نکارت کو دلیل بنایا جائے اور آیات کی طرح احادیثِ کثیرہ میں بھی الصلوٰۃ اور الصلوات معرفہ بلام العہد اور مضاف الی المعارف نہایت ہی کثرت سے کتبِ صحاح وغیرہ میں موجود ہیں بلکہ خود محقق علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے اسی استدلال میں الخمس معرف باللام ذکر فرمایا ونصہ وقد وجدوھو ما تواطأت اخبار الاسراء من فرض اللہ تعالٰی الصلوٰۃ خمسًا

بعد ما امروا اولا بخمسین ثم استقر الامر علی الخمس شرعا عاما فحصحص الحق وحصل المطلوب اور یونہی حضرتِ محقق علیہ الرحمۃ نے اس حدیثِ پاک سے استدلال کیا جس میں خمس صلوات ہے وکذا قال صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات کتبہن اللہ علی العباد حالانکہ یہ استدلال بھی بعض مسامحت پر مبنی ہے۔

یہ حدیث سنن نسائی ج۱ ص۸۰ اور موطا امام مالک ص ۴۳ پر حضرت عبادہ بن صامت سے ہے، اس میں علی العباد سے آگے ہے من جاء بہن لم یضیع منہن شیئا جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ وقت میں ادا نہ کرنے کو بھی اضاعت شامل ہے بلکہ ابوداؤد ج۱ ص ۶۷ میں یہی حدیث بایں کلمات مبارکہ ہے خمس صلوات افترضہن اللہ عزوجل من احسن وضوئہن وصلاھن لوقتہن اس میں وقتِ خاص کی قید منصوص ہے والاحادیث تفسر بعضہا بعضا۔ قاعدۂ مسلمہ ہے فانمحل الاستدلال۔ پھر الصلوات الخمس معرف باللام بھی احادیث میں وارد ہے، حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ متفق علیہ میں ہے فذلک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بہن الخطایا، اور انہی سے مسلم میں ہے الصلوات الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ الحدیث۔ پھر حدیثِ حضرتِ امامہ میں صلوا خمسکم بھی ہے تو گویا ان احادیث سے خمس صلوات کی نکارت زائل نہیں ہوتی بلکہ تنکیر تعظیم کے لئے بھی ہوتی ہے کما بین فی محلہ تو یہاں بھی ظاہر ہے کہ تعظیم کے لئے ہے، یہ سب بطریقِ ارخاء العنان ہے ورنہ شبِ اسراء میں خمس صلوات کی فرضیت ہے بھی بطریق

؎ ھذا ان کان المراد من الخمس الخمس المبین وان کان المراد خمس الذی مرفعا استقر الامر الاعلی الخمس المبین المعین ولاعمل الا بعد البیان ۱۲ منہ غفرلہ

اجمال ہی، اور اجمال کا حکم یہ ہے کہ بیانِ مجمل سے قبل اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ حسامی ص ۷
اور ۸ میں ہے وحکمہ التوقف فیہ علی اعتقاد حقیۃ المراد بہ الی ان یاتیہ
البیان۔ منار متن نور الانوار ص ۹۲ میں ہے وحکمہ اعتقاد الحقیۃ فیما ھو
المراد والتوقف فیہ الی ان تبین ببیان المجمل کالصلوٰۃ والزکوٰۃ
در المختار میں ہے ولا یخفی توقف وجوب الاداء علی العلم بالکیفیۃ۔ شامی
ج ۱ ص ۳۳۱ میں فرمایا وقولہ ولا یخفی الخ جواب سوال حاصلہ ان الصبح
اذا کان اول الخمس وجوبا فکیف ترکہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
صبیحۃ الاسراء مع وجوبہ علیہ لیلا وبیان الجواب انہ وان
کان واجبا لا یجب الاداء قبل العلم بالکیفیۃ لان الخطاب بالمجمل
قبل البیان یفید الابتلاء باعتقاد الحقیۃ فی الحال وانما یجب
العمل بعد البیان کما ذکرہ الاصولیون طحطاوی ج ۱ ص ۱۷۳ میں ہے
قولہ فلذا ای لتوقف وجوب الاداء علی العلم۔ مواہب اللدنیہ اور اس
کی شرح زرقانی ج ۷ ص ۲۸۶ میں ہے (فذکر الحدیث وفیہ رد علی من
زعم ان بیان الاوقات انما وقع بعد الھجرۃ والحق ان ذلک وقع
قبلھا ببیان جبریل) صبیحۃ المعراج (وبعدھا ببیان النبی
صلی اللہ علیہ وسلم) کما دلت علیہ الاحادیث۔ اور جب فرضیتِ خمس
کا بیان بقید الاوقات ہے تو وقت نہ پائے جانے کی صورت میں وجوب للاداء نہیں
پایا جائے گا اور جب ادا نہ ہوئی تو قضا کیسی؟ رہی حدیثِ دجال تو وہ شرعِ جدید ہے
اور خلافِ قیاس ہے تو اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔ شرح مسلم للنووی ج ۲ ص ۴۰۱
مرقاۃ علی المشکوٰۃ ج ۱۰ ص ۱۹۵ میں ہے قال القاضی وغیرہ ھذا حکم
مخصوص بذلک الیوم شرعہ لنا صاحب الشرع قالوا ولو لا

هٰذا الحديث ووكلنا الى اجتهادنا لاقتصرنا فيه على الصلوات
الخمس عند الاوقات المعروفة فى غيره من الايام۔ کبیری ص ۲۳۰
میں ہے والقياس على ما فى حديث الدجال غير صحيح لانه لا
مدخل للقياس فى وضع الاسباب ولئن سلم فانما هو فيما لا يكون على
خلاف القياس والحديث ورد على خلاف القياس فقد نقل
الاكمل فى شرح المشارق عن القاضى عياض انه قال هٰذا حكم
مخصوص الخ نیز اسی میں ہے ولئن سلم القياس فلا بد من المساواة
فلا مساواة فان فيما نحن فيه لم يوجد زمان يقدر للعشاء فيه
وقت خاص بها والمفاد من الحديث انه يقدر لكل صلوٰة وقت
خاص بها الخ وقد نقله الشامى مقرا بل مجيبا عما اورد عليه
بانه ليس من باب الالحاق دلالة وبان قوله ان ما نحن فيه لم يوجد
زمان يقدر للعشاء فيه وقت خاص ممنوع فاجاب الشامى ج ۱،
ص ۳۳۰ عن الاعتراضين وقال فى آخر الجواب فاين الالحاق
دلالة مع عدم المساواة فلو كان بطريق الالحاق او القياس
لجعلوا لها وقتا خاصا بها تكون فيه اداء وانما قدروه موجودا
لايجاب فعلها بعد الفجر۔ اور اس میں طحطاوی کے ادعائے الحاق دلالۃ کا
بھی جواب آگیا، رہا شامی کا یہ کہنا والاحسن فى الجواب عن المحقق الكمال
ابن الهمام انه لم يذكر حديث الدجال ليقيس عليه مسئلتنا
او يلحقها به دلالة وانما ذكره دليلا على افتراض الصلوات
الخمس وان لم يوجد السبب افتراضا عاما بالکل غیر مفید اور بے سود
ہے لان الافتراض لا يثبت بخبر الواحد ولما مر من اثبات

الاوقات للصلوات ولان كون الوقت بعد الغروب الى انتهاء الشفق لصلوٰة المغرب وبعد طلوع الفجر الى طلوع قرن الشمس لصلوٰة الفجر قطعى لا يرتفع جزء منهما بخبر الواحد حتى يقدر للعشاء خصوصا اذا كان الخبر خاصا بالمورد خلاف القياس ولايقاس عليه ولا يلحق به دلالة ايضا كما قاله بل اقربه الشامى نفسه فكيف يفيد ذكره فى مسئلتنا هذه وانظر الغنية تغنك و تجبك عن ما قال المحقق عليه الرحمة۔

بہر حال یہ مسئلہ وجوب العشاء والوتر کا کتبِ متداولہ میں سے بالجزم فتح القدیر میں ہے وقال الشامی وقد اقر ما ذکرہ المحقق تلمیذاہ العلامتان المحققان ابن امیر حاج والشیخ قاسم اقول ولما حصل الجواب عما ذکرہ المحقق حصل عن اقرارھما ایضا اور یونہی محقق علیہ الرحمۃ کے اتباع میں ابن الشحنہ کی تصحیح کا جواب بھی ہوگیا، پھر اس تصحیح کی بناء پر صاحبِ تنویر کا متن میں ذکر بالجزم کرنا اور اس کی شرح منح الغفار میں یہ دعوی کہ مذہب ہے، بالکل بے جا اور بے پادر ہوا ہے، جب مبنی وماخذ کا جواب ہوگیا تو سب کا جواب ہوگیا اور جب ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالی عنہم سے ثابت ہی نہیں نہ صراحۃً اور نہ کنایۃً اور نہ ہی ان کی کسی عبارت سے استنباطاً، تو مذہب کیسے بنا؟ لہذا در المختار میں اس کی تضعیف فرمائی حیث قال اختارہ الکمال و تبعہ ابن الشحنۃ فی الغازہ فصححہ فزعم المصنف انہ المذہب۔ شامی ج۱ ص ۳۳۶ میں ہے رقولہ

عــہ کما صرح بہ المصنف فی شرح منح الغفار کما نقلہ الطحطاوی فی حاشیۃ المراقی ۱۲ منہ غفر لہ

فزعم المصنف الخ) ای حیث جزم بہ وعبر عن مقابلہ بقیل ولذا نسبہ فی الامداد الی الوہم طحطاوی علی الدر ج ا ص ۱۷۶ میں ہے فیہ اشارۃ الی ضعفہ۔ نیز درالمختار میں فرمایا قلت ولا یساعدہ حدیث الدجال شامی ج ا ص ۳۳۸ میں ہے الضمیر (ای الغائب مفعول لا یساعدہ) راجع الی ماذکرہ الکمال۔ نیز تنویر الابصار گو متن ہے مگر ان متونِ معتبرہ سے نہیں جو نقل مذہب کے لئے ہیں، فتاویٰ رضویہ ج ا ص ۸۱۰ کے منہیہ میں ہے قد رأیت التنویر یدخل روایات عن القنیۃ مع مصادمتہا للمذہب المنصوص علیہ فی کتب محمد کما بینت بعضہ فی کتابی کفل الفقیہ الفاہم ھٰذا۔

اور متعدد متونِ معتبرہ اور شروحِ معتمدہ اور حواشی و فتاوے موثوق بہا میں عدمِ وجوبِ عشاء و وتر پر جزم و اعتماد ہے۔ حضرت امام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی کنزالدقائق[1] ص ۱۹، اور حضرت محقق و مدقق محمد بن فراموز ملا خسرو اپنے شہرۂ آفاق شاہکار غرر الاحکام متن اور اس کی شرح درر الحکام[2] ص ۵۲ اور حضرت

---

[3] شرح نور الایضاح للمصنف العلامۃ الشرنبلالی علیہ الرحمۃ ۱۲ منہ غفرلہ

[1] فتاوے رضویہ ج ا ص ۸۱۰ کے منہیہ میں کنزالدقائق کا شمار متون موضوعہ لنقل المذہب میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

[2] یہ متن اور شرح نہایت ہی بلند پایہ ہیں، صاحبِ درالمختار نے ان ہی سے اکثر مسائل اخذ و اعتماد کئے ہیں کہ خطبہ میں فرمایا و ما کان فی الدرر و الغرر لم اعزہ الیہما ۱۲ منہ غفرلہ

شیخ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی ملتقی الابحر ص ۱۷، حضرت علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار وفائی شرنبلالی جو نہایت بلند پایہ محقق ہیں، اپنے مشہور متن نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح ص ۱۰۵ میں بکلماتِ متقاربہ فرماتے ہیں: (النظم للامام النسفی من لم یجد وقتیہما لم یجبا۔ حضرت امام اجل فخر الدین عثمان بن علی زیلعی کنز الدقائق کی معتمد شرح تبیین الحقائق ج ۱ ص ۸۱، حضرت علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی شرح کنز الدقائق رمز الحقائق ص ۱۹ اور علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی کبیری ص ۲۲۸ اور صغیری ص ۱۲۹، ملا مسکین علی الکنز ص ۳۸ اور محیط سے جامع الرموز کے ص ۵۲ میں ہے و النظم للامام الزیلعی من لم یجد وقت العشاء و الوتر بان کان فی بلد یطلع الفجر فیہ کما تغرب الشمس او قبل ان یغیب الشفق لم یجبا علیہ لعدم السبب و ہو الوقت۔ حضرت علامہ ابو الاخلاص شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر ص ۵۲، منحۃ الخالق علی البحر میں حضرت علامہ شامی ص ۲۴۷ میں فرماتے ہیں والنظم لہا

---

(۱) یہ بھی نہایت عظیم الشان متن ہے، کشف الظنون ج ۲ ص ۱۸۱۴ میں ہے بلغ صیتہ فی الآفاق و وقع علی قبولہ بین الحنفیۃ الاتفاق، اعلحضرت علیہ الرحمۃ نے منیہ مذکورہ میں اس کا شمار بھی متونِ موضوعہ لنقل المذہب میں فرمایا ہے نیز فتاویٰ رضویہ کتاب النکاح کے حصہ اول ص ۹ میں اس کو اعاظم متونِ معتبرۂ مذہب میں شمار فرمایا اور حصہ چہارم ص ۴۳ میں فرمایا کہ بہ تصریح فاضل شامی متون معتمدہ فی المذہب سے ہے ۱۲ منہ غفرلہ

(۲) اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فتاوے رضویہ ج ۳ ص ۳۸۲ میں فرماتے ہیں "شارح کنز ہیں جن کی جلالتِ شان آفتاب نیمروز سے روشن تر، یا امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں" نیز منیہ مذکورہ میں تبیین کا شمار شروح معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

(۳) کشف الظنون ص ۱۸۸۶ میں فرماتے ہیں ان الشیخ ابراہیم بن محمد الحلبی لہ شرح جامعا کبیرا فی مجلد سماہ غنیۃ المستملی فاقبل علیہ الناس و تلقاہ الفضلاء بالقبول (الیٰ ان قال) ثم اختصر تسہیلا للطالبین۔ اعلحضرت نے بھی اسے منیہ میں شروح معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

(۴) ان دو حواشی کا شمار اعلحضرت نے اسی منیہ میں حواشی معتبرہ میں فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ

اقول رده (ای اختیار وجوب العشاء والوتر) العلامة الحلبی شارح

المنیة ووافقه العلامة الباقانی فی شرحه علی الملتقی والشرنبلالی

فی امداد الفتاح وحواشیه علی الدرر والعلامة نوح افندی فی حاشیة

الدرر وکذا اخ المؤلف (ای صاحب البحر) فی نهره وتبعهم الشیخ

علاؤ الدین الحصکفی فی شرحه علی التنویر۔ الدر المختار[1] ص ۴۵۔ الدر المنتقی شرح

الملتقی ج ۱ ص ۷۱ میں حضرت علامہ شیخ علاؤ الدین حصکفی فرماتے ہیں والنظم من الدرر

وبه جزم فی الکنز والدرر والملتقی وبه افتی البقالی ووافقه الحلوانی

والمرغینانی ورجحه الشرنبلالی والحلبی واوسعانی المقال ومنعا

ماذکره الکمال قلت ولا یساعده حدیث الدجال (الی ان قال) لان

المفقود فیه العلامة لا الزمان واما فیها (ای فی مسئلتنا) فقد فقد الامران

حضرت علامہ زین الدین ابن النجیم الاشباہ والنظائر[2] ص ۵۹۶، مشائخ وفضلائے دولتِ

عالمگیریہ فتاوٰی عالمگیریہ[3] ج ۱ ص ۵۱، حضرت امام طاہر بن احمد بخاری خلاصۃ الفتاوی[3] ج ۱ ص ۶۷

میں فرماتے ہیں والنظم من الخلاصۃ فلو کانوا فی بلدۃ اذا غربت الشمس

طلع الفجر لا یجب علیہم صلوٰۃ العشاء۔ کنز الدقائق وغیرہ متون موضوعہ لنقل

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۳۸۲ میں فرمایا "درِ مختار بحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق و مغارب ارض میں فتاوائے مذہبِ حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقاتِ عالیہ و تدقیقاتِ غالیہ پر ہوگیا الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] یہ بظاہر متن ہے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا فما ہو ثبت الا فی الفتاوی لہٰذا اس کا شمار فتاوے کے ساتھ ہوا ۱۲ منہ غفرلہ

[3] منبیہ مذکورہ میں ان دونوں کا شمار فتاوے معتبرہ میں فرمایا ۱۲

منہ غفرلہ

المذہب میں عدم وجوب عشاء ودتر پر جزم بتاتا ہے کہ مذہب یہی ہے کہ گو ائمہ مذہب
سے یہ مسئلہ صراحۃً منقول نہیں مگر اصول مذہبیہ میں وقت کا سبب اور شرط اور ظرف بیان
کرنا بتاتا ہے کہ یہی مذہب ہے کیونکہ سبب کے سوا مسبب نہیں اور شرط نہ ہو تو مشروط
نہیں اور ظرف کے بغیر مظروف نہیں، اور یونہی شروح وحواشی معتبرہ میں اس کا ذکر و
تعلیل بھی یہی پتہ دیتا ہے اور یونہی اشباہ میں بھی صرف اسی پر اقتصار اور فتاوٰی ہندیہ (جو
جلیل القدر فضلاء العصر کے اتفاق واطباق سے صحیح ومعتمد مسائل پر بامر وانتظام خصوصی حضرت
غازی ابو المظفر عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم لکھا گیا) کا صرف عدم وجوب بھی
بالجزم ذکر کرنا اور حضرت امام طاہر بن احمد کا خلاصۃ الفتاوٰی میں اپنی دو مطول کتابوں[سعہ] سے
صرف عدم وجوب کی تلخیص وتخلیص بھی اس کے مذہب ومعتمد ہونے کی بیّن دلیل ہیں خصوصاً
امام طاہر کا وقت العشاء کے بیان پر فائے تفریعیہ سے متفرع بتانا اس کی واضحیت کی دلیل
ہے اور جن معتمدات میں فا نہیں مقصود وہاں بھی یہی ہے کہ سب میں مسئلہ عشاء کے
ذیل میں ہی مذکور ہے تو واضح ہوا کہ جیسے حج کے شرائط میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے
تو حج لازم نہیں اور زکوٰۃ کی کوئی شرط مفقود ہو تو زکوٰۃ لازم نہیں اور روزہ کا بھی یہی حکم
ہے تو نماز بھی دوسرے ارکانِ اسلام کی طرح شرط نہ پائی جانے کی صورت میں واجب
نہیں ہوگی اور یونہی وقت نماز کے لئے سبب اور ظرف بھی ہے کما مر، تو سبب کے
سوا مسبب نہیں اور ظرف کے سوا مظروف نہیں اور ہمیں یہ طاقت نہیں کہ اپنے طور جعلی

سعہ کشف الظنون ج ۱ ص ۷۱۸ میں ہے وھو کتاب مشہور معتمد فی مجلد ذکر فی اولہ انہ
کتب فی ھذا الفن خزانۃ الواقعات وکتاب النصاب الخ ۱۲

للعہ قال المصنف فی خطبۃ الخلاصۃ لما تکتبت فی ھذا الفن نسختین اولٰہما تسمی خزانۃ
الواقعات والثانیۃ کتاب النصاب فسألنی بعد ذلک بعض اخوانی ان اکتب نسخۃ قصیرۃ یمکن ضبطہا او[illegible]

شرط اور سبب وظرف بنا لیں لہذا ہمیں ادا کی وسعت ہی نہیں وقد قال اللہ تعالٰی
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها وکذا ما فی معناہ من الآیات والاحادیث۔
تو امس وشمس کی طرح واضح ہوا کہ ان علاقوں کے ایسے دنوں میں نمازِ عشاء و وتر کا ادا
فرض ولازم نہیں، اور جب ادا نہیں تو قضا بھی نہیں وذا ظاہر من ان یظہر
واشہر من ان ینکر واما قول الشامی ویتأید القول بالوجوب بانہ
قال بہ امام مجتہد وہو الامام الشافعی فمما یتعجب منہ فان
ہذہ المسألۃ ظہرت فی المتأخرین من اصحابہم کما ظہر فی المتأخرین
منا فقد قال الامام السیوطی منہم فی الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۳۱
وقد سئل متأخروا اصحابنا عن بلاد یطلع فیہا الفجر عقب
ما تغرب الشمس ولو کان قول الامام لما قال ہذا ثم قال فاجاب
البرہان الفزاری بوجوب العشاء علیہم ویقضونہا وافتی معاصروہ
بانہا لا تجب علیہم لعدم سبب الوجوب فی حقہم وہو الوقت فلو کان
قول الامام لما افتی جمہور معاصریہ بعدم الوجوب وایضا لو
کان قول الامام لاشتہر فی متقدمی مشائخنا ایضا بل لوجد قول
الصاحبین من ائمتنا ایضا وذا ظاہر من عاداتہم الکریمۃ
ونقل الحلیۃ عن المتولی عنہ ان صح لکان مبناہ علی ان
بعض القائلین بالوجوب قالوا ہذا نص فیقدم علی القیاس ای
القول بعدم الوجوب قیاس والقول بالوجوب منصوص والمنصوص
فی الحدیث مذہب الامام وان لم یقل بہ بل وان کان قال بالخلاف

له کما فی الحاوی ۱۲ منہ غفرلہٗ۔

وهذا كما قال الماوردی من الشافعية فی کون الصلوة الوسطی
صلوة العصر هذا مذهب الشافعی رحمة الله تعالیٰ لصحة الاحادیث
فیه قال وانما نص علی انها الصبح لانه لم یبلغه الاحادیث الصحیحة
فی العصر ومذهبه اتباع الحدیث کما فی النووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۲۶
فکما جعل الماوردی العصر مذهب الامام وکان الشافعی قد نص
علی انها الصبح لصحة الاحادیث فکذا جعل المتولی هذا قوله
وان لم یکن قال به ولکن هذا اغلط فان الحدیث نص فی ایام الدجال
لا فی هذا بل هذا ایضا قیاس علی ایام الدجال فکیف یقال
هذا نص یقدم علی القیاس وکیف یقال بناء علی هذا ان هذا قول الامام
فکیف یتأید القول بالوجوب هذا وقد بقی الخبایا فی زوایا الکلام
ولکن الاختصار اولیٰ بالمرام۔

(۲) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں دوسرے علاقوں کی طرح روزے کا وقت تبینِ فجر سے مجیٔ لیل تک متعین ہے مگر جب کھانے پینے کا وقت ہی نہیں ملتا اور مسلسل اکل و شرب سے پرہیز سببِ ہلاک ہے وذا مما لا یشک فیه وقد قال الشامی فی ج ۱ ص ۳۳۹ ولا یمکن ان یقال بوجوب موالاة الصوم علیهم لانه یؤدی الی الهلاک تو شرعاً وہ لوگ مریض کے حکم میں ہیں کہ خوفِ ہلاک بھی مرض کی طرح مبیحِ افطار ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۲۰۷ بیان اعذارِ مبیحہ میں ہے ومنها العطش والجوع کذالک اذا خیف منهما الهلاک۔ درالمختار تقریر شامی تسلیماً و تفصیلاً ج ۲ ص ۱۵۸ میں ہے و النظم من الدر وخوف هلاک او نقصان عقل ولو بعطش او جوع شدید۔ پھر اس کے بکثرت جزئیاتِ جلیلہ معتبرات مذہبیہ میں گونج رہے ہیں وقد قال الله تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی

التهلكة۔ اور تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۸۹ میں ہے فمن کان منکم مریضا و کذا

من کان فی معناہ تو ان لوگوں پر حسب دستور عدۃ من ایام اخر لازم ہے

یعنی اور دنوں میں گنتی کے مطابق قضائی دیں لہٰذا جن سالوں میں رمضان المبارک کلًّا یا بعضًا

ایسے موسم میں آئے کہ کھانے پینے کا وقت ہی نہ ملے تو اس حساب سے ان سالوں کے

باقی ان ایام میں قضائی دیں جن میں با قاعدہ کھا پی سکیں۔

(۳) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں ایامِ تشریق و قربانی بھی دوسرے علاقوں کی طرح

متقرر ہیں و ذا مما لا یخفی علی عاقل فضلا عن فاضل۔

(۴) کا جواب یہ ہے کہ ان علاقوں میں عشرۂ اخیرہ رمضان برائے اعتکاف بھی متعین ہے

اور ان مخصوص ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں اگر عشرۂ اخیرۂ رمضان ہو تو مسئلہ

ظاہر ہے مگر جب ان ایام میں سارا رمضانِ پاک یا عشرۂ اخیرہ آئے تو پھر بھی کوئی

خفا نہیں کیونکہ اعتکافِ مسنون کے لئے روزہ شرط نہیں بلکہ صرف اعتکاف

واجب کے لئے روزہ شرط ہے کما فی شرح کنز الدقائق وغیرھا تو اعتکاف

ہو سکتا ہے اور روزہ کی حسبِ دستور قضا بعد میں ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ

اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ

و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ۸/۴/۲

ؔ البتہ جن ایام میں نمازِ عشاء کا وقت ہی نہیں ہے تو ان میں تکبیر بعد العشاء بھی ساقط ہو گی ۱۲ منہ غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں :۔

۱۔ جن ممالک میں بعض نمازوں کے اوقات سرے سے آتے ہی نہیں وہاں ان نمازوں کا کیا ہوگا؟ اگر ادا کی جائیں گی تو بہ نیت ادا یا بہ نیتِ قضا۔

۲۔ جب انسان چاند پر پہنچنے لگیں گے تو نمازوں کا کیا ہوگا؟

۳۔ ان صورتوں میں روزوں کا نظام کیا ہوگا؟

۴۔ مدارس میں مدرسین اور طلبہ کو دار العلوم کی لائبریری سے کتب پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں، اگر کوئی کتاب بلا تعدی گم ہو جائے تو اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

امید ہے کہ فقہ حنفی کے حوالہ جات سے جواب عنایت کیا جائے گا۔

عبد المجید بمعرفت دار العلوم نعیمیہ، شمس الرحمن کو ملے۔ ۲۱ ۴/۷

لیاقت آباد ۲/۳، کراچی

فون نمبر ۴۱۲۳۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

(۱) ان ممالک میں جن بعض نمازوں کے اوقات بعض مواسم میں سرے سے آتے ہی نہیں وہ نمازیں فرض ہی نہیں کیونکہ اصولِ حنفیہ میں یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ نماز کے

لئے وقت ظرف اور شرط اور سبب ہے کما فی اصول السرخسی والمنار والحسامی وغیرھا من المعتبرات حالانکہ سبب کے بغیر مسبب نہیں اور شرط نہ ہو تو مشروط نہیں اور ظرف نہ ہو تو مظروف کہاں پایا جائے تو ایسی نماز ادا کرنے کی طاقت و وسعت ہی نہیں وقد قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا وما فی معناہ من الآیات المنیفۃ والاحادیث الشریفۃ جیسے جس شخص کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت یا دونوں پاؤں ٹخنوں تک کٹے ہوں تو اس پر ان کا غسل غسل اور وضو میں فرض نہیں، کنز الدقائق، غرر الاحکام، ملتقی الابحر، نور الایضاح میں ہے حالانکہ یہ متون معتبرہ ناقلۃ المذہب ہیں والنظم من الکنز من لم یجد وقتیھما لم یجبا اور تبیین الحقائق اور رمز الحقائق من شروح الکنز، درر الحکام شرح غرر اور در المختار شرح تنویر الابصار اور در المنتقی شرح الملتقی اور مراقی الفلاح علی نور الایضاح غنیۃ المستملی، کبیری اور صغیری جو منیہ کی شروحِ معتبرہ سے ہیں، ان سب شروح میں بکلمات متقاربہ ہے والنظم للامام الزیلعی من لم یجد وقت العشاء والوتر بان کان فی بلد یطلع الفجر فیہ کما تغرب الشمس او قبل ان یغیب الشفق لم یجبا علیہ لعدم السبب۔ نیز ملا مسکین علی الکنز اور محیط سے جامع الرموز میں بھی یوں ہی ہے اور غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے (اور یہ دونوں حواشی معتمدہ سے ہیں) والنظم للعلامۃ الشامی افول ردہ (ای وجوب العشاء والوتر) العلامۃ الحلبی شارح المنیۃ ووافقہ العلامۃ الباقانی فی شرحہ علی الملتقی والشرنبلالی فی امداد الفتاح وحواشیہ علی الدرر والعلامۃ نوح آفندی فی حاشیۃ الدرر وکذا اخ المؤلف فی نہرہ وتبعہ الشیخ علاء الدین الحصکفی فی شرحہ علی التنویر الخ

فتاوی عالمگیر اور خلاصۃ الفتاوے (جو نہایت ہی معتبر فتاوی ہیں) میں ہے

و النظم للعلامۃ الطاھر فلو کانوا فی بلدۃ اذا غربت الشمس

طلع الفجر لا یجب علیہم صلوۃ العشاء۔ اور الاشباہ والنظائر قسم رابع

میں بھی اسی طرح ہے، اور جب اداء لازم نہیں تو قضاء بھی لازم نہیں۔ منار میں ہے

القضاء یجب بما یجب بہ الاداء۔ نور الایضاح میں ہے سبب

القضاء ھو سبب الاداء و التفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔ اور بعض

فقہاء جو وجوب کے قائل ہیں وہ نیتِ قضاء کے قائل ہیں اور بعض ان کے کہتے ہیں

لاینوی القضاء۔

(۲، ۳) کے جواب یہ ہیں کہ جب پہنچیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسائل ضرور حل ہو جائیں

گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ

یجعل لکم فرقانا، اور فرمایا و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا

اور سنن دارمی طبع المدینۃ المنورہ ج ۱ ص ۴۷ میں بالاسناد ہے ان النبی صلی اللہ

علیہ وسلم سئل عن الامر یحدث لیس فی کتاب ولا سنۃ

فقال ینظر فیہ العابدون من المؤمنین۔ بلکہ جو چیز واقع نہ ہو اس

سے سوال کی ممانعت آئی ہے، دارمی کے اسی صفحہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر کا قول

ہے لا تسئل عما لم یکن فانی سمعت عمر بن الخطاب الخ

صفحہ چھیالیس کی حدیثِ مرفوع مسند میں ہے لا تعجلوا بالبلیۃ قبل نزولھا

فانکم ان لا تعجلوھا قبل نزولھا لا ینفک المسلمون وفیہم

اذا ھی نزلت من اذا قال وفق و سدد وانکم ان تعجلوھا تختلف

بکم الاھواء فتأخذوا ھکذا و ھکذا واشار بین یدیہ وعن

یمینہ وعن شمالہ۔ یعنی کسی حادثے کے اترنے سے پہلے جلدی نہ کرو کیونکہ

اگر اتنے سے پہلے جلدی نہ کروگے تو جب وہ حادثہ پیش آئے گا تو مسلمانوں میں
کوئی ایسا مل جائے گا جسے حق بتانے کی توفیق دی جائے گی اور حق پر قائم کیا جائے گا
اور اگر جلدی کروگے تو تم میں اختلاف پڑ جائے گا لہٰذا جواب لکھنے کی گنجائش نہیں ورنہ
بعض خادمانِ دین بفضلہ تعالیٰ جواب دے سکتے ہیں۔

۴۔ کا جواب یہ ہے کہ اگر بلا تعدی گم ہو جائے تو ضمانت نہیں پڑتی، فتاوٰے ہندیہ
ج ۳ ص ۷۸ ۴ میں ہے والعاریۃ امانۃ ان ھلکت من غیر تعد
لم یضمنھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم واٰلہ
واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ۳/۸/۷۴

الاستفتاء

مسمّی اللہ جوایا ولد جاگن حلفیہ بیان کرتا ہے کہ میرے لڑکے وریام نے رات
کو نماز تراویح ادا کی مگر رات کے پچھلے حصہ اسے زور سے قے آنی شروع ہو گئی اور کثرت
سے آئی تو لڑکا مذکور بہت کمزور ہو گیا اور کہنے لگا آج روزہ کی طاقت نہیں لہٰذا اس نے
صبح صادق سے پہلے ہی روزہ نہ رکھنے کی نیت کر لی اور کہا کہ قضائی دے لوں گا، اس

کا شرعی حکم کیا ہے۔

سائل: اللہ جوایا از موضع باقر کے مہار

نشان انگوٹھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال واقعی صحیح اور درست ہے تو لڑکے مذکور نے کوئی گناہ نہیں کیا بلکہ شرع شریف کی رخصت پر عمل کیا، قرآن کریم میں صاف طور پر بیمار کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت آگئی ہے جبکہ روزہ سے اسے ضرر ہوتا ہو کہ صحت ہونے پر قضائی دے لے، دوسرے پارہ رکوع ساتویں میں ہے فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر (ترجمہ) پس جو شخص بیمار ہو یا سفر میں تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے؛ تو اس لڑکے کو کوئی تکلیف نہ دی جائے کہ اس کا گناہ نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید بعمر نوجوان تندرست روزہ دار بوقت گیارہ بجے دن کے پانچ چار میل کے فاصلہ پر مزدوری جانا چاہتا ہے تو اس کے بغیر پوچھے کے چند عرفی مولوی یعنی قاضی جو کہ علمِ فتویٰ سے واقف ہی نہ تھے بلکہ عربی اور فارسی کی زبان سے ہی ناواقف تھے انہوں نے کہا کہ روزہ چھوڑ کر چلا جا، زید مذکور نے انکار کیا مگر انہوں نے بہت اصرار کیا، آخر زید نے روزہ چھوڑ دیا اور چلا گیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عند الشرع روزہ چھوڑنے اور چھڑانے والوں پر کیا حد و حکم عائد ہوتا ہے مفصل بیان فرماویں، بینوا توجروا۔

السائل: محمد نظام الدین طالب علم مدرسہ مصباح العلوم ہیر اسنگھ

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ بروز بدھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ائمہ اربعہ عظام اور جمہور ائمہ کرام کے مذاہبِ مبارکہ میں چار پانچ میل کا سفر مرخص صوم قطعاً نہیں بلکہ اڑتالیس ۴۸ میل سے کم کسی امام جمہوری کے نزدیک نہیں کما بینوہ فی الاسفار الدینیۃ بلکہ اگر بالفرض یہ سفر مرخص ہوتا بھی تب بھی اس دن کا روزہ اس پر لازم ہوتا کہ مسافر صبح صادق کے وقت اپنے شہر کے حدود میں ہو تو صوم لازم ہو جاتا

ہے و ذا مبین متوننا و شروحا و حواشی و فتاویٰ بلکہ بفرض غلط اگر اس دن افطار کی رخصت ہوتی بھی تب بھی یہ افطار زیر بحث ناجائز و حرام ہی ہوتا کہ یہ بوقتِ افطار سفر میں نہیں بلکہ ارادۂ سفر کر رہا ہے لہٰذا صورتِ مذکورہ میں قضا و کفارہ لازم ہے اگرچہ سفر شرعی ہوتا کہ مقیم افطار کے بعد سفر اختیاری یا مجبوری کرے تب بھی کفارہ لازم رہتا ہے۔ خلاصۃ الفتاوےٰ جلد اول ص ۲۵۷، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۶، شامی ج ۲ ص ۱۶۸ میں ہے و النظم للشامی لو اکل المقیم ثم سافر او سوفر بہ مکرھا لا تسقط الکفارۃ۔ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۷، مراقی الفلاح ص ۴۰۷ میں ہے و النظم من الخلاصۃ المقیم اذا نوی السفر ثم افطر یجب الکفارۃ۔ بحر الرائق میں ہے او افطر بعد اکراہ علی السفر قبل ان یخرج ثم عفی عنہ اور ایسے ہی اگر سفر شروع کر دے پھر راستہ میں یاد آئے کہ گھر میں کوئی چیز رہ گئی ہے تو لینے کے لئے واپس آئے اور افطار کر دے تب بھی کفارہ لازم ہوتا ہے۔ خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۳، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۶، مراقی الفلاح تحریر الطحطاوی علی المراقی تقریبًا ص ۴۰۷ میں ہے والنظم من البحر و فی فتاوی قاضیخان المسافر اذا تذکر شیئا قد نسیہ فی منزلہ فدخل فافطر ثم خرج قال علیہ الکفارۃ الی آخرہ۔ دور کیوں جائیں، قرآنِ کریم کی مسئلہ علیٰ سفر فرمایا نہ کہ اراد سفر اگر ارادے ہی رخصت ہو جاتی تو ثم اتموا الصیام الی اللیل کے لزومی حکم کی تعمیل نہایت ضروری رہی جس کی خلاف ورزی زید نے لوگوں کے روبرو علانیہ عمدًا محض جاہل ملاؤں کے دھوکے سے کی حالانکہ ضروریاتِ دین میں ایسے عذر مسموع نہیں تو کفارہ کے علاوہ وہ تعزیرِ شدید کا مستحق بھی ہے جو حکومت کا کام ہے کہ رمضان المبارک کی علانیہ بے حرمتی کرنے والا سزائے موت کا مستحق ہے۔ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۰، در المختار

ردالمحتار ج ۲ ص ۱۵۱، طحطاوی علی المراقی ص ۴۰۱ میں ہے والنظم من البحر و فی الفتاوی البزازیۃ من اکل نہار انی رمضان عیانا عمدا اشہرۃ یقتل لانہ دلیل الاستحلال اور منصب جلیل افتا بلکہ قضا پر اکراہ پر تسلط جماتے ہوئے ضلوا فاضلوا کا مصداق بننے والے خود سر ملاؤں کے لئے یہ سزا انسب و اوکد و احق ہے، حکومت کا فرض ہے کہ جرأت سے کام لیتے ہوئے ایسے مفتی مفتیوں اور مفتون قاضیوں کے منہ میں لگام دے کما صرح بہ الائمۃ الکرام قاطبۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

الاستفتاء

مکرمی جناب حضرت مولانا محمد نوراللہ صاحب السلام علیکم: مزاج گرامی

آج ایک مسئلہ کی پیچیدگی آپ کی خدمت میں کھینچ لائی ہے امید ہے کہ آپ مدد فرمائیں گے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین درمیان اس چیز کے کہ اگر انسان کو سفر درپیش ہو اور وہ روزہ رکھے تو گناہ ہے یا نہیں؟ ریڈیو پر اعتبار کرنا چاہیئے یا نہ؟ رمضان کے چاند کے متعلق جو خبر ریڈیو پر نشر کی جاتی ہے آیا وہ مستند ہے یا نہیں؟

جواب عنایت فرمادیں والسلام۔

(سائل) خادم اصغر علی زرگر بمقام کچا کھوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام :

۱۔ سفر کی حالت میں افطارِ صوم کی اجازت ہے اور جب روزہ ضرر نہ دے تو رکھنا فرض جائز ہی نہیں بلکہ افضل و بہتر ہے قرآنِ کریم میں ہے وان تصوموا خیر لکم، عند الاحناف حسب التحقیق یہ خطاب عام ہے اور احادیثِ کثیرہ شہیرہ سے بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہویدا ہے اور وہ بعض احادیث جن سے عدمِ جواز مستفاد ہوتا ہے عند التحقیق وہ اس حال پر محمول ہیں کہ روزہ سے مسافر کو سخت تکلیف ہوتی ہو ، ہدایہ میں ہے و ان کان مسافر لا یستضر بالصوم فصومہ افضل (الیٰ ان قال) و ما رواہ محمول علیٰ حالۃ الجھد اور ایسے ہی اگر روزہ مجاہد کو فرض جہاد سے روکے تو ممنوع ہوگا، احکام القرآن میں ہے و ذلک لان الجھاد کان فرضا علیھم و لم یکن فعل الصوم فی السفر فرضا فلم یکن جائز لھم ترک الفرض لاجل الفضل۔

بہر حال جب مسافر کو بوجہ سفر روزہ سخت تکلیف کا باعث بنے اور اسلامی جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بے طاقتی کا سبب بنے تو خاص کر ایسے عارضوں میں گناہ ہے ورنہ گناہ نہیں بلکہ خالص ثواب اور رکھنا ہی بہتر و افضل ہے کہ اصل یہی ہے۔

۲۔ اگر حکومتِ اسلامیہ کی طرف سے باقاعدہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت حاصل کر کے

اعلان کیا جاتا ہو تو اعلانِ ریڈیو بھی دوسرے اعلانوں کی طرح معتبر اور مستند ہے ماہِ رمضان المبارک کا چاند ہو یا عید الفطر یا عید الاضحیٰ کا، شہادت اور ہے اور اعلان اور ہے، ہم ریڈیو کی خبر کو شہادت نہیں کہتے اور نہ ہی کوئی عاقل اسے شہادت قرار دیتا ہے بلکہ یہ اعلان کا نیا طریقہ ہے حالانکہ ہر زمانہ میں اعلان کے ہر نئے طریقہ کو جائز ہی مانا گیا ہے، صرف زبانی اعلان نقارہ بجانے اور پھر توپ چلانے سے اعلان ہوتے رہے ہیں اور ان پر بلا انکار عمل ہوتا رہا ہے حالانکہ زبانی اعلان سے نقارہ کا اعلان دور تک پہنچتا ہے اور توپ کی آواز اور زیادہ دور تک پہنچتی ہے حالانکہ علماء فرماتے ہیں جو بھی یہ اعلان سنے خواہ غائب اور دور ہو اس پر عمل واجب ہے۔ منحۃ الخالق میں ہے کضرب المدافع فی زماننا و الظاہر وجوب العمل بہا علی من سمعہا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا بہر حال خبر ریڈیو بھی ایک شاہی اعلان ہے جو توپ اور نقارہ سے زیادہ واضح اور عیاں ہے اور توپ کی آواز سے بھی زیادہ دور تک پہنچتا ہے، پھر ہماری حکومت نے رؤیتِ ہلال کمیٹی مقرر کی ہوئی ہے جو شہادتیں لے کر چاند کا حکم لگاتی ہے اور ریڈیو پر اعلان کیا جاتا ہے تو حسب القواعد اس صورت میں یہ اعلان معتبر اور مستند ہے، اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں، کئی سالوں سے ہمارا تفصیلی فتوےٰ شائع ہو چکا ہے جس میں آیات و احادیث و کتبِ مذہبیہ سے جواز آفتاب کی طرح واضح و ہویدا کیا ہے، جو بفضلہ تعالیٰ آج تک لاجواب ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ   ۶ رمضان شریف ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

مخدومی و محترمی حضرت علامہ مولانا صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ:

۱۔ ایک شخص نے چند ماہ رمضان المبارک کے یکم تا تئیس عمداً روزے نہیں رکھے، باوجودیکہ عاقل و بالغ تھا اور چند ماہ مبارک میں کچھ روزے رکھے اور کچھ نہیں رکھے اور یہ سب کچھ عمداً ہوا اور بعض میں یوں بھی ہوا کہ روزہ کی نیت کر لینے کے بعد دن میں اس کو توڑ دیا، اب فرمائیے کہ کس صورت میں کفارہ ہوگا اور کس میں نہیں؟ سو جس صورت میں کفارہ لازم نہ آتا ہو اس روزے کی تلافی کی کیا صورت ہے؟

۲۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ ایک شخص نے جبکہ وہ بحالت بخار ٹائیفائڈ تھا۔ لڑنے جھگڑنے کے وقت ایسی حالت میں جبکہ واقعی مغلوب العقل تھا ایک مرتبہ لفظِ طلاق کہا پھر دوسری مرتبہ کہا جا اب تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں رہا، جو سامان لینا ہے لے اور چلی جا، مگر ان سب الفاظ کے کہتے وقت اس کو کوئی ہوش اور کوئی تمیز نفع و نقصان میں نہ تھی، چند لمحے بعد معاً ہی اس کو ہوش آگیا مگر یہ اس کو یاد ضرور ہے کہ اس قسم کے الفاظ میرے منہ سے نکلے ہیں، جب ہوش آیا تو فوراً پچھتایا اور اپنے الفاظ واپس لئے، بیوی کو راضی کیا حالانکہ کوئی دوسرا درمیان میں سمجھانے والا نہیں آیا تھا اور کچھ وقفہ بھی نہیں گزرا تھا۔

یہ ہے دوسرے سوال کی صورت!

بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ جن دنوں کے روزے عمداً نہیں رکھے یا رکھے مگر رات میں نیت نہ کی بلکہ نصف النہار سے پہلے نیت کرنے کے بعد توڑ دیئے یا رات سے نیت کر کے رکھا مگر شرعی مسافر بننے کے بعد توڑ دیا یا توڑنے کے بعد اکراہاً مسافر بنایا گیا یا قے ہوئی اور بعد ازاں قصداً کھا پی لیا یا نسیاناً کھایا پیا اور پھر قصداً کھا پی لیا تو ان سب صورتوں میں کفارہ لازم نہیں البتہ قضا ضروری ہے اور اگر رات کی نیت سے رکھا ہوا روزہ توڑا اور عوارضِ مذکورہ یا ان کے مماثل سے کوئی عارضہ بھی پیش نہ آیا تو ایسی صورت میں کفارہ لازم ہے ہدایہ ج۱ ص۲۰۴ میں ہے ومن لم ینو فی رمضان کله لا صوما ولا فطرا فعلیه قضاؤه نیز اسی میں ہے ومن اصبح غیر ناو للصوم فاکل لا کفارۃ علیه۔ فتاویٰ ہندیہ ج۱ ص۱۰۵ میں ہے واذا اصبح غیر ناو للصوم ثم نوی قبل الزوال ثم اکل فلا کفارۃ علیه کذا فی الکشف الکبیر والصحیح اذا افطر ثم مرض مرضا لا یستطیع معه الصوم تسقط الکفارۃ عندنا کذا فی فتاویٰ قاضیخان وهو الاصح هکذا فی الظهیریة فالاصل عندنا انه اذا صار فی اٰخر النهار علی صفة لو کان علیها فی اول الیوم یباح له الفطر تسقط عنه الکفارۃ کذا فی فتاویٰ قاضیخان نیز اسی صفحہ میں اس سے پہلے ہے لو اکل او شرب او جامع ناسیا وظن ان ذلک فطره فاکل متعمدا لا کفارۃ علیه الی اٰخره نیز ہندیہ ص۱۰۶ میں ہے لو سافر نهارا لا یباح له الفطر فی ذلک الیوم

وان افطر لا کفارة علیہ۔ در المختار، طحطاوی ج ۱ ص ۴۵۸، شامی ص ۱۰۵ میں ہے
والنظم من الدر انما یکفر ان نوی لیلا و لم یکن مکرھا و لم یطرأ
مسقط الخ

باقی مسئلہ تداخل کفارات جس کے متعلق پہلے استفتاء میں سوال تھا تو اس کے
متعلق عطرِ تحقیق یہ ہے کہ اگر ایک رمضان کے روزے فاسد کئے ہیں تو جبکہ پہلے
یا پہلوں کا کفارہ ادا کرنے کے بعد توڑا ہے تو تداخل نہیں ہوگا اور سب فاسد شدہ
کے فساد کے بعد کفارہ دیتا ہے تو تداخل ہو جائے گا اور اگر دو یا چند ماہوں کے روزے
ہیں اور بعض کا کفارہ ادا کرنے کے بعد دوسرا توڑا تو دوسرے کا کفارہ نہیں ہوا ہاں اگر
سب فاسد شدہ کے فساد کے بعد کفارہ دیتا ہے تو اگر فساد بالجماع ہے تو تداخل
نہیں ہوگا ورنہ ہو جائے گا۔ در المختار اور شامی ج ۲ ص ۱۵۱ اور طحطاوی کے اسی صفحہ
میں ہے والنظم من الدر ولو تکرر فطرہ ولم یکفر للاول یکفیہ
واحدة ولو فی رمضانین عند محمد وعلیہ الاعتماد بزازیہ
مجتبیٰ وغیرھما واختار بعضھم للفتوی ان الفطر بغیر الجماع تداخل
والا لا انتہیٰ ویظھر من ھٰذہ بعد التامل ما قلت ظھورا بینا۔

۲۔ اس صورت میں کوئی ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوتی کیونکہ مجنون ومعتوہ ومدہوش
وغیرہ میں یہ شرط نہیں کہ اس کو کوئی بات یاد ہی نہ رہے اور نہ ہی یہ شرط ہے کہ بعد میں
ہوش نہ آئے اور نہ کچھ کئے اور یونہی سمجھانے والے کا آنا یا کچھ وقفہ ہونا بھی شرط نہیں
شامی ج ۲ ص ۵۸۰ میں ہے والذی یظھر لی ان کلا من المدھوش و
الغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ
بغلبة الھذیان الخ نیز اسی میں ہے ان بعض المجانین یعرف ما یقول
ویریدہ ویذکر ما یشھد الجاھل بہ بانہ عاقل ثم یظھر

سے فی مجلس ما ینافیہ فاذا کان المجنون حقیقۃ قد یعرف ما یقول و یقصدہ فغیرہ بالاولیٰ الخ اور یہ تو روزِ روشن سے بھی روشن ہے کہ یہ جواب اسی صورت کا ہے، اگر واقع میں وہ شخص ایسا نہیں تھا تو طلاق ضرور واقع ہوگئی اور واقع بھی بائن ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المفتقر الی اللہ محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ صفر المظفر ۱۴۰۳ھ

الاستفتاء

مکرمی و محترمی مولوی صاحب

السلام علیکم، عرض یہ ہے،

ایک لڑکا جس کی عمر ۱۹ سال ہے اس نے ایک بھینس سے روزہ سے زنا کیا ہے، اس قسم کے ناجائز کام کرنے کے بارے میں بھی کئی آدمی اس لڑکے مذکور کے بارے میں پہلے بھی الزام لگاتے ہیں، اس دفعہ دو آدمی جنہوں نے دیکھا ہے رو برو پنچائت شہادت دیتے ہیں لھذا آپ بروئے شرعی حکم اپنا فیصلہ فرمادیں کہ بھینس اور لڑکے کو شرع محمدی کیا فیصلہ فرماتی ہے۔

عرضے: ممبران پنچائت موضع مہروک کلاں تحصیل دیپالپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :

اگر یہ فعلِ بد دو قابلِ اعتبار، دیندار مردوں کی شہادت یا اس انیس [19] سال لڑکے کے اقرار سے ثابت ہو جائے اور وہ لڑکا ہو بھی عاقل و دانا تو روزے کا کفارہ پڑے گا یعنی بعد رمضان لگاتار پورے دو ماہ روزے رکھے اور قضائی کا روزہ الگ رکھے اور اگر اتنے روزے نہ رکھ سکے تو قضائی کا ایک روزہ رکھ لے اور ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے۔ باقی اس بھینس کے متعلق یہ جواب ہے کہ اس کی منصفانہ قیمت اس لڑکے سے وصول کی جائے اور اس کو ذبح کر کے جلا دیا جائے اور کوئی کھانے وغیرہ کا نفع نہ اٹھایا جائے اور اس لڑکے کو قانون کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے کچھ زد و کوب کریں کہ آئندہ ایسے برے فعل کے نزدیک نہ جائے (در المختار وغیرہ) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

محررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ

بروز جمعرات ۱-۳-۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ روزہ دار شخص ٹیکہ چیچک یا بخار یا ہیضہ وغیرہ کا بحالتِ روزہ کرا سکتا ہے یا نہیں؟ ٹیکہ کرانے سے روزہ فاسد ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو صرف قضا لازم ہوگی یا قضا و کفارہ ہر دو، براہینِ قاطعہ و دلائلِ ساطعہ سے مسئلہ کو واضح فرمایا جائے، بینوا توجروا۔

المستفتی بندہ غلام رسول غفرلہ از حویلی لکھا ۱۰ / رمضان المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ اگر مریض ہے اور غروبِ شمس کا انتظار کرے تو ہلاک جان یا فسادِ عضو یا زیادتی مرض یا درازی کا علامتِ صادقہ یا تجربۂ صحیح یا طبیب و ڈاکٹر مسلمان غیر ظاہر الفسق کی خبر سے گمان غالب ہو جائے تو ٹیکہ کرا سکتا ہے کہ یہ عذر افطار ہیں اور ایسے ہی اگر تندرست کو ظنِ غالب ہو جائے کہ فوری ٹیکہ نہ کرائے تو بیمار ہو جائے گا، فتاویٰ عالمگیر وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں مصرح ہے والنظم من الھندیۃ ج۱ ص ۱۰۶ المریض اذا خاف علی نفسہ التلف او ذھاب عضو یفطر بالاجماع وان خاف زیادۃ العلۃ وامتدادہ فکذلک عندنا وعلیہ القضاء اذا افطر کذا فی المحیط الخ اگر کوئی خطرہ نہ ہو اور عدمِ افطار بھی ثابت ہو جائے تو روا، ورنہ نہیں۔

۲۔ اگر بدن کے کسی منفذ و مسلک سے بذریعہ ٹیکہ جوف یا دماغ میں دوائی پہنچ جاتی

ہے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر مسامات سے سرایت کرتی ہے تو نہیں اگرچہ ذائقہ یا اندرون جوف و دماغ میں اثر پایا جائے۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، عنایہ ج ۲ ص ۲۶۶، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، فتاوی عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، شامی ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے والمفطر انما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه انه لا یفطر و بمعناه فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳ والہندیہ ج ۱ ص ۱۰۴ و مراقی الفلاح شرح نور الایضاح و حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص ۳۹۸ اور بحر و ہندیہ، شامی، حاشیہ طحطاوی کے انہی صفحات میں ہے والنظم للطحطاوی والداخل من المسام لا ینافیہ ای الصوم۔ بحر و شامی و ہندیہ میں ہے والنظم منها لو أقطر شیئا من الدواء فی عینه لا یفسد صومه عندنا وان وجد طعمه فی حلقه واذا بزق فرأى اثر الکحل و لونه فی بزاقه عامة المشائخ على انه لا یفسد صومه کذا فی الذخیرة وهو الاصح هکذا فی التبیین اور چونکہ وصول من المنفذ او المسام تشریح البدن اور طب کا مسئلہ ہے لہٰذا اس کا حل ماہرین الطباء و ڈاکٹروں کے حوالہ کیا جاتا ہے اور بربنائے اختلاف علماء ہے کہ جس صاحب نے وصول من المنفذ سمجھا مفسد فرمایا اور جس نے وصول من المسام خیال کیا مفسد قرار دیا اس کی نظیر فقہی ہمارے ائمہ کرام کا اختلاف واصل الی المثانہ کے مفسد اور غیر مفسد ہونے میں ہے کہ عند امامنا الاعظم مفسد نہیں کہ جوف و مثانہ کے درمیان مسام ہیں اور منفذ نہیں اور امام ابو یوسف کے نزدیک مفسد ہے کہ منفذ ہے و قول محمد مضطرب علیهم الرحمۃ۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، مراقی الفلاح ص ۳۹۹، شامی ج ۲ ص ۱۳۷ میں ہے والنظم للشامی والاختلاف مبنی علی انه هل بین المثانة والجوف منفذ اولا۔ کفایہ ج ۲ ص ۲۶۷، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹ میں ہے والنظم من البحر قال فی الهدایة وهذا لیس من باب الفقه لانه

متعلق بالطب، حاشیہ طحطاوی میں ہے (قولہ کذا تقولہ الاطباء) انما اسندہ الیھم لان ھذا المقام یرجع الیھم فیہ لکونہ من علم التشریح۔

۳۔ اگر مفسد ہونا ثابت ہو جائے تو صرف قضاء لازم ہوگی کہ اس صورت میں یہ مسئلہ جائفہ و آمہ کی نظیر ہوگا جس میں دوائی جوف یا دماغ میں پہنچ گئی ہو اور اس میں صرف قضاء لازم ہوتی ہے چنانچہ کنز الدقائق، بحر الرائق، در المختار، رد المحتار، عالمگیری، نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی وغیرہا متون و شروح و حواشی و فتاویٰ مذہب مہذب حنفیہ میں مصرح و مشرح ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وحزبہ قدر حسنہ وجمالہ وکمالہ ونوالہ وحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر الی الکریم محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۱ء

جائفہ وہ زخم جو جوف تک پہنچا ہو ۱۲ آمہ وہ زخم جو ام الدماغ تک پہنچ چکا ہو ۱۲

روزہ اور ٹیکہ

رسالہ روزہ و ٹیکہ

الاستفتاء

انجکشن روزہ کی حالت میں لگوانے کے متعلق یہاں ہلڑ مچا ہوا ہے، اگر حضور کرم فرماویں تو مختصر مگر جامع طور پر استدلالات سے مبرہن فتویٰ صادر فرماویں تو باعثِ تسکین ہوگا۔

السائل: حضرت مولانا مفتی ابوالیسر محمد اسماعیل صاحب خطیب جامع مسجد ٹیکسٹائل ملز بورے والہ

(ایک خط کے ضمن میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی یرید بنا الیسر ولا یرید بنا العسر والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ محمد الذی بعثہ بالتیسیر والتبشیر وعلیٰ الہ و اصحابہ اولی التبصیر غیر تعسیر و تنفیر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہر ایک ٹیکہ مفسدِ روزہ نہیں کہ اشیائے مستعملہ میں سے صرف اکل و شرب اور

جماع ہی سے روزہ ٹوٹ سکتا ہے کیونکہ ان کے استعمال سے رکنِ روزہ (الامساک عن الاکل والشرب والجماع) فوت ہوجاتا ہے حالانکہ ہر چیز اپنے رکن کے فوت ہوجانے سے فوت ہوجاتی ہے۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۰ میں قرآنِ کریم سے یہ رکن روزہ ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں وعلیٰ ھٰذا الاصل یبتنی بیان مایفسد الصوم وینقضہ لان انتقاض الشیئ عند فوات رکنہ امر ضروری وذلک بالاکل والشرب والجماع اور چونکہ کوئی ٹیکہ جماع نہیں تو لامحالہ اگر مفسد ہو تو اکل وشرب کا فرد بن کر ہی مفسد ہوگا حالانکہ کوئی عام ٹیکہ یقیناً اکل وشرب بھی نہیں تو مفسد بھی نہیں، ٹیکہ کا حقیقی اکل وشرب (صورتً کاملہ اور معنی کے لحاظ سے) نہ ہونا تو روزِ روشن سے بھی روشن ہے۔ فقہائے کرام کے نزدیک اکل وشرب ایصال ما یقصد بہ التغذی او التداوی الی الجوف عن الفم (منہ کے راستہ پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچانا جس سے کھانا یا پینا یا دوا کرنا مقصود ہو) ہے (بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۸، شامی ج ۲ ص ۱۴۸) اور چونکہ ٹیکہ میں منہ والا اصلی راستہ استعمال نہیں ہوتا بلکہ سوئی کے مصنوعی راستہ سے ایصال ہوتا ہے اور وہ بھی پیٹ تک نہیں بلکہ جسم کے کسی بالائی یا زیریں حصہ میں، تو واضح ہوا کہ ٹیکہ حقیقی اکل و

سه یہ امکان، نظر بہ استحسان ہے ۱۲ منہ غفرلہ

سه کھانے پینے اور جماع سے باز رہنا ۱۲

للعه قال اللہ تعالیٰ فالئٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم امر تعالیٰ بالامساک عن ھٰذہ الاشیاء فی النہار بقولہ عز وجل ثم اتموا الصیام الی اللیل فدل ان رکن الصوم ما قلنا اھ بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۰ ومثلہ فی الفتوحات المکیۃ ج ۱ ص ۶۰۸ واحکام القرآن لابی بکر الجصاص ج ۱ ص ۲۳۳ ۱۲ منہ غفرلہ

شرب قطعاً نہیں اور یونہی صرف صورۃً بھی اکل و شرب نہیں کہ اکل و شرب کی صورت ہے "الابتلاع" (الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۷۱، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۶، شامی ج ۲ ص ۱۴۸، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۴ وغیرہا یعنی منہ سے کسی چیز کو پیٹ تک پہنچانا (نگلنا) اور ایک تفسیر صورتِ اکل و شرب کی یہ بھی ہے الادخال بصنعہ (چیز کو اپنے فعل سے پیٹ میں داخل کرنا) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷ مستدلاً بقول الامام قاضیخان و الصحیح هو الفساد لانہ موصل الی الجوف بفعلہ اور عنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۶۰ میں ہے ایصال الشیی الی باطنہ تو عام ٹیکہ جو جسم کے بالائی یا زیریں حصوں میں کیا جاتا ہے اس میں یہ صورتِ اکل و شرب دونوں طرح ہی نہیں پائی جاتی کہ سوئی پیٹ سے بہت دور دوائی ڈالتی ہے اور یونہی ایسا ٹیکہ معنیً بھی اکل و شرب نہیں کہ اکل و شرب کا معنیٰ ہے وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف (پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں بدن کا فائدہ ہو) (ہدایہ، فتح القدیر ج ۲، ص ۲۶۶، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۱، شامی ج ۲ ص ۱۴۸) تو عام ٹیکوں میں یہ معنی بھی قطعاً نہیں پایا جاتا کہ وہ واصل الی الجوف نہیں ہوتے لہذا ایسے ٹیکے حقیقت یا صورت یا معنی کسی لحاظ سے بھی مفسدِ صوم نہیں البتہ اگر کوئی ٹیکہ "جوف" میں کیا جائے یعنی سوئی جوف تک پہنچا کر دوائی جوف میں ڈالی جائے تو ایسا ٹیکہ ضرور مفسدِ صوم ہوگا، اس صورت میں گو حقیقت یا صورتِ[^1] اکل و شرب نہیں مگر معنی (وصول ما فیہ صلاح البدن الی الجوف) ضرور پایا جاتا ہے اور یونہی جوف تک پہنچنے والے کسی اصلی راستے (حلق، کان، ناک، مبرز، مبال المرأۃ) کے اندرونی حصہ میں یا دماغ میں حسبِ دستور سوئی کے خودساختہ[^2] راستہ سے دوائی پہنچانا بھی مفسد ہے کیونکہ دماغ اور اصلی راستوں کے

---

[^1]: یعنی صورتِ کاملہ نہیں ہاں اگر خود کرے یا اپنے اختیار سے کرائے تو صورت ناقصہ پائی جائیگی ۱۲ منہ غفرلہ

[^2]: کہ ٹیکہ ہونا ہی یوں ہے خود ساختہ راستہ سے ہاں کبھی سوئی کے بجائے نشتر ہوتی ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اندرونی حصے بھی جوف ہی کے حکم میں ہیں اس لئے کہ ان راستوں کے خلاء، خلاء پیٹ سے ملے ہوئے ہیں اور دماغ وجوف کے مابین بھی چونکہ قدرتی راستہ ہے تو جو چیز دماغ میں پہنچے وہ جوف میں پہنچ جاتی ہے لہذا دماغ اور اصلی راستوں کے اندرونی حصے جوف کے کونوں کی طرح ہیں، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، طحطاوی علی الدر ج اص ۴۴۵ طحطاوی علی المراقی ص ۴۰۶، شامی ج ۲ ص ۱۴۰ میں ہے والنظم لہ والتحقیق ان بین جوف الرأس وجوف المعدۃ منفذا اصلیا فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۳ میں ہے وکذا اذا وصل الی الدماغ لانہ لہ منفذ الی الجوف فکان بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف (اقول ولما کان وجود المنفذ الاصلی بین الجوف والدماغ یجعل الدماغ بمنزلۃ زاویۃ من زوایا الجوف فکون المنفذ الاصلی کذا اولی فھذا) لہذا کان یا ناک میں تیل وغیرہ ڈالنے اور حقنہ کرنے یا عورت کے اگلے راستے میں دوائی وغیرہ ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے کما

ے لہذا فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳۴ میں تعریف صوم میں فرمایا وعن ادخال شیئ بطنا لہ حکم الباطن یعنی جسم کے کسی ایسے اندرونی حصے میں جس کو اس خاص باطن (معدہ) کا حکم ہو اس میں کسی چیز کے داخل کرنے سے بچنا تو یہ تنکیر بطنا اور بعیرہ صفت لہ حکم الباطن ظاہر کر رہے ہیں کہ دماغ اور قدرتی راستوں کے اندرونی حصے کا اندرون حکم معدہ میں ہے اور نور الایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے بطنا من الفم او الانف او من جراحۃ فی الباطن تسمی الجائفۃ او ادخلہ فی ما لہ حکم الباطن وھو الدماغ کدواء الآمۃ۔ اور طحطاوی علی المراقی میں یہ زیادہ کیا ادخلہ فی دبرہ او اقطرہ فی احلیلہ او اذنہ، ص ۳۸۲۔ اقول ذکر الاقطار فی الاحلیل اتی علی قول ابی یوسف علیہ الرحمۃ علی وجہ کما لا یخفی علی الفطن اللقن ۱۲ منہ عفی لہ

صرح بہ فی الکتب المعتمدۃ الکثیرۃ مثلاً ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۰، کنز الدقائق ص ۷۰، قدوری ص ۵۲، وقایہ مع الشرح ص ۳۱۱، فتاوےٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴ میں ہے و النظم من الہندیۃ ومن احتقن او استعط او اقطر فی اذنہ دھنا افطر ولا کفارۃ علیہ۔ نیز فتاویٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے والنظم منہا و فی الاقطار فی اقبال النساء یفسد بلاخلاف وھو الصحیح ھکذا فی الظہیریۃ۔

بہرحال صرف ایسا ٹیکہ ہی حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مفسدِ صوم ہے اور کوئی اور ٹیکہ مفسدِ صوم نہیں اور اس تفصیل کا نہایت ہی واضح جزئیہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ کتبِ کثیرہ فقہیہ میں موجود ہے۔ قدوری ص ۵۲، الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۷۴، کنز الدقائق ص ۷۰، عینی علی الکنز ص ۷۰، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، وقایہ شرح الوقایہ ج ۱ ص ۳۱۱، ہدایہ، عنایہ، کفایہ ج ۲ ص ۲۶۶، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، تنویر الابصار، در المختار، تحریر المختار للشامی ج ۲ ص ۱۰۴، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۳، نور الایضاح، مراقی الفلاح حاشیہ طحطاوی ص ۳۰۶، ملتقی الابحر ج ۱ ص ۱۴۱، درر ج ۱ ص ۲۰۳، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۳، فتاویٰ سراجیہ ص ۲۹، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۳، فتاوی عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۶۸ وغیرہا میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم من الکنز داوی جائفۃ او آمۃ بدواء و وصل الدواء الی جوفہ او دماغہ افطر یعنی جائفہ یا آمہ میں کوئی دوائی ڈالی اور وہ جوف یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ فاسد ہو گیا۔

جائفہ اس زخم کا نام ہے جو جوف تک گہرا ہو اور آمہ اس زخم کا نام ہے جو دماغ تک ہو کما صرح بہ فی کثیر الکتب[ؐ] المذکورۃ وغیرہا تو جائفہ

[ؐ] مبسوط وغیرہ میں ہے الجائفۃ اسم لجراحۃ وصلت الی الجوف والآمۃ اسم لجراحۃ وصلت الی الدماغ ۱۲ منہ غفرلہ

اور آمہ جوف و دماغ تک اصلی اور پیدائشی راستے نہیں بلکہ عارضی ہیں جو کبھی قدرتی طور پر پھوڑے وغیرہ سے بن جاتے ہیں اور کبھی مصنوعی اور ان میں سے دوائی جب جوف یا دماغ میں پہنچ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ یہ اس جزئیہ مذکورہ کا مضمون اور صریح مفاد ہے اور یہی صورت ہوتی ہے ان ٹیکوں میں جو جوف یا دماغ میں کئے جائیں کہ سوئی سے عارضی اور مصنوعی راستہ بن جاتا ہے اور اس میں سے دوائی جوف و دماغ تک پہنچ جاتی ہے، پھر اس جزئیہ سے باعتبار المفہوم المعتبر فی التصانیف معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسے زخم سے دوائی جوف و دماغ میں نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور یہ صرف مفہوم ہی نہیں بلکہ مشائخ کرام نے اس کی تصریح بھی فرمائی ہے کہ ایسے زخموں میں دوائی ڈالنے کی صورت میں اعتبار وصول الی الجوف او الدماغ کا ہی ہے یعنی اگر ایسے زخموں سے دوائی جوف و دماغ میں یقیناً پہنچ جائے یا غالب گمان ہو تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اگر نہ پہنچے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا تبیین الحقائق، بحر الرائق، عینی علی الکنز، فتح القدیر، نہایہ، کفایہ، جوہرہ نیرہ، سراجیہ، طحطاوی علی الدر، مبسوط، شامی کے انہی صفحات میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لہ فالمعتبر حقیقۃ الوصول حتی لو علم وصول الیابس افسد او عدم

سے احکام القرآن ج۱ ص ۲۲۵ میں ہے سواء کان وصولہ من مجری الطعام والشراب او من مخارق البدن التی ھی خلقۃ فی بنیۃ الانسان او من غیرھا لان المعنی فی الجمیع وصولہ الی الجوف واستقرارہ فیہ الخ بدائع صنائع ج۲ ص ۹۳ میں ہے و ما وصل الی الجوف او الی الدماغ من المخارق الاصلیۃ (الی ان قال) واما ما وصل الی الجوف او الی الدماغ عن غیر المخارق الاصلیۃ بان داوی الجائفۃ او الآمۃ الخ کفایہ علی الہدایہ ج۲ ص ۲۶۶ میں ہے و ما وصل الی الجوف او الی الدماغ من غیر المخارق المعتادۃ نحو ان یصل من جراحۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہٗ

وصول الطری لم یفسد۔ اور یونہی حاشیۃ الدرر ج ۱ ص ۲۰۳ میں بھی ہے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ ظنِ غالب یقین کے حکم میں ہے کما صرح بہ فی الشامی وغیرہ۔

بہرحال روزِ روشن کی طرح اس جزئیہ سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ ایسے عام ٹیکے جن میں دوائی جوف و دماغ تک بذریعہ سوئی نہیں جاتی بلکہ سوئی رہتی ہی جوف سے بالائی یا زیریں حصوں میں ہے، روزہ فاسد نہیں کرتے کما مر اولا ایضا کہ اس صورت میں تو جوف و دماغ تک عارضی راستہ بنتا ہی نہیں تو دوائی پہنچنے کا کوئی احتمال ہی نہیں حالانکہ عارضی راستہ اگر جوف و دماغ تک بھی ہو تو تب بھی دوائی کے جوف و دماغ میں پہنچنے سے ہی روزہ فاسد ہوتا ہے فاتضح الحق و حصحص۔

نیز ان تصریحاتِ جلیلہ سے جو اول فتویٰ سے یہاں تک مذکور ہوئیں نہایت ہی وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جوف یا باطن سے جو عباراتِ ائمۂ کرام میں مذکور ہے، مراد اندرونِ معدہ ہے اور یہ نہیں کہ جسم کا ہر اندرونی حصہ مراد ہو اگرچہ معدہ سے دور ہی ہو جیسا کہ آج کل کے بعض لوگوں کا زعم ہے اور اسی زعم کی بنا پر وہ بیچارے دعویٰ کر بیٹھے کہ ہر ٹیکہ مفسد ہے، وہ کہتے ہیں کہ سوئی جسم میں داخل کر کے ہی دوائی ڈالی جاتی ہے اور داخلِ جسم کا نام جوف یا باطن ہے لہٰذا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ ان کا یہ زعم بالکل غلط ہے۔ اگر جوف و باطن سے مراد یہ ہو تو جائفہ و آمہ کی تخصیص بالکل بے معنی ہو جاتی ہے کیونکہ ہر زخم ہی جسم میں ہوتا ہے، کوئی زیادہ گہرا اور کوئی کم، نیز جائفہ اور آمہ میں دوائی ڈال لینے کی صورت میں وصول الی الجوف او الدماغ کی قید بھی بالکل مہمل ہو جاتی ہے کہ جب ہر اندرونی حصہ جوف بنا تو جو دوائی بھی کسی زخم میں ڈالی جائے وہ اندرونِ جسم میں ضرور داخل ہو جاتی ہے تو عدمِ وصول کا کوئی احتمال

ہی نہیں رہتا نیز جب جوف کا معنی اندرونِ جسم کرلیا حالانکہ دماغ بھی اندرونِ جسم ہی ہے تو ہر زخم ہی جائفہ ہوتا تو "او امۃ" کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر شامی اور طحطاوی سے تصریح بھی گزر چکی جس سے واضح ہوتا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے نیز اول فتویٰ میں گزر چکا کہ رکن روزہ ہے ہی اکل و شرب و جماع سے بچنا جو قرآنِ کریم سے ہی ثابت ہے تو یہ مدعی صاحب ہی فرمائیں کہ اکل و شرب میں ماکول و مشروب جسم کے کس حصے میں پہنچائے جاتے ہیں معدہ میں یا معدہ سے باہر گوشت میں؟ اور جب ٹیکہ جماع کے ماتحت ہے ہی نہیں تو اگر مفسد ہو تو اکل و شرب بن کر ہی مفسد بنے گا تو اس کے لئے بھی جوف وہی ہونا چاہئے جو اکل و شرب کے لئے ہوتا ہے اور جیسے اکل و شرب حقیقی ہو یا صوری یا معنوی سب اسی وقت مفسد بنتے ہیں جب کہ معدہ میں وارد ہوں یا معدہ کے اصلی کسی راستہ میں یا دماغ میں تو ٹیکہ بھی اکل و شرب کا فرد بن کر اسی جگہ وارد ہو کہ مفسد ہو سکتا ہے نہ کہ دور رہ کر ہر چند یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ اس جوف سے مراد معدہ ہی ہے اور جسم کا ہر اندرونی حصہ من اللحم وغیرہ مراد نہیں مگر پھر بھی مزید وضاحت کے لئے وہ جزئیہ صریحہ ذکر کیا جاتا ہے جو نور الایضاح، مراقی الفلاح، طحطاوی علی المراقی ص ۲۹۹، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۵، خلاصۃ الفتاوے ج ۱ ص ۲۵۳، جوہرہ نیرہ ج ۱ ص ۱۷۴، فتاوے قاضیخان ج ۱ ص ۱۰۰، فتاوے عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۳۰، در المختار، شامی ج ۲ ص ۱۳۳، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۲، احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۵ میں بالفاظ متقارب ہے کہ احلیل (مرد کی پیشاب کی نالی) سے مثانہ میں کوئی چیز (تیل وغیرہ) داخل

کی جائے تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک روزہ فاسد نہیں ہوتا اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور اس اختلاف کی بناء اس پر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مثانہ اور جوف کے درمیان منفذ (راستہ) نہیں ہے تو جو چیز مثانہ میں داخل کی گئی وہ جوف میں داخل نہ ہوئی لہٰذا مفسدِ روزہ نہیں اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک راستہ ہے تو مثانہ میں چیز کا داخل ہونا جوف میں داخل ہونا بن گیا۔ شامیؒ کے لفظ یہ ہیں و الاختلاف مبنی علی انہ ھل بین المثانۃ والجوف منفذ اولا نیز فرماتے ہیں ان العلۃ من الجانبین الوصول الی الجوف وعدمہ۔ تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ اختلاف بڑی صاف دلیل ہے کہ ان حضرات کی نظر میں خود مثانہ جوف نہیں حالانکہ مثانہ ہے ہی اندرونِ جسم میں اور اس کی گہرائی عام ٹیکوں سے کئی گنا زائد ہے تو معلوم ہوا کہ وہ جوف یا باطن بمعنی اندرونِ جسم نہیں ورنہ مثانہ ضرور جوف بنتا اور یہ بھی واضح ہوا کہ ہمارے سب ائمہ کرام کے نزدیک بالاتفاق وہ چیز جو جسم کی گہرائی میں داخل کی جائے، مفسد نہیں بن سکتی جب تک کہ اس گہرائی سے جوف یا دماغ

سہ ہدایہ میں ہے وقول محمد علیہ الرحمۃ مضطرب فیہ۔ عنایہ شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۶۷ میں ہے وانما توقف محمد لانہ شك فی وجود المنفذ من الاحلیل الی الجوف درالمختار میں ہے وان وصل الی المثانۃ علی المذہب۔ شامی ج ۱ ص ۱۳۷ میں ہے قولہ علی المذہب ای قول ابی حنیفۃ ومحمد معہ فی الاظہر، زیلعی ج ۱ ص ۳۳۰ میں ہے ومحمد توقف فیہ وقیل ھو مع ابی یوسف والاظہر انہ مع ابی حنیفۃ علیہم الرحمۃ ۱۲ ھ طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں لانہ لیس بین المثانۃ والجوف منفذ ووصول البول من المعدۃ الی المثانۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہ

تک اصل راستہ نہ ہو، پھر یہ عام ٹیکے دجو مثانہ سے کئی گنا کم گہرائی تک ہی ہوتے ہیں
اور وہ بھی مصنوعی راستہ سے) کس طرح مفسد بن سکتے ہیں جبکہ مثانہ میں بیرون جسم
سے اصلی راستہ کے ذریعہ تیل وغیرہ کا پہنچنا مفسد نہیں کیونکہ مثانہ ومعدہ کے
درمیان مسامات کے علاوہ قدرتی راستہ نہیں ہاں حقیقۃ یوں ہوتا تو بالاتفاق مفسد ہے

فائدہ ۵

اصلی اور مصنوعی راستوں کا فطری فرق تو واضح ہے ہی مگر شرعاً بھی حسب تصریحات
ائمہ کرام کافی فرق ہے، وہ یہ کہ اصلی راستہ کے صرف اندر ہی چیز کا بالاستقرار پہنچ جانا
مفسد ہے کیونکہ یہ حکماً جوف تک پہنچنا ہی ہے مگر مصنوعی راستہ میں یوں نہیں بلکہ
جب تک یقین یا ظنِ غالب نہ ہو جائے کہ چیز خود جوف یا دماغ تک پہنچ گئی ہے
اس وقت تک روزہ فاسد نہیں ہوتا کما تبین من مسئلۃ الجائفۃ و
الآمۃ وغیرھا بلکہ کئی جلیل القدر اہلِ تحقیق مشائخِ عظام تو فرماتے ہیں کہ حضرت امام
ابو یوسف و امام محمد علیہما الرحمۃ کے نزدیک مصنوعی راستہ سے چیز کا جسم میں داخل کرنا
مفسد ہے ہی نہیں اگرچہ جوف میں بھی پہنچ جائے۔ احکام القرآن ج ۱ ص ۲۲۵، عینی علی
الکنز ص ۷۰، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۱، مبسوط امام سرخسی ج ۳ ص ۶۸ میں بالفاظ متقاربہ ہے
والنظم من المبسوط فھما ای الصاحبان یعتبران الوصول الی
الباطن من مسلک ھو خلقۃ فی البدن لان المفسد للصوم ما
ینعدم بہ الامساک المامور بہ وانما یؤمر بالامساک لاجل الصوم من
مسلک ھو خلقۃ دون الجراحۃ العارضۃ الخ نیز احکام القرآن ج ۱ کے ص ۲۲۳
میں ہے واختلفوا فیما وصل الی الجوف من جراحۃ جائفۃ او آمۃ فقال
ابو حنیفۃ والشافعی علیہ القضاء وقال ابو یوسف ومحمد لا قضاء علیہ
وھو قول الحسن بن صالح تو اس قول کی بنا پر کوئی بھی ٹیکہ مفسد نہیں اگرچہ سوئی جوف

یا دماغ میں داخل کرکے کیا جائے چہ جائیکہ سوئی جوف یا دماغ سے ہوہی دور، اور کچھ مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ صاحبین کے نزدیک چونکہ مصنوعی راستہ سے جوف میں داخل ہونا مشکوک رہتا ہے اور یقین نہیں ہوتا لہذا مفسد نہیں، بدائع ج ۲ ص ۹۳، ہدایہ ج ۱ ص ۲۰۰، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۶۷، ہندیہ ج ۱ ص ۱۰۶ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من البدائع و عندهما لا يفسد هما اعتبرا المخارق الاصلية لان الوصول الى الجوف من المخارق الاصلية متيقن به و من غيرها مشكوك فيه فلا نحكم بالفساد مع الشك۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جوف یا دماغ میں داخل ہوجانے کا یقین ہوجائے تو مفسد ہے۔ بہر حال اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے کہ چیز جب تک مصنوعی راستہ میں رہے اور جوف و دماغ تک نہ پہنچے مفسد نہیں تو ٹیکہ میں بھی یونہی ہوگا ہاں اصلی اور مصنوعی راستوں کے فرق سے ہی ثابت ہورہا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے اور ہر اندرونی حصہ مراد نہیں، رہا بعض لوگوں کا یہ شبہ کہ بعض ٹیکے طاقتور ہوتے ہیں کہ باوجودیکہ بالائی جسم یا ذیریں میں کیے جاتے ہیں مگر ان کا اثر مسامات کے ذریعہ سارے جسم میں پہنچ جاتا ہے لہذا جوف و دماغ میں بھی پہنچ جاتا ہے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے تو یہ شبہ بھی بالکل لغو اور غلط ہے۔ فقہائے کرام نے صاف صاف تصریح فرمادی ہے کہ منافذ و مسالک (جوف تک راستوں) سے داخل ہونے والی چیز ہی روزہ فاسد کرتی ہے اور مسامات سے داخل ہونا روزہ کے منافی نہیں ہے۔ فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۷ میں ہے المفطر الداخل من المنافذ كالمدخل والمخرج لا من المسام۔ شامی ج ۲ ص ۱۳۴ میں نہر الفائق سے ہے المفطر انما هو الداخل من المنافذ۔ ہندیہ عن شرح المجمع ج ۱ ص ۱۰۴، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۵۰، طحطاوی علی المراقی ص ۳۵۸، ہدایہ، فتح، عنایہ ج ۱ ص ۲۵۷، مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۴۴، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۳، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۲۳ میں ہے و النظم

للامام الزيلعي عليه الرحمة والداخل من المسام لا من المسالك لا ينافيه. مبسوط ج ۳ ص ۶۷ میں ہے وان وصل عين الكحل الى باطن فذلك من قبل المسام لا من قبل المسالك الخ اور مسئلہ مشار الیہ بھی اس کی روشن دلیل ہے کما لا یخفی علی من لہ فہم تام لہٰذا فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ آنکھوں میں سرمہ یا دوائی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ اس کا اثر یا رنگت حلق یا تھوک میں پائی جائے اور نہانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ پیاس اتر جائے اور ٹھنڈک محسوس ہو کہ سرمہ یا غسل کے پانی کا اثر مسامات سے داخل ہوا ہے تو مفسدِ روزہ نہیں تو ثابت ہوا کہ ٹیکہ بھی یونہی غیر مفسد ہے پھر وہ ٹیکہ جو اندرونِ بدن میں کیا جائے تو گو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے مگر ہرگز ہرگز کفارہ لازم نہیں اس لئے کہ کفارہ صرف افطارِ کامل (اپنے منفذ سے پیٹ تک ایسی چیز کا پہنچانا جو غذا رو دوا کے طور پر مقصود ہوتی ہو) پر ہی لازم ہوتا ہے۔ شامی ج ۲ ص ۱۴۸، بدائع صنائع ج ۲ ص ۹۸ میں ہے والنظم من البدائع واما وجوب الكفارة فيتعلق بافساد مخصوص وهو الافطار الكامل بوجود الاكل او الشرب (الى ان قال) و نعنى بصورة الاكل و الشرب ومعناهما ايصال ما يقصد بالتغذى او التداوى الى جوف من الفم لان به يحصل قضاء شهوة البطن على سبيل الكمال۔ ہدایہ ج ۱ ص ۹۷ میں ہے واما الكفارة فتفتقر الى كمال الجناية لانها تندرئ بالشبهات كالحدود۔

اور یونہی فتح القدیر، عنایہ ج ۲ ص ۲۵۷ میں ہے بلکہ ان تمام کتب کثیرہ فقہیہ (جن سے مسئلہ جائفہ او رآمہ لکھا جا چکا ہے) سے ہے کہ کان یا ناک میں تیل وغیرہ کے ڈالنے اور حقنہ کرنے سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے اور کفارہ نہیں اور اس مسئلہ جائفہ سے پہلے اس کی عبارت بھی فتاویٰ عالمگیری سے گزر چکی ہے حالانکہ کان ناک وغیرہ اصلی راستے

ہیں تو ان میں دوائی وغیرہ ڈال لینے سے کفارہ لازم نہیں آتا تو ٹیکہ میں کیسے لازم آئے

کہ اس کا راستہ تو ہے ہی مصنوعی، بلکہ بحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۹، نور الایضاح، مراقی الفلاح،

حاشیۃ الطحطاوی ص ۴۰۶ میں ہے کہ وجور یعنی دوائی حلق میں انڈیلنا، روزہ فاسد

کردیتا ہے مگر کفارہ نہیں کہ اس میں کھانے کی صورت نہیں پائی گئی والنظم من البحر

واما الوجور فی الفم فانہ یفسد صومہ لانہ وصل الی جوف البدن

ما ھو مصلح للبدن فکان اکلا معنی لکن لا تلزمہ الکفارۃ لانعدام

الاکل صورۃ۔ اور مبسوط ج ۳ ص ۶۷ میں ہے واما السعوط والوجور یفطرہ

لوصولہ الی احد الجوفین اما الدماغ او الجوف والفطر مما یدخل

ولا کفارۃ علیہ لان معنی الجنایۃ لا یتم بہ۔ فان اقتضاء الشھوۃ لا

یحصل بہ۔ تو واضح ہوا کہ ایسے ٹیکہ میں کفارہ ہرگز نہیں اور عام ٹیکے جو مفسدِ صوم نہیں

ان میں کوئی حرج نہیں مگر ایسے سخت ٹیکے جن کے لگانے سے بخار یا کسی اور عارضہ کا خطرہ

ہو اور اندیشہ ہو کہ اس کے ازالہ کے لئے شاید فوری دوائی ایسی استعمال کرنی پڑے جو

مفطر روزہ ہو تو ایسی خاص صورت میں نہیں چاہیئے اور مکروہ ہو سکتا ہے جیسا کہ فقہاء

کرام نے قبلہ (بوسہ) اور حجامت (سنگھی لگوانے) میں فرمایا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۱

ص ۱۰۲ میں ہے ولا بأس بالحجامۃ ان امن علی نفسہ الضعف اما

اذا خاف فانہ یکرہ وینبغی لہ ان یؤخر الی وقت الغروب و ذکر

شیخ الاسلام شرط الکراھۃ ضعف یحتاج فیہ الی الفطر والفصد

نظیر الحجامۃ ھکذا فی المحیط ولا بأس بالقبلۃ اذا امن علی نفسہ

من الجماع والانزال ویکرہ ان لم یأمن والمس فی جمیع ذلک کالقبلۃ

کذا فی التبیین۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ امس وشمس کی طرح واضح و نمایاں ہو گیا کہ عام ٹیکے مفسدِ صوم نہیں

تعجب ہے کہ بعض کم علم یا آسان صاحبان جو کتب فقہیہ کا مطالعہ غور سے کرتے نہیں اور یونہی حکم فساد بلکہ لزوم کفارہ بھی لگا دیتے ہیں تو کتنے ہی ایسے سادہ لوح بندگان خدا ہیں کہ ایسے فتوے سن کر ضرورت ٹیکہ کے وقت صرف ٹیکہ لگوانے کی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے اور کئی وہ ہیں جو واقعی مجبور و مریض ہیں جنہیں صالح اور پارسا ڈاکٹر بتاتے ہیں کہ اگر ٹیکہ نہ کیا جائے تو مرض بڑھ جائے گا یا دیر سے صحت ہو گی تو وہ بیچارے ایسے فتوے سن کر روزہ ترک کر دیتے ہیں اور برکات خصوص وقت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ایسوں کی محرومی کا وبال بھی ایسے مفتیوں کے سر پر ہے جن کے بلا تحقیق فتووں سے وہ بیچارے محروم ہو رہے ہیں۔

(نوٹ) یہاں تک یہ فتوے مولانا الحاج ابو البشر صاحب کے جواب میں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۸۲ھ ۲۰/۲/۶۳ کو لکھا گیا پھر کچھ عرصہ بعد مولانا الحاج ابو الرضا عبد العزیز صاحب مہتمم مدرسہ غوثیہ حویلی لکھا کے سامنے کچھ شبہات پیش کئے گئے تو درج ذیل تنبیہ کا اضافہ کیا گیا۔

ضروری تنبیہ

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ٹیکہ سے دوائی گوشت میں پہنچ کر خون سے مل کر جسم کے تمام حصوں میں پہنچ جاتی ہے تو لامحالہ معدہ میں بھی پہنچ جاتی ہے اور جس طرح معدہ کی ظاہری سطح پر رگیں ہوتی ہیں یونہی باطن میں بھی رگیں ہوتی ہیں تو ان رگوں کے ذریعہ باطن میں بھی دوائی پہنچ جاتی ہے اور وریدی ٹیکہ میں تو یہ بات اور واضح ہے لہذا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو یہ کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جب خون خود ہی معدہ کے اندر نہیں پہنچتا تو اس کے اندر ملی ہوئی دوائی کیسے پہنچے گی؟ اور یہ کہنا کہ باطن میں رگیں ہیں، مفید نہیں کیونکہ یہ رگیں معدہ میں نہیں بلکہ معدہ کی اندرونی سطح میں ہوتی ہیں اور معدہ میں کھلتی بھی نہیں کہ خون براہ راست معدہ میں گرے جیسے حوض میں نالی کے ذریعہ پانی گرتا ہے بلکہ دوائی

کا اثر صرف مسامات کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے حالانکہ مسامات سے پہنچی ہوئی چیز
کا مفسد نہ ہونا آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہو چکا ہے۔

جائفہ اور آمہ میں ڈالی ہوئی دوائی بھی گوشت سے مل کر خون سے مل جاتی ہے
مگر پھر بھی مفسد نہیں بلکہ جبکہ معدہ یا دماغ میں خود دوائی پہنچے حالانکہ ٹیکہ کا سوراخ جائفہ اور
آمہ کی طرح معدہ اور دماغ تک نہیں پہنچا تو اس کا مفسد نہ ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا
اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روزہ ٹوٹنے کے لئے کسی دوا یا غذا کا جوفِ معدہ یا جوفِ دماغ
میں پہنچنا لازمی نہیں بلکہ چند باتیں اور بھی ضروری ہیں: اولاً دوا یا غذا کا عین جوف
میں پہنچ جانا، دوم اصلاحِ بدن مقصود ہونا، سوم اختیار اور ایجادِ فعل کا پایا جانا بھی باعثِ
فساد ہے۔ پھر کہا ہے کہ جب اصلاحِ بدن بھی مقصود ہو اور ایجادِ فعل بھی تو روزہ بالاتفاق
ٹوٹ جانا چاہئے، پھر اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ شک اور عدم یقین وصول الی الجوف
کی صورت میں اصلاحِ بدن اور ایجادِ فعل دو شرطوں کا وجود مفسد کو ترجیح دینے کی وجہ سے
روزہ (ٹیکہ سے) ٹوٹ جائے گا۔ یہ دعویٰ بھی بالکل غیر صحیح ہے کیونکہ قصد اصلاحِ بدن اور
ایجادِ فعل صرف اسی وقت ہی مفسد ہو سکتے ہیں، جب کوئی چیز جوفِ معدہ میں پہنچے ورنہ
نہیں۔ اگر صرف قصدِ اصلاحِ بدن اور ایجادِ فعل ہی مفسد ہوتے تو تیل کی مالش اور غسل،
مرہم پٹی وغیرہ صدہا افعال جو اصلاحِ بدن کے قصد سے کئے جاتے ہیں سب کے
سب روزہ فاسد کر دیتے تو معلوم ہوا کہ قصد ایجاد و اصلاح کا مفسد ہونا صرف وصول
الی الجوف ہی کی صورت میں ہے ورنہ نہیں چنانچہ تجربہِ سابق سے یہ بھی واضح و نمایاں
ہے اور لطف یہ کہ مدعی صاحب کے اسی اپنے کلام کا پہلا حصہ صراحۃً کئی وجوہ سے
یہی ثابت کرتا ہے کما لا یخفیٰ۔

بعض عوام یہ بھی کہتے ہیں کہ کچھ ٹیکے ایسے بھی ہیں جو بھوک اور پیاس کی تسکین
کرتے ہیں لہٰذا روزہ میں کوئی ٹیکہ بھی جائز نہیں تو ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے اگر بھوک

اور پیاس کی تسکین کے باعث ٹیکہ ناجائز ہوتا تو صرف وہی ٹیکہ ناجائز ہوتا جو تسکین کرتا ہو نہ کہ ہر ٹیکہ ناجائز ہو جاتا اور یونہی اگر تسکین کے سبب ناجائز ہوتا تو سحری کے وقت بھی ناجائز ہوتا کہ اس سے بھی دن کو تسکین ہو سکتی ہے تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ ماہِ رمضان المبارک کی راتوں میں بھی ٹیکہ جائز نہیں۔ پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ ٹیکے کراتے کون ہیں عموماً بیمار روزہ دار جو روزہ رکھتے ہیں اور بیماری کے لئے لگواتے ہیں اور یوں نہیں کہ تندرست اور طاقتور روزہ دار بھوک اور پیاس دور کرنے کے لئے ٹیکے لگوائیں، ایسا آج تک دیکھا سنا بھی نہیں اور نہ ہی سرد موسم یا سرد مقامات پر اس کی ضرورت ہوتی ہے، قابلِ برداشت بھوک پیاس کی لذت اور اشتیاق تو عموماً ہر ایک روزہ دار کو ہوتا ہے تو ایسا ٹیکہ بلا ضرورت لگواتا ہی کیوں ہے؟ اور اگر کوئی بدقسمت اس ذوق وچاشنی سے سراسر محروم ہو تو پھر ٹیکہ ہی کیا، ایسے سرے سے روزہ ہی نہیں رکھتے حتیٰ کہ اس موسمِ سرما میں بھی کئی ایسے بدبخت ہیں تو ان کا کیا اعتبار؟ کیا ان کی وجہ سے بیمار روزہ دار کو ہر ایک ٹیکہ ناجائز بتایا جائے، یہ سراسر انصاف سے دور ہے

نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کوئی صحیح الاعتقاد پیر معمر یا مریض و کمزور سچے دل سے روزہ کی سعادت حاصل کرنا چاہے مگر بوجہ ضعفِ بھوک یا پیاس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا البتہ اگر کوئی ایسا ٹیکہ جو تسکین کرے، لگوا لے یا کسی سرد مقام کوہ مری وغیرہ چلا جائے یا سرد خانے یا خس کی ٹٹی کا انتظام کر لے یا برفانی پانی سے غسل یا تر کپڑے میں لپٹ جائے تو روزہ پورا کر سکتا ہو تو کیا ایسے معذور اشخاص کے لئے یہ چیزیں بوجہ عذر جائز ہیں یا نہیں تو جہاں تک میری دانست کا تعلق ہے جہاں میں کوئی بھی ایسا عقلمند نہیں جسے دینِ اسلام سے قدرے واقفیت ہو اور کہے کہ کوہ مری کا سفر یا افغانستان جانا کسی دنیاوی جائز کام کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ ادائیگی فرض کے لئے جائے اور یونہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی معمر یا مریض سرد خانے یا خس کی ٹٹی میں آرام نہیں کر سکتا یا کوئی تندرست

اور جوان ٹھنڈے پانی سے غسل یا تر کپڑا نہیں کر سکتا چہ جائیکہ معذور، اور جب آرام و آسائش کی غرض سے یہ چیزیں جائز ہیں تو دینی فریضہ پورا کرنے کے لئے کیوں ناجائز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چیزیں معذوروں کے لئے عون علی العبادۃ ہیں یعنی روزہ کی عبادت پوری کرنے میں مدد دیتی ہیں تو ان کا کرنا عبادت میں داخل ہوگا اور جائز ہوگا۔ شامی ج ۲ ص ۱۵۶ میں روزے دار کے غسل وغیرہ کے متعلق ہے لان ھذہ الاشیاء بہا عون علی العبادۃ۔

بہر حال ان اشیاء کا عون علی العبادۃ ہونا تو ظاہری آنکھوں سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے حالانکہ عون علی العبادۃ ایسی بہترین چیز اور مطلوبِ شرعی ہے کہ اللہ رب العالمین ارحم الراحمین اپنے لطف و کرم سے اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ ایک دوسرے کے لئے نیک کاموں میں عون علی العبادۃ مہیا کریں جس کا عربی نام تعاون (ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے) ارشاد فرمایا وتعاونوا علی البر والتقوی (پ ۶ ع ۵) (ترجمہ) اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو" جب نیک کاموں کے انجام دینے میں دوسروں کی مدد لازم ہے تو اپنی کیوں ناجائز ہوگی لہٰذا سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۲۳ کی حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ خود حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیاس یا گرمی کے سبب اپنے سرِ اقدس پر پانی بہایا اور شامی ج ۲ ص ۱۵۶ میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روزہ میں کپڑا تر کرکے اپنے اوپر لپیٹ لیا کرتے تھے اور تمام فقہائے کرام نے روزہ دار کے لئے غسل جائز قرار دیا بلکہ یہاں تک ہے کہ روزہ دار غسل کرنے سے اپنے اندر ٹھنڈک محسوس کرے تب بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۴ میں ہے من اغتسل فی ماء وجد بردہ فی باطنہ لا یفطرہ۔ اور ذرا غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ روزہ دار کا سحری کا کھانا پینا بھی اس عون علی العبادت کے لئے مطلوب ہے، دیکھئے صحیح حدیث شریف

ہیں ہے استعینوا بطعام السحر علی صیام النہار و بالقیلولۃ علی قیام اللیل (جامع صغیر ج ا ص ۱۲۹)۔ اس حدیث پاک میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ سحری کے کھانے سے دن کے روزے پر عون (مدد) حاصل کرو اور دوپہر کے قیلولہ سے رات کے نوافل پر؛ اس سحری کے کھانے پینے سے دن بھر روزہ دار بھوک اور پیاس کی شدت سے بچ کر روزہ پورا کر لیتا ہے تو معلوم ہوا کہ بھوک اور پیاس کی شدت کا ہونا روزہ کے لئے لازم نہیں اور اس کی تسکین ایسے طریقے سے، جسے شرعِ اطہر نے حرام نہیں کیا، حرام نہیں بلکہ جائز و مطلوبِ شرعی ہے، خود اللہ رب العالمین اپنی رحمت و کرم سے روزہ ادا کرنے والوں سے روزہ کے بیان میں ہی فرماتا ہے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (پ ۲ ع ۷) (ترجمہ) اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ دشواری نہیں چاہتا؛ تو واضح ہوا کہ بندوں کا بھوک اور پیاس کی شدت سے جان بلب ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، اس نے ہماری آسانی کے لئے افطاری اور سحری کے کھانے پینے کی اجازت مرحمت فرمائی، ہمارے آرام و آسائش کے لئے ٹھنڈے پانی سے غسل یا تر کپڑے سے ٹھنڈک حاصل کرنا حرام نہیں فرمایا، کسی سرد مقام یا سایہ میں سونا منع نہیں فرمایا اور اپنے کرم سے سرد موسم کے روزوں کو بھی قبول فرماتا ہے تو آفتاب و ماہتاب کی طرح واضح ہوا کہ غسل وغیرہ ایسی چیزیں جو روزہ دار کے لئے شریعت میں حرام نہیں، اگر ان چیزوں کو شدتِ بھوک یا شدتِ پیاس دور کرنے کے لئے معذور استعمال کرے تو بلاشبہ جائز ہیں، ان سے روزہ فاسد نہیں ہوتا تو ٹیکے بیچارے کا کیا قصور کہ وہ اگرچہ جوفِ معدہ اور دماغ میں بھی نہ کیا جائے تب بھی محض اس لئے کہ بھوک، پیاس کی تسکین کرتا ہے، معذوروں کے لئے بھی جائز نہ ہو بلکہ کوئی ٹیکہ بھی روزہ دار کے لئے اگرچہ صرف مرض دور کرنے کے لئے ہو، جائز نہ ہوسکے، ایسا کہنا

صریح ظلم ہے بلکہ بعض لوگوں کے لئے تعاون علی الاثم یعنی گناہ کرنے میں مدد دینا ہے کہ ایسی باتیں سن کر ایسے لوگ جو کمزور ایمان والے ہیں، باوجودیکہ روزہ رکھ سکتے ہیں مگر چونکہ انہیں معمولی مرض کے لئے ٹیکہ لگوانا ہے لہذا روزہ نہیں رکھتے حالانکہ اللہ رب العالمین نے تعاون علی الاثم کو حرام کیا ہے، دیکھو پ۶ س ع ۵۔

انتباہ

ٹیکہ، مرہم، مالش وغیرہ جن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ان کا استعمال تب ہی جائز ہے جبکہ حرام نہ ہوں ورنہ استعمال حلال نہیں مگر جبکہ حاذق طبیب یا ماہر ڈاکٹر جو مسلمان، متدین، پابندِ شرع متین اور خدا ترس ہوں اپنے پختہ علم اور صحیح تجربہ کی بنا پر فیصلہ دیں کہ اگر یہ دوائی استعمال نہ کی گئی تو مریض جانبر نہیں ہو سکتا تو صرف ایسی صورت میں علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اجازت ہے اور یہی حکم ان تمام دواؤں کا ہے جو بغیر روزہ بھی استعمال کیے جاتے ہیں، اس کا لحاظ ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد المحبوب المعلی وعلیٰ آلہ وصحبہ اولی الصدق والصفا۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ $\frac{12}{66}$ 29

الاستفتاء

فاضلِ اجل عالمِ بے بدل مجمع مکارم اخلاق حسنہ برادرم مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ ؛ طالبِ خیریت بخیریت ! آپ کا رسالہ "روزہ ٹیکہ" کے عنوان سے میری نظر سے گزرا اس میں سے چند باتیں بطور تفہیم و استفسار دریافت

کرتا ہوں، تکلیف فرما کر اگر تحریر فرمائیں تو لطف سے بعید نہ ہوگا، نیز یہ بھی خیال نہ فرمائیں کہ کوئی ذاتی معاملہ ہے بلکہ دین کا معاملہ ہے اس لئے پورے طور پر اطمینان ہو جانے کے بعد کہ ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا تو پھر ان شاء اللہ العزیز ہم سب بھی اس چیز کے قائل ہو سکتے ہیں کہ ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بصورتِ ثانی یہ دینی معاملہ ہونے کی صورت میں آپ سے بھی مکمل توقع ہے کہ اگر ٹوٹ جانے کے وجوہاتِ قویہ مل جائیں تو بھی ہماری اعانت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔ کسی چیز کے افہام و تفہیم میں رسالہ بازی ٹھیک نہیں ہوتی اس لئے مکتوب ہذا تحریر کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ جوابِ باصواب سے مستفید و مستفیض فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے۔

سوال نمبر ۱: آپ نے کلیہ مقرر فرمایا ہے کہ اکل و شرب و جماع تینوں چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں اور کوئی چیز نہیں حالانکہ کتبِ فقہ میں بہت سے جزئیات موجود ہیں جو آپ کی نظر سے گزرے ہوں گے کہ اکل و شرب ہے مگر اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا نسیان کے علاوہ بھی دوسرے جزئیات پائے جاتے ہیں اور یہ جزئیات بھی موجود ہیں کہ اکل و شرب نہ ہوں تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس پر جزئیات اگر طلب فرمائیں گے تو ضرور تحریر کروں گا اگرچہ لقمان را حکمت آموختن والا معاملہ ہوگا مگر تعمیلِ ارشاد ضرور ہوگی۔ اسی طرح جماع کے علاوہ بھی اگر خواہشاتِ نفسانیہ کو روزے دار پورا کر لیتا ہے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بالتفصیل تحریر فرمائیں اس کا کیا حل ہے۔

۲۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جوف سے مراد معدہ ہے ہم نے اپنے طور پر قاموس، صراح، منجد، غیاث اللغات، منتخب اللغات وغیرہ کتابیں دیکھی ہیں، جوف کا معنی معدہ نظر نہیں آیا، آپ کے پاس اگر کسی لغت کی کتاب کا حوالہ موجود ہو تو تحریر فرمائیں۔ ثانیاً اگر جوف... کا معنی معدہ لیا جائے تو بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو معدہ میں نہیں پہنچتیں مگر وہ روزہ کو توڑ دیتی ہیں غالباً کچھ اشیاء ایسی بھی مل جائیں گی جو معدہ میں پہنچ جائیں مگر روزہ

نہ توڑیں ایسے جزئیات بھی کتبِ فقہ میں موجود ہیں۔

۳۔ آپ نے عبارت نقل فرمائی ہے جس میں جوف البدن تحریر فرمایا ہے اور بعض عبارات میں جوف الراس بھی تحریر فرمایا ہے، کیا ان عبارات میں بھی جوف سے مراد معدہ ہے، اگر نہیں تو پھر جوف سے مراد و معنی یہاں کیا لئے جائیں گے۔ اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ خط تحریر کیا گیا ہے، نیز آپ کے پاس کتبِ فقہ کے ذخائر موجود ہیں جس طرح کہ "مکبر الصوت" کے حوالہ جات سے نیز "روزہ و ٹیکہ" کے رسالہ سے صاف واضح ہے اس لئے آپ بالتفصیل تحریر فرما کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔ میرے ان چند الفاظ کے متعلق آپ جو وضاحت طلب فرمائیں گے یا اور بھی آپ جو کچھ تحریر فرمائیں گے میں جواب دیتا رہوں گا، آپ بھی جواب باصواب سے مستفیض فرماتے رہیں، باقی ہر طرح سے خیریت ہے۔ سب پرسانِ حال کو السلام علیکم، نیز اگر دو رسالے آپ ارسال فرمائیں تو لطف سے بعید نہ ہوگا۔

سید اختر حسین جماعتی از علی پور سیداں

ڈاک خانہ خاص براستہ قلعہ سوبھا رام ضلع سیالکوٹ ۳/۹/۶۷ء

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

مخدومی و مخدوم زادہ حضرت قبلہ شاہ زادہ صاحب زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاجِ سامی! حضرت کا کرم نامہ باعثِ اعتزاز و اعزاز بنا، بڑا کرم فرمایا کہ یاد فرمایا اور یہ تو حضرت کا محض حسنِ ظن ہے کہ فاضل وغیرہ القاب

لکھے ہیں، میں کیا اور میری قابلیت کیا اور یہ حقیقتِ واقعیہ ہے کہ یہ دینی معاملہ ہے اس میں ضد و عناد محض فساد و افساد ہے۔ اگر ثابت ہو جائے کہ ٹیکہ مفسد ہے تو انکار کے کیا معنی؟

حضرت نے بالتفصیل لکھنے کا ارشاد فرمایا ہے، مجھے بفضلہٖ تعالیٰ اس سے انکار نہیں مگر ان ایام میں مصروفیت بہت زیادہ ہے، دورہ حدیث شریف کے علاوہ بعض اسباق اور امور دار العلوم میں انہماک وغیرہ عوائق ہیں اور پھر یہ خیال آرہا ہے کہ حضرت نے فقیر کا رسالہ ملاحظہ نہیں فرمایا لہٰذا دو رسالے حسب الحکم حاضر ہیں۔ ذرا توجہ سے مطالعہ فرمائیں تو میرا خیال ہے کہ سوالات کے جوابات خود بخود سامنے آجائیں گے۔ جوف سے مراد کے متعلق بڑی تفصیل ہے اور یہ نہیں لکھا کہ معدہ لغوی معنی ہے کہ قاموس وغیرہ سے نہ ملنا خلاف ثابت کرے۔

نیز حضرت نے بار بار تحریر فرمایا ہے کہ "فقیر جو استفسار کرے اس کا جواب عطا فرمائیں گے" یہ کرم ہے اور ردِ کرم چونکہ نامناسب ہے لہٰذا معروض کہ حضرت ہماری مستعملہ اشیاء میں سے وہ کونسی چیزیں ہیں کہ نسیان کے علاوہ بھی ان کا اکل و شرب روزہ فاسد نہیں کرتا جیسے حضرت نے تحریر فرمایا ہے۔ رہے یہ جزئیات کہ اکل و شرب نہ ہوں تو بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے شاید ان کا تذکرہ کیوں فرمایا وہ تو حضرت کی نقل "اکل و شرب و جماع تینوں روزہ کو توڑنے والی ہیں" سے ہی ظاہر ہیں اور یونہی جماع کے علاوہ خواہشاتِ نفسانیہ کے وہ فرد جو اکل و شرب کے تحت داخل ہیں مفسد ہیں اور وہ بھی مفسد ہیں جو جماع نہیں مگر جماع کے حکم میں ہیں تو حضرت نے خواہشات نفسانیہ پورے کرنے کو کلیہ کی طرح شاید کس خیال سے مفسد تحریر فرمایا جبکہ مفسد افراد کا افساد اور باقی کا عدمِ افساد واضح ہے۔

بہر حال رسالے حاضر ہیں، میرا طریقہ بھی رسالہ بازی نہیں اور نہ ہی کسی سے

پسند ہے۔ پھر آپ تو ماشاء اللہ ساداتِ کرام سے ہیں آپ سے تو اتنا لکھتے ہوئے بھی خوف طاری ہوتا ہے۔ امید ہے کہ ان چند معروضات کو اپنے اخلاقِ عظیمہ کی بنا پر نیک عمل پر ہی محمول فرمائیں گے، لفافہ کی تکلیف نہ فرمائی جائے یہاں بھی کافی ملتے ہیں۔ والسلام مع الاکرام

ہاں ایک نہایت ضروری معاملہ درپیش ہے جو ہے شرعاً خیر، اگر روضۂ عالیہ میں دعا کے لئے سفارش فرمادیں تو کرم بر کرم ہوگا۔ والسلام

فقیر المفتقر الی اللہ محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۸۶ھ

$\frac{۳}{۹۴}$ ۱۵

رؤیت ہلال

تعارف باب رؤیۃ الہلال

رؤیت ہلال سے مراد ہے پہلی تاریخ کا چاند دیکھنا۔ اس مسئلہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد احکام شرعیہ کا دارومدار قمری مہینوں اور تاریخوں پر ہے۔ ارکان اسلام میں سے رمضان المبارک اور حج کا دارومدار رؤیت ہلال پر ہے۔ اسی طرح ادائیگی زکوٰۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے' جو شمسی تقویم کے لحاظ سے دس دن کم ہوتا ہے۔ یونہی عید الفطر' عید الاضحیٰ' عدت وفات چار ماہ دس دن' ایلاء کے لئے چار ماہ کی مدت' ایسے کتنے ہی شرعی امور میں مدت کا تعین چاند کے طلوع سے ہوتا ہے۔ اسی لئے علمائے کرام اور مفتیان اسلام اپنے اپنے علاقوں میں ہمیشہ چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے رہے-----

فقہائے کرام نے خاص طور پر ان پانچ مہینوں کا چاند دیکھنا واجب کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی اگر کوئی مسلمان بھی چاند دیکھنے کی کوشش نہ کرے تو سب گناہ گار ہوں گے:

(۱) ۲۹/ رجب کو شعبان المعظم کا چاند-----

(۲) ۲۹/ شعبان کو رمضان الکریم کا چاند-----

(۳) ۲۹/ رمضان کو شوال المکرم کا چاند-----

(۴) ۲۹/ شوال کو ذوالقعدہ کا چاند-----

(۵) ۲۹/ ذیقعد کو ذوالحجۃ المبارکہ کا چاند-----

رؤیت ہلال کے لئے کم از کم دو مرد عادل یا ایک مرد عادل اور دو عادلہ عورتیں چاند دیکھنے کی شہادت دیں البتہ رمضان المبارک اور عید کے چاند میں تفصیل ہے:

ہلال رمضان میں اگر مطلع ابر آلود ہو تو ایک عادل شخص (خواہ مرد ہو یا عورت) کی شہادت معتبر ہے اور اگر مطلع ابر آلود نہ ہو تو جم غفیر کی خبر ضروری ہے۔ ہلال عید میں مطلع ابر آلود ہو تو دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں سے کم کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی-----

قدیم عہد میں اسلامی حکومتوں کا یہ دستور رہا ہے کہ شرعی شہادتوں سے ثبوت رؤیت ہلال کے بعد چاند کا اعلان ڈھنڈورہ یا توپوں کے فائر کے ذریعے کیا جاتا تھا' جسے فقہاء اسلامی نے معتبر قرار دیا۔ پھر جب جدید سائنسی ایجادات میں تار' ٹیلی فون' وائرلیس' ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذرائع معرض وجود میں آئے' جدید سہولتوں سے استفادہ کیا جانے لگا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ ریڈیو کے ذریعے رؤیت ہلال معتبر ہے یا نہیں؟-----

برصغیر میں انگریزوں کی غیر اسلامی حکومت کے زیر انتظام چاند کا اعلان غیر معتبر سمجھا گیا' چنانچہ علمائے کرام اور مفتیان عظام از خود لوگوں سے شرعی شہادت لینے کا اہتمام کرتے اور ان کے فتویٰ پر اعتماد کر کے لوگ روزہ' عید الفطر اور قربانی وغیرہ کے احکام بجالاتے' قیام پاکستان میں یہی صورت حال رہی' غالباً ۱۹۵۰ء میں پہلی مرتبہ رؤیت ہلال کمیٹی کا قیام عمل میں آیا مگر بیشتر علماء عدم جواز کے قائل رہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والی حکومت کے دور میں رؤیت ہلال کمیٹی کی تشکیل کے سلسلے میں قومی اسمبلی میں بل پیش ہوا تو وزارت مذہبی امور کی طرف سے علماء کرام کی سرپرستی میں کمیٹی قائم ہوئی تو علماء کا اعتماد بحال ہونے لگا۔ اب کئی سالوں سے تمام مکاتب فکر کے علماء (الا ماشاء اللہ) عملاً اس موقف کے قائل ہیں-----

سیدی فقیہ اعظم کا فتویٰ

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے ابتداء ہی سے اس مسئلہ پر مثبت نظریہ اپنایا تھا' آپ

نے ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۰ء میں اس موضوع پر ایک تحقیقی رسالہ مسمی باسم تاریخی "افادۃ النشر او کد الامر" تحریر فرمایا، جس میں دلائل وجزئیات فقہیہ سے ثابت کیا کہ شرعی ثبوت کے بعد ریڈیو سے نشر ہونے والی رؤیت ہلال کی خبر قابل اعتماد ہے۔ آپ کا یہ فتویٰ حضرت سیدی ابو البرکات علیہ الرحمۃ نے اپنے فاضل صاحبزادے علامہ سید محمود احمد رضوی کی زیر ادارت نکلنے والے ہفت روزہ رضوان لاہور (جلد ۴، شمارہ ۱۲، ۲۸ / مارچ ۱۹۵۲ء، صفحہ ۵) میں "فتویٰ دربارۂ رؤیت ہلال" کے عنوان سے شائع کروایا۔ ابتداء میں خود سید صاحب قبلہ نے ایک تفصیلی نوٹ تحریر فرمایا اور پاک وہند کے مرکزی علمی مقامات اور جلیل القدر مفتی صاحبان کے اسماء گرامی درج کر کے انہیں دعوت غور و فکر دی۔ یہ نوٹ بجائے خود ایک علمی یادگار اور حضرت فقیہ اعظم پر آپ کے اعتماد کا آئینہ دار ہے۔ سید صاحب قبلہ کے اس نوٹ سے قبل مدیر رضوان علامہ سید محمود احمد رضوی نے توضیحی نوٹ میں لکھا:

"یہ نوٹ حضرت قبلہ سیدی ابو البرکات صاحب مدظلہ العالی نے مضمون ذیل کے لئے تحریر فرمایا ہے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے مضمون سے قبل درج کیا جاتا ہے۔ علماء کرام توجہ فرمائیں" ------

اس کے بعد حضرت سید صاحب قبلہ نے ارقام فرمایا:

"یہ فتویٰ حضرت فاضل جلیل عالم نبیل مولانا ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی فاضل حزب الاحناف و مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور پاک پنجاب نے بغرض استصواب آرائے علمائے اہل سنت بذریعہ رضوان شائع فرمایا ہے۔ ناظرین کرام سے التجا ہے کہ جن علماء کرام کے پاس رضوان نہیں پہنچتا، ان کی خدمت میں یہ فتویٰ پیش کیا جاوے اور ان کو بنظر تعمق ملاحظہ فرما کر کتب معتمدہ فقہ سے تائید فرمائیں یا رد فرمائیں اور صواب و خطا پر دلائل ارقام فرماویں۔ اہل علم و صاحب قلم حضرات کے مضامین رضوان میں شائع کئے جائیں گے اور جب تک علمائے اہل سنت کا اس مسئلہ میں اتفاق نہ ہوگا اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ علمائے کرام سے گذارش ہے کہ وہ اس مسئلہ میں کافی روشنی ڈالیں۔ اگر کسی ایک جگہ رؤیت ہلال بطریق معتبر ثابت ہو جائے تو ہلال کمیٹی کا بذریعہ ریڈیو اعلان تمام پاکستان و

ہندوستان و ایران و توران و افغانستان و بلوچستان غرضیکہ تمام وہ شہر و قریٰ جہاں جہاں اس وقت میں ہلال کمیٹی کے اعلان کو بذریعہ ریڈیو سنیں تو اس اعلان پر مشرق و مغرب و جنوب و شمال کے باشندوں کو عمل کرنا یعنی عید الفطر' عید الاضحیٰ اور قیام رمضان ادا کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟ اور ان تصریحات کے باوجود عدم جواز پر کون سی دلیل ہے۔ بینوا و توجروا

تمام اہل السنّت بالعموم اور حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی و حضرت مولانا الحاج سردار احمد صاحب لائل پوری و حضرت مفتی اعظم ہند مولانا الحاج مصطفیٰ رضا خان بریلوی و مولانا الحاج ملک العلماء مفتی محمد ظفر الدین صاحب بہاری و حضرت مولانا الحاج مفتی احمد سعید شاہ صاحب ملتانی و علمائے بدایون و علمائے رام پور و حضرت مولانا الحاج مفتی محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی وغیرہم بالخصوص توجہ مبذول فرما کر اہل سنت کی عقدہ کشائی فرمائیں-----ابو البرکات سید احمد غفرلہ"-----

سید صاحب قبلہ کے اس نوٹ سے سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے فتویٰ کی اہمیت اور واضح ہو جاتی ہے۔ مزید براں رضوان کی دستیاب فائلوں میں اس فتویٰ کے جواب میں کوئی تردیدی تحریر نہیں ملتی اور نہ ہی علمی انداز میں کسی اور ذمہ دار عالم کی طرف سے کوئی جواب لکھا گیا-----

چنانچہ ایک سائل کے جواب میں سیدی فقیہ اعظم نے ارقام فرمایا:

"یہ اعلان معتبر اور مستند ہے' اس کے ناجائز ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں' کئی سالوں سے ہمارا تفصیلی فتویٰ شائع ہو چکا ہے' جس میں آیات و احادیث و کتب مذہبیہ سے جواز آفتاب کی طرح واضح و ہویدا کیا ہے' جو بفضلہ تعالیٰ آج تک لاجواب ہے"-----

(فتاویٰ نوریہ' جلد ۲' صفحہ ۱۰۰' پہلا ایڈیشن)

ایک اور سائل کو بایں الفاظ جواب دیا:

"رہی سائل کی سنی سنائی' بے محل' طویل لاطائل تقریر تو وہ شرعی اعلانوں کو غیر معتبر قطعاً ثابت نہیں کر سکتی' جسے دعویٰ ہو سامنے آئے"-----

(ایضاً' صفحہ ۱۳۸' پہلا ایڈیشن)

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر مولانا خلیل احمد نوری کا مقالہ "رویت ہلال ---- ایک جائزہ" اور احقر کی کتاب "حضرت فقیہ اعظم کے استاذ سیدی ابوالبرکات اپنے مکاتیب کے آئینے میں" ------

اس تمہید کے بعد آئندہ صفحات میں رویت ہلال سے متعلق سیدی فقیہ اعظم کے فتاویٰ خصوصاً رسالہ "افادۃ النشر او کد الامر" پر مولانا پروفیسر خلیل احمد نوری صاحب کا تعارفی مقالہ پیش کیا جارہا ہے:

مختصر تعارف

رویت ہلال کے موضوع پر حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے پوچھے گئے استفتاءات کی تعداد آٹھ ہے ------ (۱)

چھ استفتاء جلد دوم میں ہیں اور ایک ایک جلد سوم اور ششم میں شامل اشاعت ہے۔ ان فتاویٰ میں چار آیات کریمہ، چار احادیث مبارکہ اور کتب شروح حدیث و فقہ اور اصول فقہ سے چوبیس عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ دو مقامات پر خارجی آثار و قرائن اور ذاتی مشاہدے سے استشہاد کیا گیا ہے ------

جلد دوم میں دیے گئے فتاویٰ میں پہلے فتوے کے (۲) آخر میں "۶ / رمضان شریف ۱۳۷۱ھ" درج ہے، سائل کا نام اصغر علی زرگر ہے، عبارت سوال مختصر اور سلجھی ہوئی ہے۔ (۳)

دوسرے فتوے کے آخر میں نہ تو تاریخ درج ہے اور نہ ہی سائل کا نام ہے۔ چونکہ یہ فتویٰ باقاعدہ رسالے کی شکل میں لکھا گیا تھا لہٰذا اس رسالے کے تاریخی نام "افادۃ النشر او کد الامر" سے ۱۳۷۱ھ کا سن اخذ کیا گیا ہے (۴) جب کہ ہفت روزہ رضوان نے اسے ۲۸ / مارچ ۱۹۵۲ء (۱۳۷۱ھ) کی اشاعت میں شائع کیا ہے ------

جلد دوم میں شامل تیسرے فتوے کی عبارتِ استفتاء اور اس کے سائل کا نام کاتب دارالافتاء تحریر کرنا بھول گئے تھے (۵) تاہم قرائن بتاتے ہیں کہ مستفتی کوئی عالم دین ہیں ------ (۶)

چوتھے استفتاء کے سائل کا نام حافظ محمد الٰہی (ضلع شیخوپورہ) ہے، تاریخ کے کالم میں ۱۳ /

رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ' ۷ دسمبر ۱۹۶۸ء درج ہے-----(۷)

جلد دوم کے پانچویں فتوے کا سوال محمد اکرم نقشبندی مجددی (ضلع سیالکوٹ) کی طرف سے موصول ہوا' جوابِ فتویٰ کی تاریخ ۱۸/ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ' ۱۹/ دسمبر ۱۹۶۸ء مرقوم ہے-----(۸)

چھٹے فتوے کے مستفتی محمد عنایت اللہ بخاری (مدرسہ مصباح العلوم میلسی ضلع ملتان) ہیں' جواب کے آخر میں حضرت فقیہ اعظم نے ۲۹/ صفر المظفر ۱۳۸۹ھ' ۱۷/ مئی ۱۹۶۹ء کی تاریخ کے دستخط ثبت فرمائے ہیں-----(۹)

جلد سوم میں دیا گیا استفتاء بورے والا ضلع وہاڑی کے نامور عالم دین اور مدرسہ احیاء العلوم کے مہتمم مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے موصول ہوا ہے' تاریخ ۱۴/ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۷۱ھ درج ہے-----(۱۰)

جب کہ جلد ششم کا استفتاء مفسر قرآن حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی وساطت سے لندن سے موصول ہوا اور ۲۶/ مئی ۱۹۸۰ء کو جواب تحریر کیا گیا-----(۱۱)

ان تمام فتاویٰ میں رسالہ "افادۃ النشر اوکد الامر" کو کلیدی حیثیت حاصل ہے' باقی فتاویٰ اس کا عکس جمیل ہیں۔ چونکہ تمام فتاویٰ ایک ہی نوعیت کے ہیں اور تمام میں ایک جیسے سوال اٹھائے گئے ہیں' اس لئے دلائل میں تقریباً یکسانیت دکھائی دیتی ہے اگرچہ بعض جگہ نئی جزئیات سے بھی استدلال ملتا ہے اور اضافی پہلو بھی شامل ہیں۔ مستفتی کی ذہنی اور علمی سطح کے مطابق ایجاز و اطناب اور تفصیل و اختصار کو اپنایا گیا ہے۔ سائل نے جس پس منظر میں سوال پوچھا ہے' اسے اسی انداز میں جواب دیا گیا ہے۔ قاری کی سہولت کے پیش نظر رسالہ "افادۃ النشر اوکد الامر" میں موجود عربی عبارات کا ترجمہ مصنف کے ہاتھوں فٹ نوٹ میں دے دیا گیا ہے-----

جلدِ ششم میں شامل فتویٰ لندن سے موصول ہوا ہے اور پاکستانی حالات سے ذرا مختلف حالات کا عکاس ہے' لہٰذا جواب میں بھی اسی پس منظر کو سامنے رکھا گیا ہے-----

اجتہادی پہلو

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ نے یہ بنیادی موقف قائم فرمایا:

"قول محقق و مفتی بہ یہ ہے کہ جب رؤیت ہلال شرعی طور پر ایک جگہ ثابت ہو جائے تو تمام مکانوں میں عمل لازم ہو جاتا ہے' بشرطِ حصولِ یقین و ثبوتِ مذکور یا ظنِ غالب اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ہر ایک مکلّف کو اس کا علم شہادت شرعیہ یا حاکم شرع سے بلا واسطہ یا بواسطہ شاہدین یا خبر مستفیض حاصل ہو تو لزوم ہو ورنہ نہ ہو"-----

(فتاویٰ نوریہ' جلد ۲' صفحہ ۳۰-۱۲۹' پہلا ایڈیشن)

اس پر آپ نے جن جزئیات فقہیہ کے ذریعے دلائل ارقام فرمائے' ان کی ملخص اور مجمل جھلک ہم نے اپنے انداز اور اپنی ضرورت کے مطابق ذیل میں دی ہے' فتاویٰ کی زبان اور فقہی انداز بیان فتاویٰ نوریہ میں ملاحظہ فرمایئے:

1 فتاویٰ عالم گیری' شامی' ثلثین اور ہندیہ کے حوالہ جات اور نقل عباراتِ ہندیہ سے واضح فرمایا کہ تحری سے افطار جائز ہے۔ پھر فرمایا:

اقول و كذا الصيام لعموم-----

"میں کہتا ہوں بوجہ عموم علت روزے کا بھی یہی حکم ہے"-----

کیونکہ تحری غلبۃ الظن کا فائدہ دیتی ہے اور غلبۃ الظن سے واجبات کا وجوب ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا ریڈیو کے ذریعے اعلان مفید غلبۃ الظن ہے اور اس کا اعتبار کرنا لازمی ہے-----

2 غلبۃ الظن ہی کی بنا پر علامہ شامی علیہ الرحمہ نے توپوں کے فائر وغیرہ کو علامات بینہ قرار دیا اور ان سے حاصل ہونے والے علم کی بنا پر عمل لازم قرار دیا-----

3 ردالمحتار کے حوالے اور نقل عبارت سے ثابت فرمایا کہ ان کے زمانے میں توپوں کے فائر کو مفید غلبۃ الظن ہونے کی بنا پر معتبر سمجھا جاتا رہا ہے' اگرچہ فائر کنندہ فاسق ہی کیوں نہ ہو اور امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے اس مذکورہ تحقیق کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے رسالے

"طریق اثبات الھلال" میں توپوں کے فائر اور ڈھنڈورہ وغیرہ کو علامت معتمدہ معروفہ کر کر معتمد سمجھا ہے۔ "اور نشر ریڈیو تو صرف علامت نہیں بلکہ صریح اعلان ومنادی بحکم حاکم اسلام ہے جو مطلق مقبول ہے اگرچہ فاسق ہی کرے" -----

4 مشاہدات وحقائق سے استدلال فرماتے ہوئے فرمایا:

"اخبارات وغیرہا ذرائع سے قیام رؤیت ہلال کمیٹی کا اعلام جس کے ارکان علمائے کرام ہیں اور حکام اسلام کا اہتمام وانتظام کہ بعد از ثبوت شرعی بذریعہ ریڈیو اعلان عام کر دیا جائے گا' پہلے سے ہی مشہور ہو جانا اور بالعموم نشریات کا اجازت خاصہ پر ابتناء اور عوام وحکام سے عدم اختفاء ایسے قرائن ومقدمات ہیں جن سے اعلان تو اعلان خبر واحد بھی مفید یقین وایقان بن جاتی ہے بلکہ ایسی خبر واحد اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ باوجودیکہ ائمہ اصول نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ خبر واحد اگرچہ مخبر متعدد ہوں' ناسخ حکم قطعی نہیں ہو سکتی مگر یہ خبر مخبر عنہ کا حکم قطعی بوجہ قرائن نسخ کر دیتی ہے۔.......الی آخرہ" -----

5 شرع مطہر میں عرف وعادت کا بہت اعتبار ہے' کتب معتمدہ سے صرف اس بنا پر یہ استدلال ہو رہے ہیں کہ وہ عرف عام میں اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں۔ حالانکہ ان مصنفین کی طرف ان کتب کی نسبت قطعی دلائل قائم نہیں۔ یوں ہی خطوط کی نسبت صاحب مکتوب کی طرف قطعی نہیں ہوتی مگر بوجہ عرف وعادت بعض خطوط کی نسبت علماء وفقہاء نے تسلیم کی ہے۔ اسی طرح عرف میں چونکہ ریڈیو کی خبر کو معتبر سمجھا جاتا ہے اور اس کی خبر میں تشکیک وشبہ واقع نہیں کیا جاتا لہٰذا اس اعتبار عرف وعادت کی بنا پر رؤیت ہلال کی خبر کو بھی معتبر سمجھا جائے گا -----

6 ایک شبہ یہ کیا گیا تھا کہ علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت نے توپوں کے فائر وغیرہ کو حجت قرار دیا ہے مگر ان علامات کا دائرہ اس قدر وسیع نہ تھا' جس قدر ریڈیو کی نشریات کا ہے' لہٰذا اس پر قیاس کرنا درست نہیں۔ حضرت فقیہ اعظم نے لکھا:

"بداہتِ عقل شاہد عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلانِ ریڈیو بلا واسطہ رواۃ بلاشک وشبہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں

رکھنا"-----

پھر آپ نے دو دلیلیں قائم فرمائیں :

(۱) حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طیبہ میں "یا ساریۃ الجبل "فرمایا اور اس پر نہاوند کے دور افتادہ مقام پر حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر عمل فرمایا----

(۲) جد الانبیاء حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر رکن اسلام (حج) کی ادائی کے لئے منادی فرمائی، جس پر آج تک شرقاً، غرباً، شمالاً، جنوباً عمل ہو رہا ہے-----

7 اس شک کے ازالہ کے لئے کہ ریڈیو سے نشر ہونے والی خبر واحد سے روزے چھوڑ کر اعلان عید کا اعتبار کیسے درست ہے، آپ نے لکھا :

"فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ متواتر و مستفیض بوجہ افادۂ یقین معتبر ہے حالانکہ تواتر و استفاضۂ احادیث کا فرق صرف اسناد و رواۃ کے لحاظ سے ہی ہے، حتیٰ کہ ایسی خبر واحد جو بلا واسطہ رواۃ موصول ہو وہ متواتر و مستفیض سے افادۂ یقین میں قطعاً کم نہیں"--- (رؤیت ہلال---ایک جائزہ)

اس تعارف کے بعد اب آپ آئندہ صفحات پر سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے تفصیلی فتووں کا مطالعہ فرمائیں-----

فتاویٰ نوریہ کی اس جلد میں رؤیت ہلال سے متعلق چھ استفتاءات کے جوابات شامل ہیں----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

حواشی

(۱)...... چھ مکمل استفتاء ہیں، جب کہ دو استفتاء کسی دوسرے سوال کے ساتھ کیے گئے ہیں۔

(۲)...... استفتاءات کی تواریخ اور مستفتین کے اسماء کی تفصیل کے ضمن میں صفحات اور مجلدات کی ترتیب کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

(۳)...... فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۹۹

(۴)......ایضاً صفحہ ۱۴۷

(۵)...... "الاستفتاء" کے نیچے یہ لکھا ہے---"نوٹ: کاتب دارالافتاء کی عدم موجودگی میں مولوی محمد صدیق نیر النوری ارقام فتویٰ کے وقت استفتاء تحریر کرنا بھول گئے لہٰذا صرف جواب ہی سپرد قلم ہے، صفحہ ۱۵۴"

(۶)...... جواب فتویٰ میں مستفتی کے استدلالات کا ذکر ہے، جس سے ظاہر ہے کہ سائل عالم دین تھے

(۷)...... فتاویٰ نوریہ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۷

(۸) ایضاً، صفحہ ۱۵۸

(۹)...... ایضاً، صفحہ ۱۶۰

(۱۰)...... ایضاً، جلد ۳، صفحہ ۵-۴۵۴

(۱۱)...... ایضاً، جلد ۶، صفحہ ۴۲۶، ۴۲۹

افادة النشر او کد الامر

١٣٧٠ھ

باب رؤیۃ الہلال

رسالہ مسمّٰی باسمِ تاریخی

"افادۃ النشر اوکد الامر"

۱۳

تنبیہ:- یہ فتوے صرف ان اعلانوں کے متعلق ہے جو باقاعدہ شرعی تحقیق و ثبوت کے بعد بحکمِ حاکمِ اسلام ہوں۔

الاستفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے ملتِ غرا و علمائے شریعتِ زہرا اندریں مسئلہ کہ اب جبکہ رؤیتِ ہلال کمیٹی کی باقاعدہ تحقیق و ثبوتِ شرعی کے بعد بانتظام حکومتِ پاکستان ریڈیو کے ذریعہ اعلانِ رؤیت کیا جاتا ہے، آیا اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے تقریباتِ شرعیہ عیدین وغیرہ منا سکتے ہیں؟ بر تقدیرِ نعم ریڈیو اسٹیشن والے شہر اور دوسرے مقامات اندرونِ صوبہ یا بیرونِ صوبہ کا ایک ہی حکم ہے یا متفرق؟ بر تقدیرِ تفریق ما بہ الفرق کیا ہے؟ بینوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

الحمد للہ الذی اعلان مواقیت الاٰن الاھلۃ ثم ایذان یواقیت عطات صیرورتھا بدورا اجلہ والصلوۃ والسلام علی من رغب فی اھتمام امر الھلال وعلیٰ اٰلہ وصحبہ فی المبدأ و المآل علی قدر الجمال والکمال والنوال اما بعد قول محقق ومعتمد یہ ہے کہ جب رویتِ ہلال شرعی طور ایک جگہ ثابت ہو جائے تو تمام مکانوں میں عمل لازم ہو جاتا ہے بشرطِ حصول یقین ثبوتِ مذکور یاظنِ غالب اور یہ قطعاً ضروری نہیں کہ ہر ایک مکلف کو اس کا علم شہادت شرعیہ یا حاکم شرع سے بلا واسطہ یا باواسطۂ شاہدین یا خبر مستفیض حاصل ہو تو لزوم ہو ورنہ نہ ہو، فتاوےٰ عالمگیر ج ا ص ۱۰۰، شامی ج ۲ ص ۴۵، الثلثین ج ا ص ۲۴۷ میں ہے والنظم من الھندیۃ وذکر شمس الائمۃ الحلوانی ان ظاھر مذھب اصحابنا رحمھم اللہ تعالیٰ فی ظاھر الروایۃ انہ یجوز الافطار بالتحری کذا فی المحیط اقول وکذا[للعہ] الصیام لعموم

سہ شمس الائمہ حلوانی نے ذکر فرمایا کہ بلاشک ہمارے اماموں کا ظاہر مذہب ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ افطار تحری سے جائز ہے، اسی طرح محیط میں ہے ۱۲

للعہ میں کہتا ہوں بوجہ عموم علت روزے کا بھی یہی حکم ہے ۱۲

منادی ہا مگر اب جبکہ بانتظامِ حکومتِ پاکستان رؤیتِ ہلال کمیٹی کے حکم سے یعنی علمائے کرام کے حکم سے کہ کمیٹی کے ارکان ہیں، رؤیت ہلال کے ثبوت شرعی کا بذریعہ ریڈیو اعلان کیا جاتا ہے تو اعتبار ضروری ولازم ہو گیا اور دلائلِ مذکورہ جمیع مقامات دور و نزدیک کو شامل ہیں کما لایخفی علی اولی النہی لہذا منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۷۰ میں فرمایا و الظاھر عــه وجوب العمل بھا علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بھا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود۔

رہا ریڈیو جیسا تبلیغِ صوت کا کوئی عمومی ذریعہ زمانِ قدیم میں نہ پایا جانا تو یہ بھی قطعاً مضر نہیں کہ حکمِ کلی بعض جزئیات کے محدود زمانے تک نہ پائے جانے سے مخصوص ومقید بجزئیاتِ موجودہ نہیں ہو جاتا و ذا ابین من ان یبین۔ ثلاثین ج ۱ ص ۱۴۹ میں علامہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے ہے فلا عــه یقال فی الجزئیات التی انطبق علیھا احکام الکلیات انھا غیر منقولۃ ولا مصرح بھا بلکہ بداہت عقل شاہد عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلان ریڈیو بلا واسطہ رواۃ بلا شک وشبہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ دلائلِ شرعیہ قاہرہ باہرہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منادی جو نزدیک والوں کے لئے قابلِ قبول ومعتمد ہو اگر دور والے بھی سن لیں تو ان کے حق میں بھی قابلِ قبول ومعتمد ہی رہتی ہے، تاریخ اسلام پر نظر

عــه اور ظاہر وجوبِ عمل ہے ان فائروں پر ایسے لوگوں کے حق میں جو شہر سے باہر ہوں اور سن لیں جیسے دیہات والے اور ان جیسے جس طرح ان فائروں پر عمل ان شہریوں پر لازم ہے جنہوں نے گواہوں کی شہادت سے پہلے حاکم کو نہیں دیکھا ۱۲

عــه تو ان جزئیات کے متعلق جو قواعد کلیہ کے تحت داخل ہوں یہ نہ کہا جائے کہ وہ غیر منقولہ اور غیر مصرح بہا ہیں ۱۲

بلکہ صریح اعلان و منادی بحکم حاکم اسلام ہے جو مطلقاً مقبول ہے اگرچہ فاسق ہی کرے
فتاوٰے عالمگیر ج ۱ ص ۸۶ میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلا
کان او فاسقا، بلکہ اخبارات وغیرہا ذرائع سے قیامِ رویتِ ہلال کمیٹی کا اعلام جس کے
ارکان علمائے کرام ہیں اور حکامِ اسلام کا اہتمام و انتظام کہ بعد از ثبوتِ شرعی بذریعہ ریڈیو
اعلانِ عام کر دیا جائے گا پہلے ہی سے مشہور ہو جانا اور بالعموم نشریات کا اجازاتِ عامہ
پا بتنا ر اور عوام و حکام سے عدم اختفار ایسے قرائن و مقدمات ہیں جن سے اعلان تو
اعلان خبرِ واحد بھی مفیدِ لیقین والیقان بن جاتی ہے بلکہ ایسی خبرِ واحد اتنی قوی ہو جاتی
ہے کہ باوجودیکہ ائمۂ اصول نے صاف صاف تصریح فرمادی کہ خبرِ واحد اگرچہ بخبر متعدد
ہوں، ناسخِ حکمِ قطعی نہیں ہو سکتی مگر یہ خبر مخبر عنہ کا حکم قطعی بوجہ قرائن نسخ کر دیتی ہے چنانچہ
کتبِ معتمدہ احادیث سے آفتاب و مہتاب کی طرح عیاں ہے کہ تحویلِ قبلہ کے بعد
وہ صحابہ کرام جنہیں علم نہیں ہوا تھا، بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے تو ایک صحابی
نے تحویلِ قبلہ کی خبر دی اور وہ اسی وقت عین نماز میں بیت المقدس سے منہ موڑ کر
کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو گئے حالانکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا ان کی نظر میں اس
وقت تک حکمِ قطعی تھا اور پھر حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انکار
ثابت نہیں بلکہ ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ تقریر فرمائی تو شراح و علماء نے اس کی یہی توجیہ
فرمائی کہ یہ خبرِ واحد بوجہ قرائن محض خبرِ واحد نہ رہی لہٰذا مفیدِ لیقین و ناسخِ قطعی ہو گئی فتح الباری
علی البخاری ج ۱ ص ۴۰۳، شرحِ مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۰۰، مسلم الثبوت اور شرح بحر العلوم
ص ۲۶۹، مختصر المنتہے الاصولی لابن الحاجب اور شرح القاضی العضد ج ۲ ص ۱۹۵، ۱۹۶
میں ہے والنظم للنووی انہ احتفت بہ قرائن و مقدمات افادت

شامی ج ۲ ص ۳۸۰ وحی کی خبر مقبول ہے عادل ہو یا فاسق ۱۲

[1] بلاشبہ اس خبر کا قرائن و مقدمات مفیدِ یقین نے احاطہ کیا اور یہ محض خبر ہونے سے خارج ہو گئی ۱۲

العلم و خرج عن کون خبرا واحدا مجردا۔ عمدۃ القاری شرح البخاری ج ۱ ص ۲۴۸ میں فرماتے ہیں وھو عہ مجمع علیہ من السلف معلوم بالتواتر من عادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی توجیہہ ولاتہ و رسلہ احادا الی الاٰفاق لیعلموا الناس دینھم ویبلغوھم سنۃ رسولہم۔ مختصر المنتہی وشرح العضد ج ۲ ص ۵۵، ۵۶، شرح مسلم بحر العلوم ص ۲۱۴ میں ہے والنظم للقاضی والمختار عہ انہ یفید العلم بانضمام القرائن۔ قاضی عضد نے مزید افادہ فرمایا واعلم سہ ان العدالۃ لیست شرطا فی افادۃ مثلہ للعلم علی ما لا یخفٰی تفتازانی علیہ الرحمۃ نے حاشیہ میں فرمایا لان للعہ التعویل فیہ علی القرائن تبیین ج ۲ ص ۱۲۸ میں ہے ان صہ من جملۃ طرق القضاء القرائن نیز شرع مطہر نے عرف و عادت کا بڑا اعتبار فرمایا ہے، علمائے کرام خط کا اعتبار نہیں فرماتے کہ الخط یشبہ الخط مگر بعض خطوط کا استثناء فرمادیا کہ بوجہ عرف و عادت معتبر ہیں۔ عقود الدریہ ج ۲ ص ۲۰، رد المحتار ج ۴ ص ۴۹۰ میں معتمداتِ کثیرہ سے ہے ان سلہ خط السمسار

عہ اور یہ سلف صالحین سے مجمع علیہ بسبب ثبوت متواتر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ کے اکیلے اکیلے افسروں اور ایلچیوں کے روانہ کرنے میں مختلف علاقہ جات کے لوگوں کو دین اور سنت سکھلانے کے لئے ۱۲

عہ اور مختار یہ ہے کہ بے شک وہ خبر مفید علم ہے انضمام قرائن کے سبب ۱۲

سہ اور بلاشبہ ایسی خبر کے افادہ علم میں عدالت مشروط نہیں چنانچہ یہ پنہاں نہیں ۱۲

للعہ اس لئے کہ اس میں قرائن پر اعتماد ہوتا ہے ۱۲

صہ قرینے اسبابِ فیصلہ سے ہیں ۱۲

سلہ بے شک تاجر اور صراف کا خط دلیل ہے کہ عرف اس پر جاری ہے ۱۲

و الصراف حجۃ للعرف الجاری بہ۔ انہیں میں ہے قد جرت العادۃ[عہ] بین الناس بمثلہ حجۃ۔ نیز فرماتے ہیں قال العلامۃ[سہ] العینی والبناء علی العادۃ الظاہرۃ واجب نیز متنبہ فرمایا کہ ان العمل[للعہ] فی الحقیقۃ انما ہو لموجب العرف لا بمجرد الخط، یہ بھی افادہ فرمایا وھو[ھہ] ماجرت بہ العادۃ فہٰذا کالنطق فلزم حجۃ کما فی الملتقی و الزیلعی من مسائل شتی اٰخر الکتاب و مثلہ فی الھدایۃ و الخانیۃ اور چونکہ مدارِ کار عرف و عادت ہے لہٰذا ص ۱۹۴ میں تعمیم فرمادی کہ مسئلہ[سہ] کل ماجرت العادۃ بہ بلکہ بکثرت ایسی کتبِ معتمدہ ہیں کہ بلا نکیر منکرہ صرف غلبۂ ظن و عرف و عادت کی بناء پر آج ان سے استدلال ہو رہے ہیں کما یدل علیہ تحقیق العلامۃ الشامی فی ج ۴ ص ۲۲۵۔ رہا حلبی و طحطاوی و شامی علیہم الرحمۃ کا طریقِ موجب کے تین فرد بیان فرمانا تو وہ مضر نہیں کہ بطریقِ تمثیل کاف تمثیلیہ سے بیان فرماتے ہوئے افادہ فرمایا کہ ایسے مفیدِ ظن و یقین اور فرد بھی ہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ فائر و اعلان صرف بحالتِ ثبوتِ شرعی رؤیۃ ہلال ہی ہوا کریں کما حققہ امامنا فی طریق اثبات الھلال اور چونکہ انگریزی دور اور پاکستان کے ابتدائی ایام میں یہ حالتِ اعتماد نہ تھی لہٰذا مجبوراً عدمِ اعتماد کا

عہ ضرور جاری ہوئی لوگوں میں ایسے کے دلیل ہونے کی عادت ۱۲

سہ علامہ عینی نے فرمایا عادتِ ظاہرہ پر بناء واجب ہے ۱۲

للعہ بے شک حقیقۃً عمل عرف کی وجہ سے ہے نہ نرے خط سے ۱۲

ھہ اور وہ وہ ہے جو جاری ہوئی ہے اس کی عادت پس وہ مثل بولنے کی ہے تو دلیل لازم ہوگیا جیسے ملتقیٰ و زیلعی میں آخر کتاب کے مسائلِ شتی سے ہے اور ایسے ہی ہدایہ اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے ۱۲

سہ یہی حکم ہے ہر اس چیز کا جو جاری ہوئی عادت اس کی ۱۲

متوفی رہا مگر اب جبکہ باانتظامِ حکومتِ پاکستان رؤیۃِ ہلال کمیٹی کے حکم سے یعنی علمائے کرام کے حکم سے کہ کمیٹی کے ارکان ہیں، رؤیت ہلال کے ثبوت شرعی کا بذریعہ ریڈیو اعلان کیا جاتا ہے تو اعتبار ضروری ولازم ہوگیا اور دلائلِ مذکورہ جمیع مقامات دور و نزدیک کو شامل ہیں کما لا یخفیٰ علیٰ اولی النہیٰ لہٰذا منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۷۰ میں فرمایا و الظاہر وجوب العمل بہا علیٰ من سمعہا ممن کان غائبًا عن المصر کاہل القریٰ ونحوہا کما یجب العمل بہا علیٰ اہل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شہادۃ الشہود۔

رہا ریڈیو جیسا تبلیغِ صوت کا کوئی عمومی ذریعہ زمانِ قدیم میں نہ پایا جانا تو یہ بھی قطعًا مضر نہیں کہ حکمِ کلی بعض جزئیات کے محدود زمانے تک نہ پائے جانے سے مخصوص ومقید بجزئیاتِ موجودہ نہیں ہوجاتا و ذا ابین من ان یبین۔ شلاثین ج ۱ ص ۱۴۹ میں علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ السامی سے ہے فلا یقال فی الجزئیات التی انطبق علیہا احکام الکلیات انہا غیر منقولۃ ولا مصرح بہا بلکہ بداہتِ عقل شاہدِ عدل کہ نزدیک و دور والے دونوں اعلان ریڈیو بلا واسطہ رواۃ بلاشک وشبہ برابر سنا کرتے ہیں تو نزدیک و دور کا تفرقہ محض تحکم اور انکار ضروریات کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ دلائلِ شرعیہ قاہرہ باہرہ سے روزِ روشن کی طرح ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ایسی منادی جو نزدیک والوں کے لئے قابلِ قبول ومعتمد ہو اگر دور والے بھی سن لیں تو ان کے حق میں بھی قابلِ قبول ومعتمد ہی رہتی ہے، تاریخ الاسلام پُرنزدؔ

عہ اور ظاہر وجوب عمل ہے ان فائروں پر ایسے لوگوں کے حق میں جو شہر سے باہر ہوں اور سن لیں جیسے دیہات والے اور ان جیسے جس طرح ان فائروں پر عمل ان شہریوں پر لازم ہے جنہوں نے گواہوں کی شہادت سے پہلے حاکم کو نہیں دیکھا ۱۲

عہ تو ان جزئیات کے متعلق جو قواعد کلیہ کے تحت داخل ہوں یہ نہ کہا جائے کہ وہ غیر منقولہ اور غیر مصرح بہا ہیں ۱۲

منادی فرما رہی ہے کہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ سے دورانِ خطبۂ جمعۃ المبارکہ میں یا ساریۃ الجبل فرمارہے ہیں اور نہاوند کے دور افتادہ پہاڑوں میں حضرت ساریہ سنکر قابلِ قبول مانتے ہوئے جہاد اور اس کی بھی نازک ترین گھڑی میں ہزارہا مجاہدانِ اسلام کی حیات و موت کا مسئلہ اسی ندا سے حل فرمارہے ہیں اور حضرت ذوالنورین و شیرِ خدا مع جمیع احبۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اس کے جواز پر مجتمع دکھائی دے رہے ہیں اور خود قرآن کریم اعلان فرمارہا ہے کہ حضرت جد الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے باذنہٖ تعالیٰ ایک مقام پر کھڑے ہوکر ایک رکنِ اسلام کی ادائیگی کی منادی فرمائی جس پر شرقاً غرباً شمالاً جنوباً اس وقت سے لے کر آج تک ہزارہا برس سے برابر عمل ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا، اللہ رب العالمین نے حکم دیا و اذّن فی الناس بالحج یاتوک الآیۃ کما صرح بہ جمہور المفسرین ویدل علیہ المضارع المجزوم الواقع جواب الامر المتقید بضمیر الخطاب یأتوک۔

نیز فقہائے کرام نے تصریح فرمائی کہ متواتر و مستفیض بوجہ افادۂ یقین معتبر ہے حالانکہ تواتر و استفاضۂ احادیث کا فرق صرف اسناد و رواۃ کے لحاظ سے ہی ہے حتیٰ کہ ایسی خبر جو بلا واسطۂ رواۃ موصول ہو وہ متواتر و مستفیض سے افادۂ یقین میں قطعاً کم نہیں کما بین فی مظانہ وذا اوضح جدا۔

بفضلہ وکرمہ تعالیٰ فقیر کی نظرِ حال میں متعدد آیات، بکثرت احادیث، صدہا جزئیات و قواعد فقہیہ سے مدعائے معہود پر دلائل قائم کئے جاسکتے ہیں مگر بنظرِ اختصار انہیں چند دلائلِ مذکورہ پر اقتصار کیا جاتا ہے کہ متلاشیٔ حق کے حق میں باذنہٖ تعالیٰ یہی کافی اور ضد و عناد کی صورت میں صدہا دفتر بھی ناوافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ

ف اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے ۱۲

تعالیٰ اعلم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ و
بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

(نوٹ) کاتبِ دارالافتاء کی عدم موجودگی میں مولوی محمد صدیق صاحب تیر النوری
اور فتویٰ کے وقت استفتاء تحریر کرنا بھول گئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اخبار، ٹیلیفون اور تار محض اخبار اور اثبات رؤیتِ ہلال کے متعلق بیکار اور بلا اعتبار
ہیں اور سائل نے وغیرہ کی توضیح نہیں کی، اس کا دائرہ بڑا وسیع ہے، بعض معتبر ہے
جیسے خبرِ مستفیض اور بعض مردود جیسے افواہِ بازار اور ریڈیو کی خبر منادی و اعلان عام ہے
اور شہادت کی طرح خبر میں داخل ہے اور وہ قسمِ شہادت ہے جیسے اعتبارِ شہادت کے
لئے شرائط ہیں کہ ان کے بغیر معتبر نہیں یونہی اعلان کے لئے بھی شرائط ہیں پائے
جائیں تو معتبر ہے ورنہ نہیں بنا بر علیہ حاکم اسلام کا ایسا اعلان جو باقاعدہ شرعی ثبوت

پر مبنی ہو یقیناً معتبر ہے عام از یں کہ خود کرے یا کسی کو حکم دے۔ ہمارے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بعد از ثبوتِ ہلال اعلان کرانا روزِ روشن کی طرح ثابت ہے سنن ابی داؤد ج ا ص ۳۲۰، ترمذی ج ا ص ۹۹، نسائی ج ا ص ۳۰۰، ابنِ ماجہ ص ۱۲۰، بیہقی ج ۴ ص ۲۱۱، ۲۱۲، دارقطنی ص ۲۲۸، مستدرک ج ا ص ۴۲۴، مشکل الآثار ج ا ص ۱۰۲ وغیرہا کتب کی احادیثِ کثیرہ شہیرہ میں باسانیدِ متکاثرہ والفاظِ متقاربہ ہے والنظم من ابی داؤد قال (صلی اللہ علیہ وسلم) یا بلال اذن فی الناس فلیصوموا غدا۔ یعنی حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اے بلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں، اور بخاری ج ا ص ۲۵۷، مسلم ج ا ص ۳۵۹ صومِ یومِ عاشورا کے اعلان کرانے کا بیان ہے، فتاوٰی عالمگیر ج ۴ ص ۸۶ میں ہے خبر منادی السلطان مقبول عدلاً کان او فاسقا یعنی سلطانِ اسلام کے اعلان کی خبر معتبر ہے عادل ہو یا فاسق اور جب ثابت ہوا کہ شرعی اعلان معتبر ہے تو اس کا بذریعہ ریڈیو ہونا بے اعتبار نہیں بنا سکتا کہ وہ وہی اعلان تو رہتا ہے جو نہایت واضح اور صریح طور پر وسیع ہو جاتا ہے۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے توپوں کے فائر جیسے دھماکوں کا بھی اعتبار فرماتے ہوئے موجب للعمل قرار دیا ہے، شامی ج ۲ ص ۱۲۵ میں ہے قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع او رؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ۔ واحتمال کون ذلک بغیر رمضان بعید اذ لا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان۔ منحۃ الخالق علی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۷۰ میں فرماتے ہیں لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاھرۃ الدالۃ علی ثبوت الشھر کضرب المدافع فی زماننا والظاھر وجوب العمل

بہا علیٰ من سمعہا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بہا علیٰ اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شہادۃ الشہود۔

اس کا ملخص یہ کہ ایسی علامتیں ظاہرہ جو چاند کے ثبوتِ شرعی کا پتہ دیتی ہیں جیسے ہمارے زمانے میں توپوں کے فائر یا چراغاں کو دیکھنا تو ظاہر یہ ہے کہ اہلِ قری یا ان پر جو شہر سے غائب ہیں اور سن رہے ہیں، ان کے موافق عمل کرنا لازم ہے کہ یہ ایسے نشاناتِ ظاہرہ ہیں کہ غلبہ ظن کے مفید ہیں اور غلبہ ظن عمل کو واجب کر دینے والا ہے جیسے فقہائے کرام نے تصریح فرمائی، اور یہ احتمال کہ یہ فائر یا چراغاں کسی اور سبب سے ہوں بعید ہے۔

امام اہلِ السنت والجماعت مجددِ مائۃ حاضرہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شامی کی اس تحقیق کو برقرار رکھتے ہوئے فرماتے ہیں "بحکمِ حاکم اسلام اعلانِ عام کے لئے ایسی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ" (طریق اثباتِ ہلال ص ۲۲)

ہاں ریڈیو کا وہ اعلان جو بلا ثبوتِ شرعی ہو وہ معتبر نہیں اور یونہی وہ شہادت بھی جو شرعی نہ ہو قابلِ اعتبار ہی نہیں، رہی سائل کی سنی سنائی بے محل طویل لاطائل تقریر تو وہ شرعی اعلانوں کو غیر معتبر قطعاً ثابت نہیں کر سکتی جسے دعویٰ ہو وہ سامنے آئے۔

امام اہل السنت والجماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اعلان ریڈیو کے متعلق جو شرعی طور پہ مبنی ہو قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ غیر معتبر ہے ہاں ایسی عبارات اخبار تار کے رد میں ذکر فرمائیں جو اعلان نہیں، وہ تو صرف شرعی اعلان نہیں بلکہ توپوں کے فائرنگ کو مانتے تھے جیسے ابھی گزر چکا تو ایسے اعلان ریڈیو کو کیسے غیر معتبر فرمائیں، ان کی کسی کتاب میں قطعاً نہیں، اگر دلائل سائل سے اعلانِ ریڈیو کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جیسے سائل کا خیال ہے

تو پھر کوئی اعلان بھی معتبر نہیں رہے گا چہ جائیکہ توپوں کے فائر یا ڈھنڈورے جیسے علاماتِ محضہ کہ ان میں سے کوئی چیز بھی قطعاً شہادت نہیں۔

تعجب ہے کہ طریقِ موجب کو یوں بند کیا جاتا ہے حالانکہ علامہ شامی طحطاوی وغیرہما نے کاف تمثیلیہ سے وسعت پر متنبہ فرمایا بلکہ علامہ شامی نے اماراتِ ظاہرہ توپوں کے فائر وغیرہ کو صراحۃً موجبہ فرمایا کما مر فافھم ان کنت ممن یفھم۔ پھر سائل کا وما اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانہاکم عنہ فانتھوا لکھنا بھی لکیر کا فقیر بننا ہے۔ ہم نے روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیا کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شرعِ اطہر سے اعتبارِ اعلان ثابت ہے تو ما اٰتاکم الرسول کے خلاف کیسے ہے، پھر سائل کا صوموا الرؤیت۔ لکھنا تعجب خیز ہی ہے۔ کیا سائل یہ سمجھتا ہے کہ ایک ایک مکلف مرد و زن چاند دیکھیں تو روزہ وعید لازم ورنہ نہیں اگر یوں ہوتا تو اعلان کیا شہادت بھی نہ رہتی۔ اور عبارتِ ہدایہ سے استدلال بھی عدم اہتدار الی المدعٰی کی دلیل ہے۔ اس عبارت سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ ثبوت شرعی پر مبنی شرعی اعلان غیر معتبر ہے والتفصیل فی الفتاوی النوریۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ رشوال المکرم

۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ رؤیتِ ہلال میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں، نیز ظاہر ہے کہ ہمارے پنجاب کے کسی علاقے میں جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو چاند نظر نہیں آیا ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنے والوں کا روزہ توڑنا شرعاً کیسا ہے، توڑنے والے کی تعزیر مقرر فرمائیے اگر روزہ توڑنا درست ہے تو اس کو بُرا بھلا کہنے والوں کی سزا شرعاً کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: حافظ محمد الٰہی بمقام چک نمبر ۵ رتی ارائیاں ڈاکخانہ خاص تحصیل و ضلع شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اعلان جو حکومت کی طرف سے ہو معتبر ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۴ ص ۸۶ میں ہے،

خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا، اعلان تو نقارہ توپ وغیرہ کا ہر زمانے میں معتبر مانا گیا ہے جبکہ صرف ایک مخصوص کھڑکے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تو ریڈیو کا اعلان کیوں معتبر نہ ہو جبکہ صاف صاف انسانی الفاظ سنے جاتے ہیں البتہ یہ امر قابلِ غور ہے کہ حاکمِ شرع نے شرعی احکام کے مطابق اعلان کا حکم دیا ہے یا ویسے ہی کسی نے اپنی طرف سے کروا دیا۔ یہ کہنا کہ پنجاب کے کسی علاقے میں چاند نظر نہیں آیا غلط ہے، اعلانِ ریڈیو میں یہ بات نہیں کہی گئی مگر اس کو غیر معتبر کہنے والوں نے اسی اعلان سے اپنی غلط سمجھی ہوئی بات کا اعتبار کر لیا ہے، یہاں بصیر پور میں شرعی رؤیۃ

کے لحاظ سے پہلا روزہ جمعہ کا ہے، روزہ توڑنے والے نے شرعی دلیل سے توڑا ہے تو اس کو ہرگز برا نہ کہا جائے، تعزیر و سزا کا مقرر کرنا یا حکم دینا حاکمِ اسلام کا کام ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

البانی والمہتمم لدار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۱۲/۶۸ء

الاستفتاء

بخدمت جناب مفتی زمان علامۂ دوران شمس العلماء افضل الفضلاء،

حامی شریعت ماحی بدعت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عرض ہے کہ مندرجہ ذیل سوالات کے متعلق براہِ کرم بحیثیتِ شرع جواب فرما کر ہمیں اپنے فیوضات سے مستفیض فرمائیں فاجروا۔

۱۔ رؤیتِ ہلال کے بارہ میں ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

۲۔ جو ہلال کمیٹی بنائی گئی ہے اس کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ اگر ان کی طرف سے رؤیتِ ہلال کی خبر ملے تو کیا حکم ہے؟

۳۔ ماہِ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ کے چاند کے بارہ میں جو ریڈیو کی خبر نشر ہونے

سے علاوہ اور ملک میں عدمِ رؤیتِ ہلال کا ثبوت مل رہا ہے، اس میں فیصلہ فرمائیں کیا واقعی چاند نظر آیا ہے یا نہیں؟ جمعہ کے روزہ کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

السائل:۔ محمد اکرم نقشبندی مجددی عفی عنہ موضع اسمٰعیل اعوان تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:۔ فقیر بہت زیادہ مصروف ہے مگر آپ کی فوری طلب کے پیشِ نظر نہایت مختصر جواب حاضر ہے:

۱۔ ریڈیو کی خبر جس کا اصل نام اعلان ہے کیوں غیر معتبر ہے جبکہ نقارہ توپ وغیرہ کے فقط کھڑکے ہی اعلان میں معتبر ہو سکتے ہیں۔

۲۔ اگر ہلال کمیٹی میں سُنّی عالِم کامل ہے جو شرعی دلیل سے حکم کرتا ہے تو معتبر ہے۔

۳۔ آپ نے سن بالکل غلط لکھا ہے، سنِ حال ۱۳۸۸ھ ہے اور ۱۳۶۸ھ نہیں، البتہ سن عیسوی ۱۹۶۸ء ہے، آپ نے کمال عجلت سے دوسرے سن کا ۶۸ اور پہلے کا ۱۳ سو لیکر نیا سن بنا دیا، بہرحال امسال یکم رمضان المبارک یوم الجمعہ ہے۔ یہاں بصیر پور سے مجھے شہادتِ شرعیہ ملی ہے لہٰذا جمعہ کا روزہ صحیح اور فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۸ر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ ۶۸-۱۲-۹

الاستفتاء

بخدمت جناب فیض درجت فیض راحت فیض مآب حضرت قبلہ
فقیہ اعظم محمد نور اللہ صاحب مدظلہم العالی ۔

بعد از ہدیہ تبریک سلام مسنون عرض ہے: مندرجہ ذیل مسئلہ کا جواب تحریر فرماکر مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی:۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین دریں مسئلہ چاند دیکھنے کا ثبوت ریڈیو یا ہلال کمیٹی یا ٹیلی فون تار وغیرہ کے اعلان سے از روئے شرع کے معتبر ہے یا نہیں؟ ہلال کمیٹی یا ریڈیو کے اعلان سے روزہ رمضان شریف رکھ سکتے ہے عید پڑھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

نیاز مند: محمد عنایت اللہ بخاری ہیلیسی مدرس مصباح العلوم پیپل بازار ہیلیسی ضلع ملتان ۵/۹۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً اعلان کے لئے کوئی ایک صورت متعین نہیں حتّٰی کہ نقارہ بجانا، توپ کا فائر یا چراغاں کرنا بھی اعلان بن سکتا ہے تو ریڈیو کا اعلان بھی معتبر ہو سکتا ہے۔

سائل کا سوال کوئی واضح نہیں لہذا اسی اصولی جواب پر اکتفا ہے، اگر باقاعدہ شرعی ثبوت ہو جائے تو شرعی اعلان اگرچہ ریڈیو کے ذریعہ ہی ہو اس پر رمضان شریف کے روزے اور عید مرتب ہو سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ

حررہٗ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۹ر صفر ۱۳۸۹ھ ۱۷/۵/۶۹

الاستفتاء

(نوٹ) مدینہ منورہ سے ۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کے تحریر کردہ خط میں مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ نوری نے بطورِ استفتاء یہ مسئلہ لکھا ہے :۔

ایک شخص جدہ سے چاند عید کا دیکھ کر جائے، کراچی روزہ نہ رکھے لیکن احتراماً کھائے بھی نہ، کیا یہ درست ہے؟ یعنی عرب شریف میں شام کو چاند دیکھ کر بذریعہ طیارہ رات ہی کراچی آگیا اور یہاں چاند نظر نہیں آیا تھا بلکہ رمضان المبارک کی ۲۸ ویں رات تھی (کما فی ہذا العام) یا ۲۹ ویں یا ۳۰ ویں شب یا یوم تھا اور یہاں کے لوگوں پر حسبِ دستور روزہ لازم تھا تو وہ کیا کرے جبکہ عید الفطر کا چاند دیکھ کر آیا ہے تو اس سوال کا یہ جواب کہ کراچی روزہ نہ رکھے کیونکہ وہ خود چاند دیکھ چکا ہے مگر احتراماً کھائے بھی نہ کیونکہ کراچی میں ابھی رمضان المبارک منایا جارہا ہے، کیا یہ جواب صحیح ہے یا یہ کہ یہاں کے روزہ داروں کی موافقت کرتے ہوئے باقاعدہ روزہ رکھے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

[illegible] یہ ہے کہ موافقت و روزہ لازم ہے کیونکہ جماعتِ مسلمین جبکہ وہ اکثریت میں ہوں اور

اپنے طور حسبِ دستورِ شرع رمضانِ پاک یا عید قربانی منا رہے ہوں یا حج کے لئے عرفات کی حاضری دیں تو ان کی موافقت ضروری ہے کیونکہ عند اللہ تعالیٰ وہ ایام رمضان یا عید اور یوم عرفہ ہی شمار ہوں گے حضرتِ ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیثِ مرفوع صحیح ترمذی ص ۱۱۱ میں ہے الفطر یوم یفطر الناس والاضحٰی یوم یضحی الناس، اور سننِ بیہقی ج ۴ ص ۲۵۲ میں موقوفاً ہے النحر یوم ینحر الناس والفطر یوم یفطر الناس. اور حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ مرفوع سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۱۸، سنن بیہقی ج ۴ ص ۲۵۲ میں ہے فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون، ترمذی ج ۱ ص ۱۰۰ کے کلماتِ طیبات الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفطرون والاضحٰی یوم تضحون ہیں، سنن بیہقی میں با ایں کلماتِ مبارکہ بھی ہے صومکم یوم تصومون واضحاکم یوم تضحون، ابنِ ماجہ ص ۱۲۱ میں ہے الفطر یوم تفطرون والاضحٰی یوم تضحون، مبسوط ج ۳ ص ۵۷، بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۶، زیلعی ج ۲ ص ۹۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۸۶، بحر الرائق ج ۳ ص ۴۷، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۵۵۸ میں مرفوع حدیث شریف میں یہ اضافہ بھی ہے عرفتکم یوم تعرفون اور مبسوط وبدائع میں ہے فی روایۃ حجکم یوم تحجون۔

ان سب احادیث کا مفاد یہی ہے چنانچہ ترمذی شریف ص ۱۰۰ میں ہے انما معنی ھذا الصوم والفطر مع الجماعۃ وعظم الناس فتح القدیر ج ۳ ص ۸۶، تبیین الحقائق ج ۲ ص ۹۳، بحر الرائق ج ۳ ص ۴۷، طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۵۵۸ میں ہے والنظم لمن سوی الزیلعی ای وقت الوقوف بعرفۃ عند اللہ تعالیٰ الیوم الذی یقف فیہ الناس عن اجتہاد ورأی انہ یوم عرفۃ۔ اور فتح القدیر ج ۲ ص ۹۴ ۲ میں ہے ان

المعنی الذی ب۔ تستقیم الاخبار ان الصوم المفروض یوم یصوم الناس و الفطر المفروض یوم یفطر الناس اعنی بقید العموم اور صوم و حج میں فقہائے کرام کے نزدیک بھی ان احادیث کا یہی معنی متعین ہے بنا ئً علیہ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اکیلا ہلالِ فطر دیکھنے والا لزومًا روزہ رکھے، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۵، تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۸، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲، ص ۱۲۳، طحاوی علی الدر ج ۱ ص ۴۴۵، ہدایہ، فتح القدیر ج ۲ ص ۲۵۲، فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۱۰۱ میں ہے والنظم منہا من راٰہ وحدہ لایفطر اخذا بالاحتیاط فی العبادۃ بلکہ اگر خود خلیفہ یا قاضی اکیلا دیکھ لے تب بھی اس پر روزہ لازم ہے، ہندیہ میں ہے لو رأی الامام وحدہ او القاضی وحدہ ہلال شوال لا یخرج الی المصلی ولا یأمر الناس بالخروج لاسرا ولا جھرا اور یونہی اکیلا رمضان کا چاند دیکھے اور اس کا قول نہ مانا جائے تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ عید کرے حتّٰی کہ اگر اس کے تیس پورے ہو گئے اور عید الفطر کا چاند ثابت نہ ہوا تو لوگوں کے تیسویں روزے کے ساتھ یہ اکتیسواں روزہ رکھے۔ تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۱۹، بحر الرائق ج ۲ ص ۲۶۶ میں بالفاظِ متقاربہ ہے ان المنفرد برؤیۃ ھلال رمضان اذا صام و اکمل ثلاثین یوما لم یفطر الا مع الامام۔

رہا مسئلۂ اختلافِ مطالع تو اس کا عدمِ اعتبار ظاہر الروایہ سے ثابت ہے، اس بنا پر اگر شہادتِ شرعیہ سے کراچی بھی چاند ثابت ہو گیا اور عید منائی جائے تو وہ شخص بھی لزومًا عید منائے گا مگر پاکستان میں عملاً اختلافِ مطالع معتبر ہے یعنی عرب

مع یصرح بہ فی البدائع و تبیین الحقائق وغیرھما وھو المستفاد من قولہ تعالٰی فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ وھو الظاھر عندی وما تشبثوا بہ من ان الحکم علی الرؤیۃ لا یقوم حجۃ کما فی الرافعی و قد فہمت قبل رؤیتہ وکتبت علی حاشیتہ ما یوضح المراد و یحقق واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ

مع و معانی ظاھر الروایۃ فھو اول عندی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ

شریف میں چاند ہونا اگر پاکستان میں شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہوجائے تب بھی عید نہیں منائی جاتی تو کراچی والوں کے ساتھ اس شخص پر بھی روزہ لازم ہوگا اور اگر جدہ سے دیگر آنے والے متعدد ہوں تو پھر بھی یہی حکم ہے بحکم الحدیث المبارک اکثریت وجماعت کا ہی اعتبار ہے چنانچہ منحۃ الخالق ج ۲ ص ۲۶۶ میں ہے وافاد الخیر الرملی انہ لو کانوا جماعۃ وردت شہادتہم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم کذلک اقول وکذلک اذا جاءوا من البلد البعید الذی مختلف مطلعہ واعتبر اختلاف الحاضرون فی البلد المجیٔ الیہ لان العلۃ موجودۃ ھٰہنا ای الاعتبار للجمہور والاکثرین بحکم الاحادیث الشریفۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی المحبوب الاعظم وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ر شوال المکرم یوم الاربعاء ۱۳۹۳ھ

بمطابق ۳۱/۱۰/۷۳ بعد الظہر

اعتکاف

باب الاعتکاف

اعتکاف 'عکوف سے ہے۔ جس کا معنی ہے 'ٹھہرنا-----

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

العکوف الاقبال علی الشئ و ملازمته علی سبیل التعظیم له-----(المفردات' جلد ۳' صفحہ ۱۳۶)

"عکوف کے معنی ہیں کسی جگہ رہنے کو تعظیماً لازم کر لینا"-----

اصطلاح شریعت میں اس سے مراد ہے' مسجد میں بہ نیت عبادت کسی معین مدت کے لئے مقید ہونا کہ بجز بشری ضرورتوں کے مسجد سے باہر نہ نکلا جائے:

هو الاحتباس فی المسجد علی سبیل القربة-----(المفردات' جلد ۳' صفحہ ۱۳۶)

اعتکاف ایک قدیم عبادت ہے' اللہ رب العزت جل وعلا نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو حکم فرمایا:

ان طهرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود-----(البقرہ: ۱۲۵)

"تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف بیٹھنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو"-----

آغاز وحی سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی غار حرا میں خلوت گزینی ایک گونہ اعتکاف کی صورت تھی-----

اعتکاف ایک کریم اور جواد کے دروازے پر جم کر بیٹھ جانے کا نام ہے۔ دروازے والے کو اپنے دروازے کی لاج ہوتی ہے۔ وہ کریم' گھر (مسجد) میں آنے والے کو محروم نہیں رکھے گا۔ اعتکاف کے ذریعے دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کے حضور متوجہ ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ خاص طور پر رمضان المبارک میں بیس دن اور راتیں انعامات الٰہیہ کی برکھا سے متمتع ہونے کے بعد روح نکھر نکھر جاتی ہے' دلوں کے زنگ اترنے لگتے ہیں تو آخری عشرہ یکسوئی کے ساتھ مسجد میں گذارنے سے دل صیقل ہو جاتے ہیں اور انوار و تجلیات ربانیہ کا حقیقی رنگ چڑھ جاتا ہے-----

رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ ہر سال اعتکاف فرماتے' بلکہ ایک سال کسی وجہ سے رہ گیا تو اگلے سال بیس دن کا اعتکاف فرمایا-----

اعتکاف تین قسم کا ہے:

(۱)......واجب (۲)......سنت مؤکدہ (۳)......نفل

واجب

وہ اعتکاف ہے' جس کی نذر مانی جائے' اس کی کم از کم مدت ایک دن اور ایک رات ہے-----

سنت مؤکدہ

رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف۔ یہ سنت مؤکدہ کفایہ ہے' یعنی محلہ یا شہر میں سے اگر کوئی اعتکاف کر لے تو سنت ادا ہو جاتی ہے اور اگر کسی کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی تو سب ترک سنت کے مرتکب ہوں گے-----

نفل

اس اعتکاف کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے' آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو اور یہ نیت کرلے کہ جب تک میں مسجد میں رہا' اعتکاف سے رہوں گا۔ اسے اعتکاف حکمی بھی کہتے ہیں اور اس کا اجر یہ ہے کہ جب تک مسجد میں رہا' معتکف کا اجر و ثواب پاتا رہے گا-----

اعتکاف واجب کے لئے روزہ شرط ہے جب کہ نفلی اعتکاف میں روزہ کی شرط نہیں ہے-----

☆ رمضان کے آخری دس روزہ اعتکاف کی نیت شرط ہے-----

☆ اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے' جہاں پانچ وقت اذان' اقامت اور جماعت ہوتی ہو-----

☆ اعتکاف کے لئے اسلام' عقل اور جنابت' حیض و نفاس سے پاک ہونا شرط ہے-----

☆ صحت اعتکاف کے لئے بلوغ شرط نہیں ہے بلکہ سمجھ دار نابالغ بچہ بھی اعتکاف بیٹھ سکتا ہے۔ عورتیں گھر میں کوئی جگہ مخصوص کر کے اعتکاف کریں اور سوائے حاجت انسانی کے اس جگہ سے باہر نہ نکلیں۔ عورت کے لئے مسجد میں اعتکاف مکروہ ہے-----

☆ معتکف انسانی حوائج ضروریہ (قضائے حاجت' استنجا اور غسل فرض) اور وضو کے لئے باہر جاسکتا ہے-----

☆ شرعی عذر کے بغیر مسجد سے نکلنے کی وجہ سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے' مریض کی عیادت' جنازہ' ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی غرض سے مسجد سے باہر نہ نکلے ورنہ اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ مجامعت بوسہ دینے' معانقہ کرنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے-----

☆ اگر گھر سے کھانا لانے والا کوئی نہ ہو تو گھر سے کھانا خود لا سکتا ہے-----

☆ معتکف کے لئے مسجد میں کھانا' پینا' سونا' دینی کتب کا مطالعہ کرنا' دینی مسائل بیان کرنا' گفتگو کرنا بشرطیکہ وہ آداب مسجد کے منافی نہ ہو' جائز ہے-----

☆ حالت اعتکاف عبادت سمجھ کر خاموش رہنا منع ہے' ہاں گناہوں سے بچنے کے لئے خاموشی اختیار کرنا بہتر ہے-----

آداب

☆ معتکف کو چاہئے کہ وہ مسجد میں غیر ضروری گفتگو سے بچے-----

☆ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مشغول رہے-----

☆ قرآن کریم کی تلاوت' احادیث اور فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے' انبیائے کرام اور صالحین کی سیرت و سوانح کا مطالعہ کرے-----

☆ ذکر الٰہی' استغفار' درود شریف اور نوافل کی کثرت رکھے' قضا ہونے والی نمازیں زیادہ سے زیادہ پڑھنے کی کوشش کرے-----

☆ نماز باجماعت اور تکبیر اولیٰ فوت نہ ہونے دے۔ اپنے اوقات کو حقیقتاً یا حکماً نماز میں مصروف رکھے کیوں کہ معتکف مسجد میں رہ کر نماز باجماعت کا منتظر رہتا ہے اور نماز کے انتظار کرنے والے کو اللہ جل شانہ نماز ہی کا ثواب دیتا ہے۔ گویا نیت صالح ہو تو معتکف کو ہمہ وقت نماز کا ثواب ملتا رہے گا-----

☆ افضل مسجد میں اعتکاف کرے' مثلاً:

مسجد حرام' مسجد نبوی شریف' بیت المقدس' جامع مسجد یا جن مساجد میں نمازی زیادہ ہوں-----

☆ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ وہ ۲۰ رمضان المبارک کو غروب آفتاب سے پہلے پہلے نیت کر کے مسجد میں معتکف ہو جائے اور عید کا چاند نظر آنے تک (۲۹ یا ۳۰ رمضان کو غروب آفتاب تک) معتکف رہے-----

☆ اعتکاف کی حدیث پاک میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اعتکف عشراً فی رمضان کان کحجتین و عمرتین-----

(شعب الایمان للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۴۲۵ حدیث ۳۹۶۶)

"جس شخص نے رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا گویا کہ اس نے دو حج اور دو عمرے کر لئے"۔۔۔۔۔۔

امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، ہمیں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے آپ نے فرمایا:

للمعتكف كل يوم حجة ۔۔۔۔۔۔ (شعب الایمان حدیث ۳۹۶۸)

"معتکف کے لئے روزانہ ایک حج کا ثواب ہے"۔۔۔۔۔۔

فتاویٰ نوریہ کے باب الاعتکاف میں صرف ایک استفتاء ہے جس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ دوران اعتکاف دینی مسائل بیان کرنے اور جائز گفتگو کی اجازت ہے۔۔۔۔۔۔

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

بابُ الاعتکاف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماری مسجد میں ہمارے پیش امام صاحب اعتکاف بیٹھے ہیں مگر ان کا اعتکاف نرالا ہی ہے کہ نہ تو وہ عام معتکفین کی طرح ہر وقت اوڑھے رہتے ہیں بلکہ ننگے منہ جماعت بھی کراتے ہیں، باہر پیشاب پاخانے جاتے وقت بھی ننگے منہ جاتے ہیں اور نہ ہی مطلقاً خاموشی دائمی اختیار کی ہے بلکہ نماز کے بعد درس بھی دیتے ہیں، بچوں کو سبق بھی پڑھاتے ہیں، جمعہ میں تقریر بھی کرتے ہیں اور معترضین کے اعتراضوں کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ لوگ اس کے پاس جاکر مسائل پوچھیں تو ان سے بھی باتیں کرتے ہیں اور جوابِ مسائل بھی دیتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ جمعہ کے دن چند باہر کے لوگ بعد از جمعہ مولوی صاحب کے پاس گئے اور مولوی صاحب سے کہا کہ ہم اس لئے سفر کر کے آتے ہیں کہ جمعہ پڑھیں گے اور چند مسائل دریافت کریں (وہ لوگ مختلف گاؤں کے امام تھے) تو مولوی صاحب ان سے ہمکلام ہوئے اور ان کے سوالوں کا جواب دیتے رہے اور ایک دن ایک مولوی صاحب سے یوں بھی کہہ دیا کہ آئیے نعت سنائیے، بلکہ جب کوئی ان کا دوست

علماء آجائے تو اس سے ملتے بھی اور باتیں بھی کر لیتے ہیں اور ان کے ساتھ کھانا بھی کھا لیتے ہیں، تو کیا یہ سب مندرجہ بالا کام معتکف کے لئے جائز ہیں؟

ہمارے ایک شاہ صاحب ہیں، فرماتے ہیں کہ اعتکاف فرض کفایہ ہے اور معتکف کے لئے بات وغیرہ کرنا قطعاً جائز نہیں ہے بلکہ جماعت بھی نہ کرانی چاہئے وہیں گوشے میں بیٹھے رہنا ضروری ہے، جماعت کے لئے خادمِ مسجد کو کہہ دیں اور جب جماعت میں آویں تو پردہ ضروری ہے بلکہ پانچ ساڑھے پانچ گز چادر اوڑھ کر گوشہ سے نکلیں، اب یہ امام صاحب ان باتوں سے منافق ثابت ہو گئے ہیں ان کے پیچھے تو نماز بھی جائز نہیں، ہم تو مجبوراً پڑھتے ہیں، کل ان شاہ صاحب کو انوارِ بارک اللہ سے ان باتوں کا جائز ہونا اور بخاری شریف کی وہ روایت سنائی جس میں مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ السلام کا حالتِ اعتکاف میں سر دھونا اور کنگھی کرنا ہے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ انوار کوئی معتبر کتاب نہیں اور بخاری تو سکھوں کی بھی چھپی ہوئی ہے اس کا کیا اعتبار ہے، لہذا آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ آپ شریعت کی رو سے فیصلہ فرماویں کہ شاہ صاحب کی باتیں کہاں تک صحیح ہیں، نیز اعتکاف سنت ہے یا فرض اور کفایہ کا کیا مطلب ہے، مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر محلہ یا بستی سے کوئی بھی اعتکاف نہ بیٹھے تو سب گنہگار ہیں، شاہ صاحب اس کو بھی غلط کہتے ہیں۔ بینوا توجروا من رب العلمین۔

۲۵ رمضان المبارکہ ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

امورِ مذکورہ سوال شرعاً معتکف کے لئے سب جائز ہیں، قرآن کریم اور احادیث

شرعیہ قولیہ و فعلیہ و تقریریہ سے، قرآنِ کریم فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ ارشاد ہے ولٰکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ۔ اور یہ بھی حکم فرمایا وتعاونوا علی البر والتقویٰ نیز یہ بھی حکم فرمایا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر نیز فرمایا الا الذین اٰمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر، نیز ارشاد فرمایا لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا وغیرہا صدہا آیات ہیں جن سے جواز بلکہ بہت سی چیزوں کا فرض ہونا مطلقاً ثابت ہے۔

ان آیات کا ترجمہ کسی حافظ صاحب سے نکلوا کر خود پڑھ لیں، اور قرآنِ کریم میں تو صاف فرمایا ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد یعنی اعتکاف کی حالت میں بیویوں سے مباشرت کو منع فرمایا ہے نہ کہ سب چیزیں ہی حرام ہو گئیں۔ اگر آپ کا یہ بیان درست ہے کہ شاہ صاحب نے واقعی یہ سب کچھ کہا ہے تو اگر لوگوں کو ان سے ہمدردی ہے تو ان کے دل و دماغ کا کسی حاذق حکیم یا ڈاکٹر سے علاج کرائیں، مخبوط الحواس کے سوا ایسے بے تکا اور بے جا اعتراض کوئی کہہ ہی نہیں سکتا ہاں اگر کوئی مفتری معاند براہِ شرارت کرے تو وہ اور بات ہے، قرآنِ کریم نے فرمایا ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھٰذا حلال وھٰذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ متاع قلیل ولھم عذاب الیم۔

آپ حضرات بھی بہت ہی عجیب مذاق کے واقع ہوئے ہیں، کوئی کچھ کہہ دے خواہ عقل و انصاف سے کتنا ہی دور اور صاف صاف غلط ہو آپ فتوے پوچھنے

شروع کر دیتے ہیں، کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے کہ جو صحیح بخاری کو صرف اس وجہ سے نہیں مانتا کہ کبھی سکھوں نے بھی اس کو چھاپ لیا تو وہ قرآنِ کریم کو کیسے مانے گا کہ قرآن کریم کو بھی سکھ چھاپتے رہتے ہیں ؏ جوابِ جاہلاں باشد خموشی، پر یہی عمل بہتر ہے مجھے زیادہ فرصت نہیں لہٰذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ طالبِ حق کیلئے ایک حرف بھی کافی ہے اور ہٹ دھرمی ہو تو دفتر بھی ناکافی۔ اعتکاف فرض مطلقاً نہیں اور منت سے واجب ہو جاتا ہے اور ماہِ رمضان کے عشرۂ آخر کا سنت کفایہ ورنہ مستحب ہے اور سنت کفایہ کا یہ مطلب ہے کہ ایک ادا کرے تو ترکِ سنت کا بوجھ اہلِ محلہ پر نہیں رہے گا اور اگر سب ترک کر دیں تو سب زیرِ بار رہیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶ ر رمضان المبارکہ ۵،

حج

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَيْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةُ (مسلم)

حج مبرور کی جزاء جنت ہی ہے

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ
مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا (آل عمران : ۹۷)

"اور اللہ کے لئے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا فرض ہے جو
طاقت رکھتا ہے وہاں تک پہنچنے کی۔"

تعارف کتاب الحج

حج کا شرعی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے امام ابن اثیر لکھتے ہیں :

الحج فی اللغة القصد الی کل شئ فخصه الشرع بقصد معین ذی شروط معلومة-----

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر' جلد ا' صفحہ ۲۳۴' مطبوعہ مصر)

"حج کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی طرف قصد و ارادہ کرنا' جبکہ اصطلاح شریعت میں شرائط معلومہ کے ساتھ معین قصد کو حج کہتے ہیں"-----

علامہ اصفہانی کہتے ہیں :

اصل الحج القصد للزیارة و خص فی تعارف الشرع بقصد بیت الله تعالیٰ اقامة النسک-----

(المفردات فی غرائب القرآن' جلد ا' صفحہ ۳۰-۲۲۹)

"حج کا اصل معنی قصد زیارت ہے' شرعی اصطلاح میں اسے عبادت کی نیت سے بیت اللہ شریف کی زیارت کے لئے مخصوص کر لیا گیا ہے"-----

حج' اسلام کا پانچواں اور عبادات میں چوتھا اہم رکن ہے' جو مالی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے۔ یہ

۹ھ میں فرض ہوا۔۔۔۔۔رسول اللہ ﷺ نے اپنے وصال سے صرف تین ماہ پہلے ۱۰ھ میں حج ادا فرمایا اسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔ حج ہر صاحب استطاعت مسلمان پر عمر میں ایک بار فرض ہے۔۔۔۔۔

حج، قرب الٰہی اور عشق و محبت کی داستان ہے۔ بندۂ مومن عشق الٰہی میں بے خود ہو کر کفن نما لباس زیب تن کئے، ننگے سر، بکھرے ہوئے بالوں اور میلے کچیلے جسم کے ساتھ لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتا صحن حرم میں داخل ہوتا ہے، اور دیوانہ وار کعبۃ اللہ کے گرد چکر لگاتا ہے۔ کبھی صفا و مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، پھر تلاش محبوب میں سرگرداں شہر مکہ چھوڑ کر منیٰ، عرفات اور مزدلفہ کی وادیوں میں صحرانوردی کرتا ہے۔ غرض مختلف اطوار و انداز سے محبت الٰہی میں سرگرداں ہو کر اسی رسم عاشقی کو تازہ کرتا ہے، جس کے بانی اللہ تعالیٰ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔۔۔۔۔

حج کو اسلام کی سالانہ کانفرنس کا درجہ حاصل ہے۔ جہاں مختلف رنگ، نسل، زبان اور وطن کے افراد وحدت اسلامی کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں، اسلامی وحدت و یگانگت کے اس عالمگیر اور روح پرور اجتماع کی نظیر دنیا کی کسی قوم اور کسی مذہب میں نہیں ملتی۔۔۔۔۔

حج، نفس انسانی کی تطہیر و تہذیب کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتا ہے، الغرض حج ایک جامع عبادت اور گوناگوں دینی و دنیوی فوائد اور اجر و ثواب کا ذریعہ ہے

شرائط

فرضیت حج کے لئے چند شرائط ہیں، یہ پائی جائیں تو حج فرض ہو جاتا ہے:

۱...... اسلام

۲...... عقل

۳...... بلوغ (بچہ اگر حج کرے تو نفلی ہوگا)

۴...... حریت

۵...... زاد سفر یعنی ضروریات سفر اور واپسی تک اہل خانہ کی کفالت کے لئے اخراجات کا انتظام ہو

۶...... صحت و سلامتی۔۔۔۔۔ مفلوج، اپاہج، نابینا، بیمار، انتہائی کمزور اور بوڑھا نہ ہو

۷...... راستہ پُر امن ہو

عورت پر حج فرض ہونے کے لئے مزید دو شرطیں ہیں:

۱..... شوہر یا ایسے محرم کی رفاقت' جس سے ہمیشہ نکاح حرام ہو

۲..... عدت میں نہ ہو

فرائض

حج کے تین فرض ہیں:

(۱) احرام (یہ شرط ہے) میقات (معینہ حدود) سے پہلے عام لباس اتار کر ان سلی چادریں پہننا (عورت کے لئے عام لباس ہی احرام ہے) احرام کے کپڑے پہن کر دو رکعت نماز پڑھی جائے اس کے بعد حج کی نیت سے تلبیہ پڑھے:

لبیک اللھم لبیک' لبیک لا شریک لک لبیک' ان الحمد و النعمة لک و الملک' لا شریک لک-----

تلبیہ پڑھنے کے بعد آدمی محرم ہو جاتا ہے-----

(۲) ۹/ذی الحجہ کو میدان عرفات میں حاضری' شرعی اصطلاح میں اسے وقوف عرفات کہتے ہیں-----

(۳) طواف زیارت-----وقوف عرفات اور رمی و قربانی کے بعد طواف' جسے طواف زیارت کہا جاتا ہے (وقوف عرفات اور طواف زیارت' یہ دونوں حج کے رکن ہیں)-----

حج کے واجبات

غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف' مزدلفہ میں نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے قبل تک وقوف' صفا مروہ کی سعی' جمروں کی رمی (منیٰ میں شیطان کو کنکریاں مارنا)' قارن و متمتع کا قربانی کرنا' حلق (سر منڈانا) یا قصر (بال کٹانا)' افعال حج میں ترتیب اور طواف وداع وغیرہ-----

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں:

۱ حج افراد

۲ حج تمتع

۳ حج قران

حج افراد

صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے' اور اس کے ساتھ حج کے مہینوں میں عمرہ نہ ملائے (حج کے مہینوں سے مراد شوال' ذیقعد اور ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں) یکم شوال سے پہلے حج کے لئے احرام باندھنا مکروہ ہے ----- اہل مکہ کو صرف حج افراد کی اجازت ہے -----

حج تمتع

حج اور عمرہ کو اکٹھا کرنا' اس طرح کہ حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ ادا کیا جائے' عمرہ کا احرام کھولنے کے بعد حج کا احرام باندھا جائے ----- تمتع کی دوسری صورت بھی ہے کہ عمرہ کا احرام باندھنے والا اپنے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) لے جائے' اس صورت میں عمرہ سے فارغ ہو کر احرام عمرہ کھولے بغیر اس پر احرام حج باندھا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں تمتع کی اس صورت پر عمل نہایت مشکل ہے -----

حج قران

حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جائے' پہلے عمرہ کرے' عمرہ سے فراغت کے بعد احرام نہ کھولے' بلکہ اسی احرام کو قائم رکھتے ہوئے افعال حج ادا کرے۔ افراد سے تمتع اور تمتع سے قران افضل ہے -----

ممنوعات حج

حج میں بعض امور ممنوع ہیں :

سلے ہوئے کپڑے پہننا' سر یا چہرہ ڈھانپنا' خوشبو لگانا' بال کاٹنا' ناخن تراشنا' عمل زوجیت' شکار

کرنا حرم کے خودرو درخت یا گھاس کاٹنا وغیرہ-----

مسائل حج کی تفصیل کے لئے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے شیخ طریقت مفسر قرآن حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نور اللہ مرقدہ کے مختصر مگر جامع رسالہ "زاد الحرمین" (مطبوعہ انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور) کا مطالعہ مفید رہے گا-----

عمرہ

حج کی طرح عمرہ بھی وہ اعلیٰ عبادت ہے، جو اللہ تعالیٰ کے گھر کعبۃ اللہ اور مکہ مکرمہ کے ساتھ مختص ہے۔ اس کا حج سے اسی طرح کا تعلق ہے، جیسے فرض نماز کے ساتھ نوافل کا-----

عمرہ کا معنیٰ ہے 'زیارت۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عمارت (آبادی) سے مشتق ہے-----

عمرہ پر دونوں معنی صادق آتے ہیں کہ عمرہ کرنے والوں کے ذریعے مسجد حرام کی آبادی اور رونق برقرار رہتی ہے اور بیت اللہ کی زیارت کا موقع میسر آتا ہے اور ان کیفیات سے سرشار ہونے والے کی اپنی روحانی دنیا آباد ہوتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عمرہ 'عمر (زندگی) سے مشتق ہو۔ کیوں کہ یہ عبادت عمر بھر کی جاسکتی ہے۔ اس میں حج کی طرح مہینے اور تاریخ کی قید نہیں، عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر طواف اور سعی کر کے حلق یا قصر کرا لینے سے عمرہ مکمل ہو جاتا ہے۔ ایک ہی سال میں متعدد عمروں کی اجازت ہے۔ رمضان المبارک میں عمروں کی بڑی فضیلت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان عمرة فی رمضان تقضی حجة او حجة معی-----

(صحیح بخاری کتاب جزاء الصید، باب فضل العمرۃ فی رمضان)

"رمضان المبارک میں عمرہ کرنا یقیناً حج کے برابر ہے یا فرمایا کہ میری معیت میں حج کرنے کے برابر ہے"-----

حاضری مدینہ منورہ

مدینہ منورہ کی حاضری ارکان حج میں داخل نہیں مگر بلاشبہ افضل ترین طاعات، سرچشمۂ حسنات و برکات اور اعلیٰ درجات قرب پر فائز ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ علماء نے اسے واجب کے

قریب بتایا ہے۔ حق یہ ہے کہ حاضریٔ بارگاہ قدس، محبت کا معاملہ ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ کی ذات اقدس واطہر سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کو اصل الاصول اور فرض عین تصور کرے۔ یہاں کی حاضری باعث مغفرت، موجب رحمت اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے، ارشاد باری ہے:

و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله و استغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما-----(النساء ۴: ۶۴)

"اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں اور رسول (کریم ﷺ) ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں"-----

و اذا جاء ك الذين يؤمنون بآياتنا فقل سلام عليكم كتب ربكم على نفسه الرحمة انه من عمل منكم سوٓء بجهالة ثم تاب من بعده و اصلح فانه غفور رحيم-----(الانعام ۶: ۵۴)

"اور جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے فرمادیجئے تم پر سلام ہو، تمہارے رب نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے تو جو کوئی کر بیٹھے تم میں سے کچھ برائی، نادانی کی وجہ سے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح پذیر ہو جائے تو بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے"-----

سرکار ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی فضیلت پر متعدد احادیث مبارکہ شاہد ہیں----- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من زار قبرى وجبت له شفاعتى-----

(الشفاء (طبع بیروت)، جلد ۲، صفحہ ۸۳ / مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۲ / وفاء الوفاء، جلد ۴، صفحہ ۱۳۳۶)

"جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی، اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گی"-----

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی -----

(مجمع الزوائد، جلد ۴، صفحہ ۲/وفاء الوفاء، جلد ۴، صفحہ ۱۳۴۰/
شعب الایمان، جلد ۳، صفحہ ۴۸۹)

"جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی"-----

عازم مدینہ کو چاہیے کہ وہ خالص سرکار ابد قرار ﷺ کی حاضری اور زیارت کا قصد کرے-----(فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

قیام مدینہ کے دوران سراپا ادب و نیاز حاضر رہے-----ع

سر ایں جا، سجدہ ایں جا، بندگی ایں جا، قرار ایں جا

مواجہ عالیہ پر نہایت ادب سے حاضری دے، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

من السنة ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة و تجعل ظهرك الی القبلة و تستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته-----

(فتح القدیر، جلد ۲، صفحہ ۳۳۶)

"(صحابہ و تابعین کا طریقہ اور) سنت یہ ہے کہ جب تم نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضری دو تو اپنی پشت قبلہ کی طرف اور منہ قبر اطہر کی طرف کرو، پھر سلام عرض کرو"-----

قاضی عیاض رحمہ اللہ، امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مواجہ عالیہ پر سرکار ﷺ کی بارگاہ میں سلام اور دعا مانگتے ہوئے قبلہ کی جانب منہ نہ کرے بلکہ اپنا رخ قبر انور کی طرف رکھے-----(الشفاء، جلد ۲، صفحہ ۸۵)

منیب بن عبداللہ بیان کرتے ہیں:

رأیت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف فرفع یدیه حتی ظننت انه افتتح الصلوۃ فسلم علی النبی ﷺ ثم انصرف----(شعب الایمان' جلد ۳' صفحہ ۴۹۱)

"میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر پر آکر کھڑے ہوئے اور بڑی دیر تک ہاتھ بلند کیے رہے' حتی کہ میں نے گمان کیا کہ وہ نماز کی نیت کر رہے ہیں' پھر انہوں نے سلام عرض کیا اور چلے گئے"-----

فتاویٰ نوریہ کی کتاب الحج میں پانچ استفتاءات ہیں' پہلا فتویٰ اس بارے میں ہے کہ عورت خاوند یا محرم کے بغیر حج نہیں کر سکتی-----

دوسرا فتویٰ حج بدل سے متعلق ہے-----

تیسرا اہم فتویٰ حج کے لئے تصویر کے جواز کے بارے میں ہے۔ دور حاضر میں شناختی کارڈ' پاسپورٹ' حج اور دیگر متعدد معاملات میں تصویر کی ضرورت پڑتی ہے' اس فتویٰ میں اس ضرورت کا حل پیش کیا گیا ہے-----

چوتھا فتویٰ کاروباری شخص (مثلاً ٹیکسی ڈرائیور) کے سلسلے میں ہے کہ آیا وہ احرام باندھے بغیر مکہ مکرمہ میں داخل ہو سکتا ہے؟-----

جب کہ پانچواں استفتاء حج کے حوالے سے متفرق سوالات پر مبنی ہے-----

حج کے بارے میں ایک فتویٰ' فتاویٰ نوریہ کے جلد ششم میں بھی ہے-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

کتاب الحج

الاستفتاء

سائل مظہر کہ ایک عورت بیوہ پیر سال بلا محرم کسی رشتہ دار اور عورتوں کے ساتھ حج کرسکتی ہے یا نہیں؟

السائل حافظ محمد الدین صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

عورت بیوہ یا شادی شدہ یا کنواری بلا محرم یا خاوند کے، حج کا سفر نہیں کرسکتی، اگرچہ غیر محرم رشتہ دار ہو یا عورتوں کے ساتھ جائے۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۳، اور محرم وہ ہے جس کے ساتھ کبھی نکاح نہ ہو سکے۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۲۴ و کذا فی غیرھا من اسفار المذھب المھذب۔ واللہ تعالیٰ اعلم و

علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید کئی سال درخواست دیتا رہا ہے لیکن قرعہ اندازی میں نام نہیں نکلا۔ اب زید ضعیف العمر ہونے اور بیمار ہونے کی وجہ سے کمزور ہو گیا ہے، اگر درخواست دے اور قرعہ اندازی میں نام نکل بھی آئے تو زید سفر نہیں کر سکتا۔ اب وہ حج کی رقم کسی یتیم خانے یا کسی دینی مدرسے میں دیدے تو جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی غریب اور جوان آدمی کو حج کرائے، سابق حاجی جس نے پہلے حج کیا ہوا ہو، اس کو تو حجِ بدل کے لئے بھیجنے کی حکومت کی طرف سے اجازت نہیں تو کسی ایسے شخص کو جس نے پہلے حج نہ کیا ہوا ہو اور شوقِ حج رکھتا ہو تو اسکو حج کرا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: حاجی جہانداد خاں از چک 235/E.B ڈاکخانہ چک 229/E.B تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں ایسی صورت میں اس غریب وجوان آدمی کو اپنی حجِ بدل کے لئے بھی بھیجا جاسکتا ہے جس نے پہلے حج نہ کیا ہو فتاوٰے عالمگیر ج اص ۱۳۱ میں ہے و الافضل للانسان اذا اراد ان یحج رجلا عن نفسہ ان یحج رجلا قد حج عن نفسہ و مع ھٰذا لواحج رجلا لم یحج عن نفسہ حجۃ الاسلام یجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر کذا فی المحیط۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و اٰلہ واصحابہ اجمعین و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ ربیع الثانی ۱۳۸۹ھ، ۶۹-۶-۲۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا فوٹو کھچوانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہو تو حج کے لئے فوٹو کھچوانے میں بھی ممانعت ہے یا نہیں!

نیز حج فرض اور حج نفل کی صورتوں میں کیا حکم ہے؟ اور حجِ بدل کے لئے فوٹو کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

سائل: محمد سعید احمد، مدرسہ امینیہ رضویہ، محمد پورہ لائل پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

حج کے لئے عازمِ حج کے پورے جسم کا فوٹو ضروری نہیں بلکہ چہرہ یا قدرے زائد کا فوٹو حکومت نے بعض مصالحِ انتظامیہ کے لئے ضروری قرار دیا ہے چنانچہ عموماً پاسپورٹوں پر ایسے ہی فوٹو چسپاں کئے جاتے ہیں جو نصف سینہ تک کے ہوتے ہیں حالانکہ انسان نصف سینہ یا سینہ کے نیچے سے کاٹ دیا جائے تو زندہ نہیں رہ سکتا لہٰذا یہ فوٹو ایسے جسم کا فوٹو ہوگا جو شجر و حجر کی طرح بے جان ہے تو جائز ہوگا، حبر الامہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فتوٰے مبارکہ ہے فاصنع الشجر ومالا نفس لہ (مسلم شریف ج ۲ ص ۲۰۲) اور بخاری شریف ج ۱ ص ۲۹۶ میں ہے کل شیئ لیس فیہ روح، اور اس کا ماخذ بھی وہی حدیثِ صحیح ہے جو محرّمِ تصویر ہے۔ عینی ج ۱۲ ص ۳۹، قسطلانی ج ۴ ص ۱۲۱ میں ہے والنظم لہ واستنبط ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما من قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان اللہ معذبہ حتی ینفخ لہذا مذہبِ جمہور جواز ہے۔ انہیں میں ہے والنظم للعینی وھو

ؔ وبمعناہ فی شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۰۵ ۱۲ منہ غفرلہ

ؔ مناظرِ اسلام مولانا محمد سعید احمد اسعد فیصل آباد

قول جمهور الفقہاء واهل الحديث فانهم استدلوا على ذلك بقول ابن عباس فعليك بهذا الشجر الخ.

اس مالا نفس لہ اور کل شیئ لیس فیہ روح کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس علیک بہذا الشجر الخ میں مذکورہ فوٹو (جو جسم کے اتنے حصے کے ہوتے ہیں جو زندہ نہیں رہ سکتا اور لیس فیہ روح کا مصداق ہے) کی بھی اجازت ہے لہٰذا ہمارے ائمہ کرام نے یہ تصریح بھی فرمائی کہ ایسا فوٹو جو ناجائز بنا ہوا ہے اگر اس کا سر یا چہرہ یا کوئی ایسا حصہ مٹادیا جائے جس کے بغیر جاندار زندہ نہیں رہ سکتا تو کراہت مٹ جاتی ہے۔ تنویر الابصار، درالمختار میں ہے او مقطوعة الرأس او الوجه او ممحوة عضو لا تعيش بدونه۔ شامی نے فرمایا تعميم بعد تخصيص وهل مثل ذلك ما لو كانت مثقوبة البطن مثلا والظاهر انه لو كان الثقب كبيرا يظهر به نقصها فنعم والا فلا (شامی ج ۱ ص ۶۰۷) طحطاوی علی المراقی ص ۲۱۸ میں ہے ومحو الوجه كمحو الرأس بخلاف قطع اليدين والرجلين فان الكراهة لا تزول بذلك لان الانسان قد تقطع اطرافه وهو حی كما فی الفتح (ج ۱ ص ۳۶۲) وافاد بهذا التعليل ان قطع الرأس ليس بقيد بل المراد جعلها على حالة لا تعيش معها مطلقا، انتهى ما على المراقی۔

طحطاوی علی الدر ج ۱ ص ۲۷۴ میں ہے لانها صورة ميت۔ ہدایہ ج ۱ ص ۱۴۲ میں ہے واذا كان التمثال مقطوع الرأس ای ممحو الرأس فليس بتمثال۔ مبسوط ج ۱ ص ۲۱۰ میں ہے فبقطع الرأس يخرج من ان يكون تمثالا اور مرقاة ج ۸ ص ۳۰۳ میں ہے الشجر ونحوه مما لا روح له فلا تحرم صنعته ولا التكسب به وهذا مذهب العلماء۔

بلکہ یہ مسئلہ سیدنا جبریل امین علیہ السلام کے ارشاد سے بھی ثابت ہے جو حدیث مرفوعہ صحیح سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۰۶، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۱۵، شرح معانی الآثار امام طحاوی ج ۲ ص ۳۰۵ میں بالفاظ متقاربہ ہے و اللفظ منہ فمر بالتمثال فلیقطع رأسہ حتی یکون کھیأۃ الشجرۃ۔ مجمع البحار ج ۳ ص ۵۹۳ میں ہے والھیئۃ صورۃ الشیئ وشکلہ وحالتہ، درخت کی حالت یہ ہے کہ بے جان ہے اور صورت بھی بے جان کی ہے جو سر کاٹنے کے بعد انسانی جسم کی بھی ہے لہذا امام طحاوی نے اس حدیث سے ایسی صورت بنانے کی اباحت پر استدلال فرمایا، ج ۲ ص ۳۶۶ میں فرمایا فلما ابیحت التماثیل بعد قطع رؤسھا الذی لو قطع من ذی الروح لم یبق دل ذلک علی اباحۃ تصویر ما لا روح لہ وعلی خروج ما لا روح لمثلہ من الصور مما قد نہی عنہ فی الآثار التی ذکرنا فی ھذا الباب، عینی علی البخاری ج ۱۰ ص ۳۰۹ میں امام طحاوی کا یہ ارشاد بصورت استفادہ مذکور و مقرر ہے نیز فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۱ میں ہے ان کانت الصورۃ باقیۃ الھیئۃ قائمۃ الشکل حرم وان قطعت الرأس او تفرقت الاجزاء جاز، نیز ج ۱۰ ص ۳۲۰ میں ہے لما قطعت الستر وقع القطع فی وسط الصورۃ مثلا فخرجت عن ھیئاتھا اور یونہی قسطلانی ج ۸ ص ۴۳۵ میں بھی ہے اور فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۲۲ میں ہے غیرت عن ھیئاتھا اما بقطعھا من نصفھا او بقطع رأسھا۔

بہرحال ان ارشادات کی روشنی میں حج فرض وغیرہ کے لئے ایسے فوٹو کی اجازت ہے جو جسم کے ایسے حصہ کا ہو جو صرف اتنا ہی زندہ نہ رہ سکتا ہو اور یہ جواز کئی اور دلائل سے بھی

عہ مرقاۃ ج ۸ ص ۳۰۳ میں ہے ثم الشجر ونحوہ مما لا روح لہ فلا تحرم صنعتہ ولا التکسب بہ وھذا مذھب العلماء الا مجاھدا فانہ جعل الشجرۃ المثمرۃ من المکروہ ۱۲ منہ غفرلہ

واضح ہو سکتا ہے مگر بغرضِ اختصار صرف اسی قدر پر اکتفا ہے۔

اس مسئلہ پر کافی شبہات پیش کئے جاتے ہیں جن کے ازالہ کے لئے کچھ اشارات اسی تحریر میں ہیں اور بعض کا دفاع تصریحات سے بھی ہو رہا ہے، ہاں یہ بھی ضروری ہے کہ بلاضرورت فوٹو نہ کھنچوائے جائیں اگرچہ شجر و حجر کے ہوں، علمائے کرام لہو ولعب پسند نہیں، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۹۳ میں ہے و نزدِ محققین جملہ ایں باب بے کراہتے نیست در داخلِ لہو ولعب و مالایعنی است۔ اور یونہی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۸ ص ۳۳۰ میں ہے و ان کان جملۃ ھٰذا الباب مکروھا و داخلا فیما یلھی ویشغل بما لایعنی ومع ھٰذا اقول ان کان الجواب صوابا فمن اللہ ربی الوھاب وان کان خطأ فمنی ومن الشیطن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ وحدہ لاشریک لہ وھو اعلم والیہ المرجع والمآب وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ الاعظم وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال
۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ ، ۷/۶/۷۱ء

فائدہ فیض القدیر للمناوی شرح جامع صغیر ج ۲ ص ۴۲۳ میں المصورون کی شرح میں ہے لصورۃ حیوان تام اور ص ۴۲۴ میں ہے وخرج بالحیوان غیرہ کشجر وبالتام مقطوع نحو رأس مما لا یعیش بدونہ۔ ۱۲ ابوالخیر النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید میقات سے باہر

رہتا ہے اور کسی کاروباری غرض سے مکہ مکرمہ جاتا ہے جیسے ڈرائیور وغیرہ تو کیا اس پر عمرہ کرنا اور احرام باندھ کر مکہ مکرمہ جانا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایسا نہ کرنے پر اس پر کیا جرم ہے؟ ذرا تفصیل سے باحوالہ جواب عطا فرما دیں، عین کرم ہوگا۔

السائل: محمد رحمت علی مدنی عفی عنہ حال آباد مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ ۲۸ ۳/۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ایسے شخص پر مکہ شریف میں داخل ہونے کے لئے احرام باندھنا ضروری ہے۔ مبسوط سرخسی ج ۴ ص ۱۶۷ میں ہے لیس لاحد ینتھی الی المیقات اذا اراد دخول مکۃ ان یجاوزھا الا باحرام سواء کان من قصدہ الحج او القتال او التجارۃ اور یونہی ہدایہ ج ۱ ص ۲۳۵ اور بدائع صنائع ج ۲ ص ۱۶۴ میں ہے۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۴۱ میں ہے ان جمیع الکتب ناطقۃ بلزوم الاحرام علی من قصد مکۃ سواء قصد النسک او لا، اور اگر ایسا نہ کرے یعنی بلا احرام داخل ہو جائے تو اس پر حج یا عمرہ لازم ہو جاتا ہے، پھر اگر وہیں سے احرام باندھ لے تو اس پر دم لازم ہے اور اگر میقات کی طرف لوٹ کر اس حج یا عمرہ کا احرام باندھے جو اس پر اس جرم کی وجہ سے لازم ہو گیا ہے تو دم ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ بدائع صنائع وغیرہ کتب معتبرۂ مذہب میں ہے: ولو جاوز المیقات یرید دخول مکۃ او الحرم من غیر احرام یلزمہ اما حجۃ او عمرۃ لان مجاوزۃ المیقات علی قصد دخول مکۃ او الحرم بدون الاحرام لما کان حراما کانت المجاوزۃ التزاما للاحرام (الی ان قال)، فان احرم بالحج او العمرۃ قضاء لما علیہ من

ذلک لمجاوزته المیقات ولم یرجع الی المیقات فعلیه دم الخ۔

اس مسئلہ میں بہت زیادہ تفصیل ہے جو معتبراتِ مذہبیہ میں مذکور ہے، آپ مناسکِ ملا علی قاری اور بہارِ شریعت میں بیانِ مواقیت اور بابِ جنایات میں دیکھ لیں، یہ دونوں کتابیں مولانا ابوالفضل محمد نصراللہ نوری نوّرہ ربہ ونصرہ کے پاس مدینہ منورہ میں ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ سیدی وسندی غوثی وغیاثی پیرِ طریقت رہبرِ شریعت عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ اباجان صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد عاجزانہ گزارش ہے کہ آپ کا خادم آپ کی خیریت نیک چاہتا ہے، صورتِ احوال یہ ہے کہ ہم کو دو مسئلہ کی ضرورت ہے، آپ عنومہربانی فرماکر ان سوالوں کا جواب ہمیں تحریر کریں، آپ کی عین نوازش ہوگی:

سوال نمبر ۱ یہ ہے کہ مجھ کو ایک مولوی صاحب نے کہا ہے کہ رکنِ یمانی کو بوسہ نہیں دینا چاہئے تو میں نے اس کو کہا اور محبت علی صاحب نے بھی کہا کہ رکنِ یمانی کو بوسہ دینا جائز ہے، وہ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہم کو کسی کتاب سے یا حدیث سے ثابت کریں جو مولوی صاحب حنفی مذہب کے ہیں اور وہ مولوی صاحب گوجرانوالہ کا ہے۔

سوال نمبر۲ یہ ہے کہ ہم کسی وقت میں تین یا چار طواف کرلیں تو اس کے نفل اکٹھے ہی وقت میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

سوال نمبر۳ یہ ہے کہ جس وقت ہم نے آٹھ تاریخ ذوالحجہ کو منیٰ کی طرف جانا ہے تو ہم نے طواف اور صفا مروہ کی سعی کرنی ضروری ہے کہ نہیں؟

باقی عرض یہ ہے کہ جو غلطی ہم سے ہو چکی ہے اس کی مجھ کو معافی دے دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی، جو غلطی ہوئی ہے وہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کی، وہ معلم کی وجہ سے ہو چکی ہے، اس کو کہا تھا مجھ کو جلدی کریں برائے مہربانی جواب جلدی سے ارسال کریں آنحضور کی کرم نوازی ہوگی۔

فقیر قطب دین، ابو نصر محبت علی صابری در حرم شریف مکہ معظمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

عزیز القدر ان الحاجان قطب الدین والمحبۃ علی احبھما ربھما

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

طواف میں رکنِ یمانی کو بوسہ دینا جائز ہے اور سنت ہے۔ در المختار ص ۱۳ میں ہے قال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ ھو سنۃ ویقبلہ والدلائل تؤیدہ۔ مستدرک حاکم ج ۱ ص ۴۵۶ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح مرفوع حدیث میں ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل الرکن الیمانی ووضع خدہ علیہ، اور فرمایا ھذا حدیث صحیح الاسناد اور علامہ ذہبی نے بھی فرمایا صحیح۔ رہا کسی کا استدراک تو وہ صحیح حدیث کے سامنے مضمحل ہے۔

۲۔ تین یا متعدد طواف اکٹھے کئے جائیں تو ہر طواف کے بعد دو رکعتیں طواف کی ادا کرے اور دو یا تین طواف کر کے نماز سب کی اکٹھی ادا کرنی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے جبکہ وقتِ کراہت نہ ہو اور وقتِ کراہت میں بالاجماع مکروہ نہیں، شامی ج ۲ ص ۲۳۳ میں ہے یکرہ عندھما الجمع بین اسبوعین او اکثر نیز اسی میں ہے والخلاف فی غیر وقت الکراھۃ اما فیہ فلا یکرہ بالاجماع، تو نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد تین یا زیادہ طواف جمع کر سکتا ہے اور جب وقتِ کراہت ختم ہو تو سب طوافوں کی نماز ادا کر سکتا ہے۔

۳۔ آپ متمتع ہوں گے تو آپ پر طواف اور سعی احرام حج کے بعد ضروری نہیں ہاں اگر نفلی طواف کر کے سعی کر لیں تو جائز ہے اور اس کا یہ فائدہ ہے کہ طوافِ زیارت کے ساتھ دوبارہ سعی واجب نہیں ہوگی، شامی ج ۲ ص ۲۶۹ میں ہے لیس علی المتمتع طواف قدوم الخ

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲/۲۴ "

۲۶ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۴ھ

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ فَمَنْ لَّمْ یَعْمَلْ بِسُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ

(ابنِ ماجہ)

"نکاح میری سنت ہے، جس شخص نے میری سنت پر عمل نہ کیا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہے۔"

نکاح

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (النور:۳۲)

"اور نکاح کردو جو تم میں سے بے نکاح ہیں۔"

تعارف کتاب النکاح

عبادات اسلامی یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے بعد اب کتاب النکاح ملاحظہ فرمائیں۔ نکاح کا تعلق معاملات سے بھی ہے اور سنت نبوی کی تعمیل، محافظت نفس اور دیگر دینی مصالح کے پیش نظر یہ عبادت بھی ہے۔ اس لئے فقہاء کرام عبادات کے مابعد نکاح کے مسائل بیان کرتے ہیں-----

دو عبادتیں ایسی ہیں جو اہل اسلام میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اب تک بدستور چلی آرہی ہیں اور جنت الفردوس کی ابدی زندگی میں بھی باقی رہیں گی:

ایک ایمان اور دوسری نکاح-----(درالمختار)

نسل انسانی کی بقا، فروغ اور دنیا کی رونق بحال رکھنے کے لئے انسانوں کی جنسی خواہشات کو ایک منظم اور باحیا طریقے سے پورا کرنے اور میاں بیوی کے درمیان وابستگی اور محبت وانس پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا نظام مقرر فرمایا-----

نکاح کے ذریعے مرد باپ اور عورت ماں بن کر معاشرے میں ارتقائی کردار اور بقاء نسل انسانی کا فریضہ ادا کرتے ہیں، بچوں کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ محنت، کاوش، ہنر اور کسب کے نئے جذبے ابھرتے ہیں، جس سے ملک وملت کی تعمیر وترقی میں اضافہ ہوتا ہے-----

شادی شدہ انسان کو عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، وہ معاشرہ سے الگ تھلگ نہیں

اس باب میں سات فتوے درج ہیں-----

۱۱ باب الولی

وہ عاقل بالغ مسلمان، جسے شرعی طور پر یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زیر نگرانی لڑکی کا نکاح کر سکے۔ (یعنی وہ عصبہ معتبر ہو، اگر عصبہ موجود نہ ہو تو پھر ذوی الارحام کو نابالغہ کے نکاح کا حق حاصل ہو گا)-----

اس باب میں ۳۸ / استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں-----

۱۲ باب خیار البلوغ

باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اگر نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کر دے تو نابالغ یا نابالغہ کو بالغ ہوتے ہی یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ نکاح رد کر سکتے ہیں-----

یہ باب پانچ فتووں پر مشتمل ہے-----

مجموعی طور پر کتاب النکاح میں ۱۹۷ فتوے ہیں، جن کے ضمن میں سینکڑوں مسائل کے تحقیقی جوابات آگئے ہیں-----

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

خِطبہ

(پیغامِ نکاح)

کتابُ النّکاح

بابُ الخِطبۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ زید کے پاس بکر
ایک مولوی صاحب اور چند اشخاص بمع اپنے لڑکے کے لایا، زید نے یہی سمجھا کہ لڑکی کا رشتہ
طلب کرتے ہیں تو رسمِ منگنی ادا کرنے آتے ہیں اور نکاح کے متعلق زید مذکور نے اجازت
نہیں دی اور لڑکی اس وقت قریبًا ۹ سال کی نابالغ تھی مگر مولوی صاحب مذکور نے
کھڑے ہو کر خطبہ پڑھ دیا اور کہا کہ نکاح ہو گیا اس لئے کہ جب زبانی کہہ دیا جائے اور
رسمِ منگنی کر لی جاوے تو نکاح ہو جاتا ہے تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا ایسی صورت
میں بلا ایجاب قبول و بلا اجازت نکاح صرف منگنی سے ہو جاتا ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: محمد دین ولد ابراہیم ساکن پتوکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر حقیقتِ حال واقعی یہی ہے کہ زید والدِ لڑکی نابالغہ نے اجازتِ نکاح نہیں دی اور ایجاب وقبول نہیں ہوا تو نکاح قطعاً نہیں ہوا۔ فتاوی عالمگیر ج۲ ص۱ میں ہے ولعارکنہ فالایجاب والقبول نیز ص۳ میں ہے ولا ینعقد بالتعاطی کذا فی النہایۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۸ رجمادی الاخری ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ زید نے اپنی سات سالہ لڑکی عمرو کے ڈھائی سالہ لڑکے کے ساتھ حسبِ دستورِ زمانہ منگنی کر دی اہلِ مجلس بھی یہی سمجھتے رہے کہ منگنی ہے ایجاب وقبول بالکل نہیں ہوا۔ اب زید لڑکی بوجہ نزاع لڑکے کو نہیں دینا چاہتا اور عمرو کہتا ہے کہ میرے لڑکے کا نکاح ہے۔ کیا واقعی وہ منگنی نکاح بنے گی یا نہیں؟

سائل محمد دین ولد صلا از چک ۱۵/۵۳ ایل ڈاکخانہ چک ۵۸/۱۵ ایل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

منگنی اور ہے اور نکاح اور، لہٰذا عمرو کا دعویٰ غلط ہے بشرطیکہ سوال صحیح ہو بحر الرائق در المختار میں ہے والنظم من البحران کان المجلس للوعد فوعد حالانکہ یہاں تو ایجاب وقبول ہوا ہی نہیں تو نکاح کیسے ہوگا؟ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ حاکم علی نمبردار وممبر موضع جنگل پربانند کا بیان ہے کہ جو یہ شخص فرما دیں صحیح درست ہے، برائے مہربانی فرما کر فتویٰ جو ہو تو دیدیویں کہ لڑکی کی عمر تقریباً آٹھ نو سال کی تھی جس وقت دعا خیر کی تھی، اس کے بعد لڑکے کو آج مرض ضیابی تس کی ہے، لڑکی کی آج ۲۳۔۲۴ سال کی عمر ہے اور آپ کے پاس مولوی غلام نبی بھی بھیجا جا رہا ہے، یہ بھی آپ

کے حاضر ہے۔ السلام علیکم

دستخط حاکم علی نمبردار و ممبر صاحب   گواہ شد محمد دین کھرل، گواہ شد ولی محمد حصہ دار

آج مورخہ ۲۴/۱۲/۹۱ کو مولوی غلام نبی صاحب قریشی امام مسجد پپانسند نے حلفیہ بیان کیا کہ میرے سامنے مسمیٰ محمد دین قوم میں کے گھر اس کی لڑکی مسماۃ شریفاں کے رشتے کے متعلق محمد دین نے وعدہ کے طور پر کہا تھا کہ میں نے لڑکی دی اور نکاح بالکل نہیں کیا گیا اور نہ ہی نکاح کرنے کے متعلق کسی نے ذکر کیا حسبِ رواج اس وعدہ پر ہم نے دعائے خیر کر دی اور نہ ہی بعد ازاں آج تک نکاح کیا گیا ہے تو کیا اس لڑکی کا نکاح شرعاً اور جگہ ہو سکتا ہے یا وہ پہلا وعدہ ہی نکاح بن گیا؟ نیز چونکہ اس لڑکے کو ذیابیطس اور سودا ہو گیا ہے اور لڑکی بھی ۲۳، ۲۴ سال کی ہو چکی ہے اور عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اس بیمار لڑکے کے ساتھ نکاح کرنے پر رضامند نہیں تو شرعاً کیا حکم ہے؟ یہ بیان میرے روبرو مسجد دار العلوم میں اور پھر دوبارہ دار العلوم میں دیا۔

ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری بقلم خود ۲۴/۱۲/۹۱

دستخط امام مسجد غلام نبی بقلم خود، العبد مسمیٰ امام علی ولد جمال دین ساکن بابا بالکے دستخط

نشان انگوٹھا مسمیٰ محمد دین والد لڑکی مذکورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال واقعی یہی ہے کہ مسمیٰ محمد دین نے وعدہ کے طور پر کہا تھا اور اسی وعدہ پر دعائے خیر بھی کی گئی تو وہ نکاح نہیں ہوا، شامی ج ۲ ص ۳۶۹ میں ہے فان قامت القرینۃ علی عدمہ لا ینعقد نیز ص ۳۷۰ میں ہے لا بد فی کنایات النکاح مع النیۃ من قرینۃ الخ ہاں اس میں شک نہیں کہ وہ وعدہ نکاح ہو گیا اور بلاشبہ وعدہ کا پورا کرنا بھی ضروری ہوتا ہے مگر چونکہ اب لڑکی عاقلہ بالغہ

ہو چکی ہے اور نہیں مانتی تو باپ شرعاً مجبور ہو گیا کہ عاقلہ بالغہ لڑکی پر باپ جبر نہیں کر سکتا، یہ شریعت پاک کا حکم ہے، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا لہذا اس لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شریعت جہاں مناسب سمجھیں کر سکتے ہیں، قرآنِ کریم میں ہے وانکحوا الایامیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم و صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عبدہ المفتی ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ

$\frac{۱۳}{۹۱}$ ۲۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا رشتہ دو گواہوں کے سامنے بکر کو دینے کا وعدہ کیا تھا، زید فوت ہو چکا ہے، اب اس کی لڑکی بالغ ہے بکر اس کا نکاح اپنے ساتھ سابقہ وعدہ کے مطابق کرنا چاہتا ہے مگر لڑکی نکاح کرنے سے انکار کرتی ہے، کیا لڑکی کا دوسری جگہ نکاح ہونے میں کوئی امر مانع ہے؟ جواب سے مشکور فرمایا جائے۔

العبد : امیر الدین از چک نمبر ۶۲/D

الجواب
اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ زید نے صرف وعدہ کیا اور نابالغ لڑکی کو بکر کو نہیں دیا تھا اور فوت ہوگیا تو لڑکی بالغ ہونے کے بعد خود مختار ہے اپنی مرضی سے حسبِ دستورِ شرعِ مطہر بکر کے سوا نکاح کر سکتی ہے۔ زید کا وعدہ زید کے ساتھ گیا، قرآن کریم نے فرمایا لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ اور حدیثِ پاک میں ہے الایم احق بنفسہا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عبدہ المفتقر الی اللہ القدیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی اور لڑکا ہر دو نوں بالغ ہیں، لڑکی کا والد اور اس کا چھوٹا برادر زل کر رجسٹر نکاح خوانی پر اندراج پورا کرلیا، گواہ بھی کوئی موجود نہیں اور نہ لڑکا، نہ اس کا باپ موجود ہے۔ وہ کام اندراج کا تو کرلیا اور ایجاب وقبول کسی نے خیال نہ کیا، وہ کتاب (یعنی کتاب نکاح) پچیس یا ستویں (روز) لڑکے کا باپ لے گیا اور اپنے لڑکے کا دستخط بھی کرالیا، کیا وہ نکاح روا ہے یا نہیں؟

السائل: فخر الدین بقلم خود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مندرجہ سوال میں نکاح نہیں ہوا کہ ایجاب وقبول رکنِ نکاح ہیں اور کوئی شے ارکان کے سوا موجود نہیں ہوسکتی، فتاوٰئے عالمگیر ج ۲ ص ۱ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی فوت ہوا حالانکہ اس کی عورت کو حمل تھا جو خشک ہوچکا تھا جواب تک اس کے پیٹ میں موجود ہے، متوفی کے وارثوں نے چار ماہ دس دن گزار کر اس عورت کا نکاح متوفی کے بھائی کے ساتھ کرنا چاہا تو عورت نے بالکل انکار کر دیا تو چند آدمیوں نے اس کو پیٹنا شروع کردیا، جب تک اس عورت کو ہوش رہی تو اپنی زبان سے انکار ہی کرتی رہی اور وہ پیٹتے رہے اس کے بعد اس کو کوئی خبر نہیں، جب ہوش میں آئی تو پیٹنے والوں نے کہا کہ تیرا

نکاح کر دیا ہے اور انگوٹھے بھی لگا دیئے ہیں۔ وہ عورت برابر انکاری پر ہے کہ آیا یہ نکاح شریعت کی رُو سے درست ہے یا نہیں ؛ بینوا توجروا۔

سائل: محمد حسن ازمنگا بجیدال تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری، مورخہ ۸ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح و درست ہے کہ اس عورت کے پیٹ میں حمل موجود ہے گو نسک ہو چکا ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، چار ماہ دس دن سے پوری نہیں ہوتی، قرآنِ کریم میں ہے و اولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن اور جب عدت موجود ہے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا اور اگر بالفرض عدت پوری ہو چکی ہوتی تو اس صورت میں تب بھی یہ نکاح محض ظلم و ستم کے سوا شرعاً کوئی نکاح نہیں کہ بیوہ عورت جب تک زبان سے ایجاب یا قبول نہ کرے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسا پیغامِ نکاح اور پھر مارنا پیٹنا جبراً انگوٹھے لگانا یہ سب ظلم ہی ظلم اور محض حرام ہے، جو لوگ اس ظلم میں شریک ہوئے وہ سب ستم کار مستحقِ غضبِ جبار و قہار اور مستوجب عذابِ نار بنے۔ ان پر فرض ہے کہ سچے دل سے توبہ کریں اور اس عورت کو راضی کریں اور معافی مانگیں۔ ان کے کئی زبردست گناہ ہیں جن سے توبہ فرض ہے۔ یہ کافروں کا طریقہ تھا کہ وارث مال کی طرح متوفی کی بیوی کے بھی وارث بن جاتے تھے اور جبراً نکاح کر لیتے یا جس طرح چاہتے کرتے۔ حضرت رب العالمین جل وعلا نے اس کو سخت حرام کر دیا اور منع فرما دیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ رمضان المبارک ۷۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ زینب جو کنواری لڑکی بالغ ہے اور اس کا حقیقی وارث بھی موجود ہے اور بغیر اطلاع وارث کے اور بغیر مرضی لڑکی زینب کے دور کے رشتہ دار نے ڈرا دھمکا کر رعب دے کر مار پیٹ کر کلماتِ نکاح پر مجبور کیا اور لڑکی مسماۃ زینب کو بہت مار کر کلماتِ نکاح کہلانے پر کلہاڑی کا سایہ دیکر کہا تو کہہ کہ میں نکاح کرتی ہوں، اس نے کہا میں نہیں کہتی اور مکان میں قید کیا اور پھر مارا اور اس نے نہ مانا اور انہوں نے مشہور کیا کہ ہم نے نکاح کر لیا ہے اور وارثِ حقیقی کو پتہ چلا اور وہ گھر لے آیا۔ کیا یہ نکاح شرعاً ہو گیا ہے یا کہ نہیں؟ جواب دیکر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

السائل: احمد دین چک انائیس قوم بھدرو ضلع منٹگمری ۶/۶۱ ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ کوئی نکاح نہیں بلکہ محض ظلم اور زیادتی ہے، نکاح

کے رکن ایجاب وقبول ہیں اور جب لڑکی انکار کرتی رہی ہے تو رکن نہ پایا گیا تو نکاح کیونکر ہوا؟ فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۱ میں ہے واما رکنه فالایجاب و القبول کذا فی الکافی۔ الحاصل ایسے بناوٹی نکاح کا شرع پاک میں کوئی اعتبار نہیں بلکہ اس کو نکاح کہنا ہی جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه واٰله واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ مریم عاقلہ بالغہ بیوہ صدر دین کا نکاح جبراً اس کے انکار کی صورت میں کیا گیا ہے حالانکہ مسماۃ مذکورہ انکار کے سوا کوئی لفظ اپنے منہ سے نہیں نکالا، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو مسماۃ مذکورہ اپنی رضا سے نکاحِ جدید کر سکتی ہے یا نہیں؟

السائل: نور محمد از کھڈیاں ۱۲/۵۳ ۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاحِ جبر قطعاً نہیں ہوا کہ مسماۃ مریم عاقلہ بالغہ

بیوہ ہے تو اس کی صاف اجازت یا ایجاب وقبول کے سوا نکاح نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ وہ صاف انکار کرتی رہی ہے اور جب وہ نکاح نہیں ہوا تو اپنی رضا و رغبت سے حسب دستورِ شرع مطہر اب نکاح کر سکتی ہے، تمام کتب مذہبیہ میں یہ صاف مصرح ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

سائلہ مظہر کہ اس نے نکاح کی اجازت نہیں دی بلکہ صرف یہ کہہ دیا کہ یہ میرا لڑکا ہے میں اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتی اور پھر انگوٹھا بھی نہیں لگایا، مسمیٰ امین وٹو کہتا ہے کہ ہم نے نکاح کردیا ہے، کیا اس طرح نکاح ہو جاتا ہے حالانکہ سائلہ اب تک انکاری ہے اور نکاح پسند نہیں کرتی۔ سائلہ بمسماۃ سرداراں بیوہ شاہ محمد وٹو امیرے کا از کھوتی پور ۲۹ شوال المکرم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سائلہ کا بیان صحیح ہے تو یہ کوئی نکاح نہیں ہوا وذا ظاھر من جمیع

اسفار المذہب ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان - واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ شوال ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں سرداراں دختر کرم الٰہی کا نکاح سردار ولد متعلی سے روبرو گواہوں کرنے کی ازحد کوشش کی گئی، لڑکی بالغ تھی اور اس کا والد فوت ہوچکا تھا، لڑکی اس نکاح میں ناخوش تھی، نکاح خواں نے نکاح پڑھانے کی ازحد سعی کی مگر لڑکی انکار کرتی رہی اور روتی بھی رہی، بالآخر مجبوراً چند آدمیوں کے مشورہ سے یہ مشہور کردیا گیا کہ نکاح پڑھا دیا گیا ہے، کوئی ایجاب نہیں کرایا گیا، بعد نکاح لڑکی اپنے بھائی کے پاس ہی رہی، سرور کی ازدواجیت میں بھی نہ گئی، اب بھی جانے سے انکار کرتی ہے کہ میں نے نکاح ہی نہیں پڑھا اس لئے میں اس کی زوجیت میں جانے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں۔ برائے مہربانی ازروئے شریعت اسلام حزب الاحناف مسئلہ کی وضاحت فرمائی جاوے۔

العبد: علی احمد سربراہ نمبردار چک ۲۸/فور ایل

تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح ہے کہ لڑکی بالغہ بالکل انکار کرتی رہی ہے اور نکاح قطعاً نہیں پڑھا اور صرف چند لوگوں نے بطورِ خود مشہور کر دیا کہ نکاح ہو گیا تو واقع میں یہ نکاح نہیں ہوا اور نہ ہی وہ لڑکی شرعاً اس لڑکے کی بیوی ہے اور نہ ہی وہ لڑکا کا خاوند ہے وذا ظاهر جدا من ان یظهر۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبه واٰلہ واصحابه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت کا زبردستی نکاح کیا گیا۔ وہ عورت انکار کرتی رہی کہ میں اس کے ساتھ نکاح نہیں کرتی، اس کے ساتھ میری گزر نہیں ہوتی مگر مرد کو کلمے پڑھ کر زبردستی نکاح بنایا گیا تو اس پر عورت نے اس مرد سے کہا کہ آ ماماں چلئے، کہاں سونا بیٹھنا ہے اور پھر اسی رات اس مرد سے بھاگ کر ایک اور شخص کے پاس چلی گئی جس کے ساتھ نکاح کی خواہش مند تھی، کیا وہ زبردستی نکاح ہو گیا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورت سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا کہ شرائط نکاح سے عورت کی رضا بھی ہے، اس صورت میں عورت نکاح سے پہلے اور پیچھے انکار ہی انکار کرتی رہی تو نکاح کیسے ہوا؟ والمسئلۃ مصرحۃ بہا فی جمیع معتبرات المذاھب۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وبارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

تصدیق کی جاتی ہے کہ بوقت خواندگی نکاح مسماۃ رحموں دختر فتح دین ساکن کی اقبال پورہ داخل مصطفیٰ آباد باجازت فتح الدین والد مسماۃ رحموں نکاح شروع کیا گیا، ایجاب قبول کے وقت لڑکی (مسماۃ رحموں) نے کلمہ نکاح پڑھنے سے صاف انکار کیا اور اس نے کوئی کلمہ نکاح نہیں پڑھا بلکہ وہ گڑ جو برائے تقسیم مجلس تھا دور پھینک دیا تھا۔ لڑکی

سمجھ دار اور عاقل ہے، علمائے دین جس طرح حکم فرمائیں۔ والسلام

مولوی احمد الدین قاضی نکاح خواں — عبدالرحمٰن شہبیر ملک شاہ

دستخط (احمد دین) — حاضر مجلس نکاح مذکورہ بقلم خود

گواہ شد فتح الدین ولد بہادر رٹھاپی حاضر مجلس

(نشان انگوٹھا)

؎ سائل نے زبانی بیان کیا کہ لڑکی بالغہ تھی اور عاقل سے مراد یہی ہے لہٰذا فتوے میں لفظِ بالغہ زیادہ کیا گیا اور اس پر یہ حکم ہے ۱۲ ابوالخیر غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

نکاحِ مذکور صحیح و نافذ نہیں کہ عاقلہ بالغہ پر کوئی جبر نہیں کر سکتا، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ رجمادی الاخرے ۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ جوان لڑکی کے نکاح کے وقت

اجازت طلب نہیں کی گئی اور خاوند کے گھر پہنچ گئی، راضی ہو کر ایک مہینہ رہی، ایک مہینہ کے بعد اس لڑکی نے کہا کہ مجھ سے اجازت نہیں طلب کی گئی۔ کیا نکاح ہو گیا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: مولانا ابو الوفا منظور احمد مدرس مدرسہ عربیہ ستلج کاٹن ملز اسے لائن اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر وہ جوان لڑکی عاقلہ غیر عاقدہ بنفسہا ہے اور اس نے قبل از وقتِ نکاح بلا استیذان یا استیذان پر اذن نہیں دے رکھا تھا اور ایسے ہی وقتِ نکاح بلا استیذان بھی اذن نہ دیا ہو تو وہ نکاح نکاحِ فضولی ہوا جو لڑکی کی اجازت پر موقوف تھا اور مذہب حنفی میں اسے باطل جاننا محض جہالتِ باطلہ وفضول ہے، وقایہ، تنویر الابصار، در المختار، کنز الدقائق، بحر الرائق، ہندیہ، خیریہ میں ہے والنظم للھلی والاصل عندنا ان نکاح الفضولی موقوف لا باطل، تو اگر لڑکی نے بعد از علم نکاح جائز کر دیا کہ صراحۃً کہہ دیا کہ مجھے پسند ہے یا کوئی اور ایسا قول یا فعل کیا جو دال بر رضا ہو یا لڑکی کنواری ہے اور سکوت کیا تو جائز ونافذ ولازم ہو گیا اور شوہر کے گھر جانے پر راضی ہو کر ایک ماہ رہنے سے یہ رضا نمایاں ہو رہی ہے، بدائع صنائع اور فتاوے عالمگیری ج۱ص۲۸۷ میں ہے والنظم من الھندیۃ لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتہا فان اجازت جاز وان ردت بطل کذا فی السراج الوھاج۔ نیز انہی میں ہے والنظم منہا وتثبت الاجازۃ

لنکاح الفضولی بالقول والفعل کذا فی البحر الرائق. اسی میں ہے بنظمها
کما یتحقق رضاها بالقول کقولها رضیت وقبلت واحسنت واصبت
بارك الله لك ولنا ونحوه یتحقق بالدلالة کطلب مهرها ونفقتها
وتمکینها من الوطئ وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غیر استهزاء کذا
فی التبیین. نیز ان دونوں میں ہے وانتظم لمملك العلماء وان کانت بکرا
فان رضاها یعرف بهذین الطریقین وبثالث وهو السکوت، اور گو
حکم یہ ہے کہ پہلے رد کردے تو بعد کی اجازت معتبر نہیں، بحر الرائق میں ہے بخلاف ما
لو بلغها العقد فردت ثم قالت رضیت حیث لا یجوز لان العقد
بطل بالرد مگر زن وشوئی تعلقات کے باہمی ایک ماہ راضی رہنے کے بعد اب صرف
لڑکی کا دعوائے عدمِ طلبِ اجازت تو کیا دعوائے انعدامِ نفسِ اجازت پر اگر شہادتیں بھی پیش کریں
تو مقبول نہیں۔ ہمارے ائمہ کرام نے تو صرف ایک مرتبہ فعل بالرضا پر بھی یہی حکم لگایا ہے
مبسوط، فتاویٰ قاضیخان، فتح القدیر، بحر الرائق، فتاوائے عالمگیریہ میں ہے والنظم
للامام الحسن ان کان الزوج دخل بها طوعا لم تصدق فی دعوی
الرد۔ ہندیہ کی تعلیل بایں الفاظ ہے لان التمکین بمنزلة الاقرار بالرضا
ولو اقرت بالرضا ثم ادعت الرد لا یصح دعوٰها ولا تقبل بینتها
فکذا هذا کذا فی المحیط انتهی ولا فرق بین البکر والثیب
فی التمکین والدخول کما مر۔

ہاں اگر یہ جانا اور رہنا مجبوراً ہو تو اور حکم ہے، امام قاضی خان وغیرہ کا ارشاد
ہے وان کان دخل بها کرها صدقت فی دعوی الرد، اور اگر وہ نکاح
لڑکی کے ایسے اذن سے ہوا جو بلا استیذان وقتی تھا یا لڑکی نے خود عقد کیا تو ابتداءً ہی
لازم ونافذ ہوا وذا اظهر من ان یظهر اور اگر مجنونہ تھی تو اس کے احکام بھی غیر مخفی۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر جمادی الاخریٰ ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ یتیم نابالغ کا نکاح بلا اجازت ولی شرعی کے بایں صورت کیا گیا کہ فقط ہندہ کی والدہ کا انگوٹھا بلا رضا لگوایا، یہ نکاح شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

سائل: سندا ماچھی از موضع اوان کلاں مورخہ ۱۶ر شعبان المعظم ۶۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مسئولہ صحیح اور واقعی ہے تو ہندہ کا نکاح قطعاً نہیں ہوا کہ نابالغ و نابالغہ کا نکاح بلا اجازتِ ولی نہیں ہو سکتا اور عصبات کے موجود ہونے کی صورت میں والدہ ولی نہیں بن سکتی وذا البین من ان یبین اور لطف تو یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ کا محض نام ہی نام ہے، حقیقۃً نکاح قطعاً حتماً نہیں کہ نکاح شرعاً ایجاب و قبول کے بغیر منعقد ہو ہی نہیں سکتا۔ فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۱ وغیرہا میں ہے اما رکنہ فالایجاب والقبول اور ایجاب و قبول تلفظ کا نام ہے۔ اسی فتاوٰے ہندیہ میں ہے والایجاب ما یتلفظ

یہ اولا من ای جانب کان جواب (والقبول) ھکذا فی العنایۃ تو محض انگوٹھا اگرچہ رضا و رغبت سے خود ولی شرعی لگا دے کسی صورت میں قابلِ اعتبار نہیں چہ جائیکہ والدہ صورتِ مسئولہ میں ولی شرعی بھی نہیں اور وہ بھی بلا رضا لگا دیتی ہے واللہ ورسولہ اعلم جل جلالہ وعم نوالہ وصلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بیدہ

۱۶ر شعبان المعظم ۶۶ھ

الاستفتاءات

(سوالات من جمعیۃ العلماء پاکستان)

حضرات علمائے کرام و عمائدینِ ملت، السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ!

آپ کے علم میں ہوگا کہ پنجاب اسمبلی میں بیگم سلمیٰ ایم ایل اے نے ایک بل بابت تحدیدِ تعدد ازدواج پیش کیا ہے، یہ بل ہماری نظر میں مداخلت فی الدین کے مترادف اور اکثر خلافِ شرع ہے، بل کے مسودہ کی نقل بھی حاضر ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں، ہم نے اس بل سے چند سوالات اخذ کر کے جمع کئے ہیں، براہِ کرم اول فرصت میں مع حوالہ فتوے مرتب کر کے ایک کاپی سپیکر پنجاب اسمبلی اور ایک کاپی مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان کے دفتر میں ارسال کر کے ممنون فرمائیں۔

۱-(الف) از روئے شرع چار عورتوں سے بیک وقت انعقادِ نکاح بغیر کسی قید خارجی کے صحیح ہو سکتا ہے؟

(ب) اگر صحیح ہو سکتا ہے تو از روئے سیاستِ شرع کس حد تک قیود گوارا کی جا سکتی ہیں؟

(ج) کیا کسی جج یا مجسٹریٹ کو شریعتِ مطہرہ اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کے لئے ڈگری دے سکے؟

۲-(الف) بالفرض بعد حصولِ اجازت ایک سے زیادہ شادیاں کر لے تو منکوحہ اول مجاز ہو سکتی ہے کہ طلاق یا افتراق کا مطالبہ کر سکے؟

(ب) اگر طلاق یا افتراق کے لئے کسی عدالت میں مرافعہ کرے تو عدالت کے فسخ نکاح کر دینے سے عورت خود مختار ہو سکتی ہے؟

۳- بوقتِ نکاح ایسی شرط لگانا کہ دوسری شادی ہرگز نہ کرے، جائز ہے؟

۴-(الف) اگر شوہر نے طلاق الاحسن کے سوا کوئی اور طلاق دی تو کیا شرعاً کسی کو حق ہے کہ ان کو ناقابلِ قبول اور ناجائز سمجھے اور یہ کہ الاحسن کے سوا طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(ب) طلاق کے جائز یا ناجائز تصور کرنے کے فیصلے کے لئے کسی قانونی عدالت سے ڈگری حاصل کرنا کہ طلاق بوجہ احسن دی گئی ہے اور اس کے لئے معقول وجوہ کار فرما تھیں نیز شوہر نے اپنی مطلقہ بیوی کو معجل یا غیر معجل زرمہر اور عورت کے ایام کے لئے نان ونفقہ ادا کر دیا ہے اور اس کی تمام جائداد واپس کر دی ہے وغیرہ کی شرط لگانا صحیح ہو سکتا ہے؟

(ج) بالفرض وجوہِ مذکورہ ضمیمہ ب قانونی عدالت میں صحیح نہ ہو سکیں اور حقیقت میں شوہر نے طلاق دے دی ہو تو عدمِ ثبوتِ وجوہِ مذکورہ کی بنا پر طلاق کالعدم قرار دی جا سکتی ہے؟

(۵) ایک ہی نشست میں طلاق کے تین بار اعلان کو جن کو بالاتفاق طلاق البدعۃ کہا جاتا ہے اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟

۵۔ قانونی عدالت میں ثبوتِ دعویٰ کے سلسلہ میں اخراجاتِ مقدمہ کی ڈگری مدعا علیہ سے وصول کرنا یا جج کا فیصلہ دینا صحیح ہے؟

غلام معین الدین نعیمی غفرلہ نائب ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

(۱) ہاں یقیناً ہو سکتا ہے اجازتِ عامہ ربانیہ احل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ ع ۱) کا یہی تقاضا ہے اور مرد اس انتخاب و اختیار میں قیودِ خارجیہ سے آزاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع (پ۴ ع ۱۲) کا یہی معنی ہے اور یہ بھی یہ حق فطری کہ جعل لکم من انفسکم ازواجا (پ۲۱ ع ۱۶) کا لامِ لکم افادۂ استحقاق میں خلق لکم ما فی الارض (پ۱ ع ۳) کے لامِ لکم کے مماثل و مضاہی ہے اور یہی استحقاق للعہ نساءکم حرث لکم (پ۲ ع ۱۲) سے ناشی ہے پھر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ قولیہ

للعہ اجازتِ مناکحت سے انسانیت کو شہوانی مواصلات کے زیر بار کرنا مقصود نہیں بلکہ کتاب و سنت کا مطالعہ اور عقلِ سلیم کی روشنی سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اصل مقصود بقاء و افزائش نوع شریف ہے اور مواصلات مذکورہ ذریعہ محض ہیں اب اصل مقصود پر نظر کرنے سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جا سکتا ہے نساءکم حرث لکم مگر مسعود نظم کا تقاضا تھا کہ تعدد محدود ہو تو وہ [illegible] مکروہ یا جنگ حوادثِ حربیہ کے باعث مردوں کی کمی بسا اوقات مجبور بنا دیتی ہے کہ تعدد ازدواج ورنہ اب غیر [illegible] اسلام کے [illegible] کے درپے ہیں ۱۲ احمد غفرلہ

اور فضلیہ کا بھی فیصلہ یہی ہے، بیک وقت امہات المؤمنین کا نو ہونا (بخاری ج ۲ ص ۹، وغیرہ) جواز اربعہ بمع خصوصیت زائدہ کے اثبات میں کافی ہے اور چار سے زائد بیویاں اسلام لایا تو اسے اختر منہن اربعا فرمانا (بیہقی ج ۷ ص ۱۴۹ وغیرہ) بیان شافی ہے پھر اہل بیت عظام اور صحابہ کرام کا بھی یہی دستور رہا، حضرت مولا علی کے نکاح میں بیک وقت چار حرم تھے (غزالی احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۴)۔ امام حسن مجتبیٰ نے دو صد سے زیادہ عورتوں سے شادی کی، دیونکہ؛ کئی مرتبہ چار عورتوں سے بیک وقت عقد فرماتے اور کئی مرتبہ ایک ہی وقت میں چار کو طلاق دے دیتے، پھر ان کے عوض اوروں سے شادی فرماتے (احیاء ج ۲ ص ۳۱)، دیگر صحابہ میں بھی ایسے حضرات تھے جن کی تین اور چار بیویاں تھیں اور جن صحابہ کی دو تھیں وہ تو بے شمار تھے (احیاء ج ۲ ص ۳۱)

ہمارے ائمہ کرام بھی یہی فرماتے ہیں للحران یتزوج اربعا من الحرائر والاماء کذا فی الھدایۃ (فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶) البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ خوراک لباس وغیرہ امور اختیاریہ میں برابری کا برتاؤ نہیں رکھ سکے گا تو اپنے طور تعدد ازواج سے پرہیز کرے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ (پ ۴ ع ۱۲) اسی امر کی ہدایت ہے رہے غیر اختیاری امور محبت وغیرہ تو ان میں برابری کا برتاؤ محال ہے یقیناً کوئی کر ہی نہیں سکتا ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم (پ ۵ ع ۱۶) تو یہ مانع بھی نہیں بن سکتے، ان خفتم کے تحت داخل ہی نہیں کہ محال خطرہ انتفاء سے گزر کر منتفی ہوتا ہے لہٰذا ان امور میں استطاعتِ عدل کی تاکیداً نفی فرماتے ہوئے بین النساء سے جوازِ تعدد پر نص فرما دی کہ النساء سے شرعی متعدد بیویاں ہی مراد ہیں پھر فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ سے عدل مطلوب کو اختیاری امور میں محدود فرما دیا اور ترمذی ص ۱۴۰ کی حدیث شریف اللھم ھذہ قسمی فی ما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (ترمذی اس کی تفسیر میں ناقل

یعنی بہ الحب والمودۃ) صراحۃً بتا رہی ہے کہ محبت وغیرہ امور غیر اختیاریہ میں برابری کا برتاؤ ضروری نہیں بلکہ ممکن ہی نہیں اور ایسے ہی وسعتِ ذرائع آمدنی بھی شرط نہیں، کفیلِ رزق خود مولیٰ تعالیٰ ہے نحن نرزقکم وایاھم (پ۶ع۶) یعنی ہم تمہیں اور انہیں (اولاد) سب کو رزق دیں گے۔" بلکہ نکاح کرنے پر خصوصی فضل کا وعدہ فرمایا وان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ (پ۱۸ع۱۰)۔

حضرات ابن مسعود، عمر، ابوبکر بلکہ خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کا سببِ غنا ہونا مروی والنظم لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم التمسوا الرزق بالنکاح (درالمنثور ج۵ س ۴۵)۔

(ب) رضاکارانہ مشورہ کی حد تک کہ امرھم شوریٰ بینھم (پ۲۵ع۵)۔

(ج) جب ثابت ہو چکا کہ تعددِ ازدواج مرد کا جائز حق ہے تو اس کے لئے کسی کی ڈگری ضروری نہیں اور اسے کوئی روک بھی نہیں، مرد تو مرد ہی ہے عورت باوجودیکہ ناقصۃ العقل ہے اس کو بھی بلا مانع شرعی باپ بھائی، سلطانِ اسلام وغیرہ کوئی بھی شرعاً ہرگز ہرگز نکاح سے روک نہیں سکتا اگرچہ پہلے تلخ تجربہ بھی کر چکے ہوں کہ جس مرد کے ساتھ نکاح پر رضامند ہوئی ہے، پہلے بھی اس سے نکاح کر چکی ہو اور اس نے طلاق دے کر عدت گذرنے تک رجوع بھی نہ کیا ہو اور اگرچہ اس مرد کے نکاح میں پہلے بھی ایک یا ایک سے زیادہ بیویاں ہوں کہ مطلقاً ارشاد ہوا واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف (پ۲ع۱۴) پھر اس نہ روکنے کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (ذلکم ازکیٰ لکم واطھر واللہ یعلم وانتم لا تعلمون)۔ حقائقِ اشیاء کے جاننے والے ارحم الراحمین کے قوانین جو اغراض پر مبنی نہیں، وہی قابلِ عمل ہیں نہ انسان کے خود ساختہ کہ وہ بیچارہ

علمِ حقائق سے بے بہرہ اور پابندِ اغراض ہے۔

۲- (الف) صرف اس وجہ سے کہ شوہر نے اور شادی کر لی، پہلی بیوی ایسے مطالبہ کی شرعاً مجاز نہیں کہ مرد نے اس پر ظلم نہیں کیا یہ اس کا جائز حق تھا جیسے ثابت ہوا۔

(ب) نکاح کی گرہ شرعاً شوہر کے ہاتھ ہی ہے، صاف صاف ارشاد ہوا الذی بیدہ عقدۃ النکاح۔ (پ۲ ع۵۶) تو طلاق وافتراق بھی اسی کا حق ہے پھر حدیث شریف میں بھی نہایت وضاحت سے ہے کہ طلاق اسی کا حق ہے جو پنڈلی پکڑ سکتا ہے یعنی مجامعت کر سکتا ہے: ابنِ ماجہ ص ۱۵۲ میں ہے الطلاق لمن اخذ بالساق اور سننِ بیہقی ج۷، ص ۳۶۰ کی حدیث میں خاص تنبیہ موجود ہے الا انما یملک الطلاق من یاخذ بالساق تو بلا دلیلِ شرعی کسی اور کے فسخ کر دینے سے منکوحہ عورت خود مختار نہیں بن سکتی۔

۳- اختیاری طور پر وعدہ کی شکل میں جائز ہے مگر اس صورت میں دوسری شادی کرے تو نکاح ہو جائے گا کہ مولا تعالیٰ کا دیا ہوا حق نہایت قوی ہے حدیث شریف میں ہے ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائۃ شرط۔ (صحیح بخاری ج۱ ص ۳۷۷، صحیح مسلم ج۱ ص ۴۹۴)

۴- (الف) طلاق الاحسن اس طلاق کا ایک نوع ہے جس کو حضرتِ رب العالمین جل وعلا نے مشروع کیا اور قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں صراحۃً ذکر فرمایا، پھر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہایت تفصیل و توضیح فرما دی اور جمہور صحابہ کرام اور ائمۃ المسلمین و عامۃ المسلمین آجتک یہی سمجھتے آئے ہیں کہ طلاق مشروع ہے اور اس کے کئی نوع ہیں جو سب کے سب رافعِ نکاح ہیں۔ یہ مسئلہ اتنا واضح ہے کہ محتاجِ وضاحت ہی نہیں تو اس شرعی طلاق کے ایک نوع کو قابلِ قبول قرار دینا اور باقی انواع کو محض اپنی رائے سے رد کر دینا افتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعض کے تحت داخل

ہوتا ہے جو کسی مسلمان کی شان نہیں ہمیں تو حکم ملا ہے ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین (پ ۲ ع ۹) بہر حال شرعی طلاق کے سب انواع رافع نکاح ہیں، ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور کسی کا یہ حق نہیں کہ ایک کے ماسوا باقی سب انواع کو نا قابل قبول قرار دیدے۔

(ب) ہر گز ہر گز صحیح نہیں کہ قوانین قرآنیہ اور فرامین حدیثیہ یقیناً ان امور کی شرط سے مشروط نہیں بلکہ مطلق ہیں تو کسی ایماندار مرد یا عورت کو یہ اختیار قطعاً حاصل نہیں کہ مشروط بناتے ہوئے من مانی کارروائی کرے، مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (پ ۲۲ ع ۲) بلکہ خاص بیان طلاق میں ارشاد فرمایا تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظلمون (پ ۲ ع ۱۳) یعنی یہ احکام طلاق اللہ کی حدیں ہیں تو ان سے آگے نہ بڑھو اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں؛

(ج) جب وجوہ مذکورہ ضمیمہ ب کی شرط شرعاً صحیح ہی نہیں تو اس کا عدالتی عدم ثبوت بھی طلاق صحیح اور واقعی پر اثر انداز نہیں ہو سکے گا، کیا شرعاً ارتفاع نکاح کے بعد بھی عورت حلال رہے گی؟ مولا تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال وھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون متاع قلیل ولھم عذاب الیم (پ ۱۴ ع ۲۱) یعنی نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے:

طلاق کا معاملہ تو اتنا نازک ہے کہ ہنسی اور ٹھٹھے سے بھی کہہ دے تب بھی واقع

ہو جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے ثلث جدھن جد وھزلھن جد النکاح والطلاق والرجعۃ (بیہقی ج ۷ ص ۳۴۱)۔

د۔ صرف ایک ہی نہیں بلکہ یقیناً تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور عورت فوراً حرام ہو جاتی ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کے بعد فرمایا فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ (پ ۲ ع ۱۳) مطلقاً تین طلاقوں کا حکم فرمایا جو قطعی طور پر ایک نشست میں تین بار اعلانِ طلاق کو بھی ضرور شامل؛ اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی فتوےٰ ہے۔ ابنِ عمر نے سوال کیا ارأیت لو طلقتھا ثلاثا اکان یحل لی ان اراجعھا توجواباً فرمایا لا کانت تبین منک (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۰۱، دارقطنی اور ابن ابی شیبہ) اور اسی پر جمہور صحابہ کرام اور ائمہ عظام کا اجماع ہے، شامی ج ۲ ص ۵۷۶ میں ہے ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلث بلکہ ایک ہی لفظ میں تین طلاقیں دیدے، تب بھی واقع ہوتی ہیں دلائل کا یہی قطعی تقاضا ہے، ہمارے معتمدینِ ملت نے تو یہاں تک تصریح فرمادی کہ اگر اسلامی جج اس کے خلاف فیصلہ دیدے تو وہ فیصلہ باطل ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۳، ص ۱۶۵ میں ہے لو قضی ببطلان طلاق من طلقھا ثلاثا بکلمۃ واحدۃ او فی طھر جامعھا فیہ فقضاؤہ باطل۔

۵۔ جب اوپر ثابت ہو چکا کہ تعددِ ازدواج مرد کا جائز اور فطری حق ہے تو دوسری شادی کی مدافعت کا حق پہلی بیوی کو کیونکر ہو سکتا ہے اور ایسے ہی ثابت ہو چکا کہ مطالبۂ طلاق وافتراق کی اہل بھی نہیں اور شرعاً شوہر کے لئے بالادستی اور سیادت بھی ثابت ہے للرجال علیھن درجۃ (پ ۲ ع ۱۲)، الرجال قوامون علی النساء (پ ۵ ع ۳)، الفیا سیدھا لدی الباب (پ ۱۲ ع ۱۳) اور بیوی اس کی رعیت ہے، حدیث

شریف میں ہے الرجل راع علیٰ اھلہ (بخاری ج۲ ص ۷۷۹) اور شوہر کی قید میں ہے حدیث شریف میں ہے انھن عوان فی اید یکم یعنی اسراء (احیاء ج۲ ص) حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص ۱۲۷ میں ہے السنۃ الفاشیۃ من قبل ضرورۃ جبلیۃ ان یکون الرجال قوامین علی النساء ویکون بید ھم الحل والعقد وعلیھم النفقات و انما النساء عوان بایدیھم بلکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو ضرور حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا (ترمذی ج۱ ص ۱۵۰ باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ)

تو ماہِ نیم ماہ اور مہرِ نیم روز کی طرح نمایاں ہوا کہ ایسے فائق حقوق والے شوہر پر بلا استحقاقِ شرعی ایسے مقدمات دائر ہی نہیں کرسکتی بلکہ اگر ایسی غلطی کا ارتکاب کرے تو یہ نشوز و نافرمانی بنے گی جس پر شوہر بلا مداخلتِ حکام تعزیر بھی لگا سکتا ہے مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے والتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن (پ۵ ع۳ ۶)۔

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ کے ج۲ ص ۱۲۹ میں فرماتے ہیں ولا جائز ان یجعل امرھا الی القضاۃ. تو عورت کے ایسے مقدمات کے اخراجات کے متعلق شوہر کی ذمہ داری کا سوال ہی عائد نہیں ہوتا اور جہاں اسلام نے صنفِ نازک کو بہت سی سخت بندشوں سے رہائی عطا فرمائی وہاں چند پابندیاں بھی عائد فرمادی ہیں محض اس کی بہبودی کے لئے تو ان کا پاس اور بطیبِ خاطر برداشت کرنا از راہِ شکرانہ بھی اس پر ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ رحمۃ للعالمین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۲۳ جمادی الاخری ۷۴ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ :- بعد از صد تکریم عرض خدمت ہے کہ بندہ کی لاعلمی اور والدین کے از حد اصرار سے طوعاً وکرہاً بندہ ایک ایسی لڑکی سے شادی کر بیٹھا ہے جسے اگر بیوقوف نہیں کہہ سکتے تو عقلمند بھی نہیں، والدین کا خیال تھا کہ خود اچھی تربیت کرلیں گے مگر افسوس کہ ہر ممکن طریقے کے باوجود اصلاح نہ ہوسکی، سمجھانے کے باوجود اسے پاکی اور پلیدی کی تمیز تک نہیں، دینی واقفیت اور عمل تو بہت دور رہا علاوہ ازیں وہ گھریلو امور میں بھی کوری ہے، نہ روٹی تیار کرسکے، نہ آئے گئے مہمان کی دیکھ بھال اور نہ ہی گھریلو اشیاء بحفاظت رکھ سکے بلکہ وہ عرصہ دو سال سے بندہ کے پاس ہے اس عرصہ میں اس نے گھر کے اکثر کانسی اور سلور وغیرہ کے برتن بھی توڑ کر رکھ دیئے، بچوں کی طرح اپنا لباس مختصر ہونے کے باوجود پاک اور صاف نہیں رکھ سکتی، علاوہ ازیں وہ یتیم بھی ہے، والدہ اور بھائی اور دیگر رشتہ دار اس کے قریب تک نہیں جاتے، روٹی کپڑا تو بہت مشکل ہے۔ ان حالات میں اگر بندہ اسے طلاق دیدے تو اس کا کوئی ٹھکانہ اور دوسری شادی کئے بغیر گھریلو انتظام کا چلنا سخت مشکل ہے، اور اگر دوسری شادی کرلوں اور اسے بھی اپنے پاس رکھوں تو دونوں کے ساتھ ایک سا سلوک ہونا مشکل ہے کیونکہ سمجھدار اور تعلیم یافتہ نے معمولی چیز پسند نہیں کرنی اور موجودہ اس چیز کے اہل نہیں، بعد ازیں دونوں کو اعلیٰ اشیاء مہیا کرنا بندہ کی ہمت نہیں۔ اب کیا کروں کہ جس میں گرفتِ خداوندی اور انسانی دونوں نہ ہوں اور کام بھی احسن طریقے سے چلتا رہے اور یکساں سلوک نہ ہونے کے خوف سے طلاق دیتا ہوں تو اس کا

وارث کوئی نہیں اور اگر نہ دوں تو روٹی ملنی بھی مشکل ہے، بندہ خود انسانی ذریعہ معاش کا کام کرے یا گھر بیٹھ کر خود کھانا پکائے اور بیگم کو بھی کھلائے، کیا کرے؟

براہِ نوازش فتویٰ کی صورت میں اس مسئلہ کو حل فرما کر شریعت کے مطابق جوابِ باصواب مرحمت فرمادیں اور اس عریضہ کو پردہ میں رکھیں، فقط والسلام۔

آپ کا نیاز مند: ماسٹر محمد اقبال ساکن منڈی ہیرا سنگھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً خاوند پر لازم ہے کہ بیویوں کے ساتھ عدل و انصاف کرے پوشاک، خوراک، اخراجات، مکان، شب باشی میں کنڈے کے تول برابر برتاؤ کرے، کسی ایک کو بالکل ترجیح نہ دے اور اگر ایسا سلوک یقیناً نہ کر سکتا ہو یا نہ کرنے کا خطرہ دامنگیر ہو تو پھر ایک بیوی پر ہی اکتفا کرے، قرآن کریم میں ہے فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ پس اگر خطرہ ہو نہیں کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک بیوی۔ تفسیراتِ احمدیہ وغیرہا میں ہے وذلک العدل فی الکسوۃ والنفقۃ والسکنی و البیتوتۃ معہا۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ومما یجب علی الازواج للنساء العدل والتسویۃ بینھن فیما یملکہ والبیتوتۃ عندھا للصحبۃ والموانسۃ۔ نیز فتاویٰ عالمگیری میں ہے لا یجوز ان یجمع ضرتین او الضرائر فی مسکن واحد الا برضاھن یعنی دو یا زیادہ بیویوں کو ایک مکان میں بغیر ان کی رضا کے اکٹھا رکھنا جائز نہیں، ہاں دلی محبت اور مجامعت میں برابری لازم نہیں کہ محبت غیر اختیاری

ہے اور مجامعت بھی مبنی بر محبت ہے، اس کا بیان بھی قرآنِ کریم میں ہے ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ (ترجمہ) اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ متعدد عورتوں کو برابر رکھو (حتی کہ محبت اور جماع میں بھی برابری رکھو) اگرچہ کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف پورا جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر میں لٹکتی چھوڑ دو۔

تفاسیر اور فتاوی عالمگیری میں ہے لا فیما لا یملك وھو الحب والجماع بناءً علیہ آپ پر لازم کہ دوسری شادی ایسی صورت میں ہرگز نہ کریں اور اگر مجبوراً دوسری بیگم چاہیے تو پہلی کو طلاق دیکر فارغ کر دیں، باقی رہا یہ خدشہ کہ پہلی بیگم کا والد اور بھائی اور رشتہ دار اس کا خیال نہیں کریں گے اور روٹی کپڑا نہیں دیں گے تو اس کا جواب خود قرآنِ کریم نے دیا ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ یعنی صورتِ اصلاح و موافقت نہ بننے پر میاں بیوی الگ الگ ہو جائیں (کہ خاوند طلاق دیدے) تو اللہ تبارک و تعالی دونوں کو اپنی کشائش سے ایک دوسرے سے بے نیاز بنا دے گا، تو طلاق کی صورت میں آپ اس گناہِ عظیم سے بچ جائیں گے جس کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ مجبوراً برابری نہیں کر سکتے اور بیگم کے لئے کوئی اور اچھی صورت مولی تعالی پیدا کر دے گا اور والد و رشتہ دار ضرورت کے وقت خیال نہ کریں گے تو وہ خود ماخوذ ہوں گے، آپ پر کیا نقصان عائد ہو گا؟ ہاں اگر اسی بیگم پر اس کی غریبی کی وجہ سے صابر رہو تو اجرِ عظیم حاصل کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

تاریخ تحریر

۱۷ ربیع الثانی ۸۰ھ بروز جمعۃ المبارکہ

الاستفتاء

حضرت قبلہ مولانا محمد نور اللہ صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم! ملتمس ہوں کہ ایک لڑکی کے بیمار ہونے پر اس کی والدہ نے منت مانی تھی کہ لڑکی اگر تندرست ہو جائے تو وہ اسے حضور نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر چڑھا وا دیں گے، لڑکی تندرست ہو گئی، اب لڑکی سن بلوغت کو پہنچ چکی ہے، وہ میرے قبیلے سے ہے، میں چاہتا ہوں کہ اپنے لڑکے کے لئے اس کا رشتہ طلب کروں، لڑکی کے وارث اسے عرب شریف پہنچا کر اپنی منت پورا کرنا چاہتے ہیں، آپ سے استدعاء ہے کہ آپ فتوے صادر فرمائیں آیا لڑکی کا رشتہ نہیں ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کا کفارہ ہو گا یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں اس لڑکی کا رشتہ نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ منت ایسی منت نہیں جس کا پورا کرنا لازم ہو۔ ایسی منت کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی جنس سے ہو جس کا کرنا شرعاً واجب ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ وہ عبادت وسیلہ نہ ہو، فتاوٰی عالمگیر ج ا ص ۲۰۷ میں ہے احدھا ان یکون الواجب من جنسہ شرعا فلذلک لم یصح النذر بعیادۃ المریض والثانی ان یکون مقصودا لا وسیلۃ فلم یصح النذر بالوضو وسجدۃ التلاوۃ اور چونکہ روضۂ انور پر لڑکی کا چھوڑنا شرعاً واجب نہیں اور نہ یہ

جنسِ واجب سے ہے تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی اور یونہی روضۂ انور کی حاضری ہمارے لیئے وسیلۂ نجات ہے اور وسیلہ کی منت نہیں لہٰذا یہ منت صحیح نہیں ہے اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں داخل ہونے کی منت مانے تب بھی منت لازم نہیں اسی وجہ سے کہ وہ وسیلہ ہے، شامی ج ۳ ص ۹۲ اور در المختار میں ہے والنظم من الدرر ولو مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم او الاقصی لانہ لیس من جنسہا فرض مقصود وھذا ھو الضابط اور نذر کے لازم نہ ہونے کے اور بھی کئی دلائل ہیں۔ بہرحال یہ منت لازم نہیں تو اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں، ہاں یہ نہایت بہتر اور مناسب ہے کہ شرائط شرعیہ کی رعایت کے ساتھ اس لڑکی کو روضۂ انور کی زیارت کرائی جائے اور درود شریف زیادہ پڑھا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محمد الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱-۵-۶۳

الاستفتاء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد گذارش:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک نکاح ۱۹۵۷ء میں ہوا تھا اور ڈولی میں لڑکی کو نہیں پایا گیا، کیا آج ڈولی پانے

کے لیئے دوبارہ نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں حالانکہ طلاق یا اور کوئی چیز نکاح کو نقصان پہنچانے والی نہیں پائی گئی، تحریر فرمادیں۔

سائل: محمد سرور بقلم خود حصہ دار وجھلانا ۶-۷-۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جب پہلے باقاعدہ نکاح ہو چکا ہے تو دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں، پہلا ہی نکاح کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

بانی ومہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑہ

۹ ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ ۶/۷/۶۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ جو کہ آدمی گونگا بہرہ ہو مگر اشاروں کو خوب سمجھ سکتا ہے نیز عرصہ پانچ سال تک گونگا بہرہ سکول میں تعلیم حاصل کرتا رہا ہے لکھ سکتا ہے۔ اب اس کی شادی کرنا ہے نکاح کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے ذرا وضاحت فرمادیں (یونہی

لکھا ہے۔

عرضی: میاں قائم سکنہ جند لیکا والد نیاز احمد گونگا بہرا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اس کو اشارہ سے سمجھا دیا جائے کہ تیرا نکاح اس لڑکی کے ساتھ کیا ہے کیا تجھے قبول ہے؟ پھر اگر وہ اشارہ کر دے کہ قبول ہے تو نکاح ہو گیا، یونہی لکھ کر اس کے سامنے کر دیا جائے اور وہ قبول کا اشارہ کر دے یا لکھ دے تو جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۴۰ میں ہے ایماء الاخرس وکتابتہ کالبیان فی الوصیۃ والنکاح والطلاق نیز اسی میں ہے یجوز نکاح الاخرس وطلاقہ (الی ان قال) اذا کان یکتب او یؤمی ایماء یعرف بہ۔ اور یونہی اکثر کتبِ مذہب میں ہے اور اس کا لکھنا اشارہ سے بھی اچھا ہے[1] جبکہ باقاعدہ صحیح لکھ سکتا ہو مثلاً یہ کہ من کہ فلاں بن فلاں ہوں اس لڑکی فلانہ بنت فلاں کا نکاح قبول کرتا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید نا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ر صفر المظفر ۱۳۹۲ھ ۲۶/۳/۷۲ء

---

[1] تکملۃ البحر ص ۷۸ ج ۴ ویعلم من اشارۃ روایۃ الاصل ان الاشارۃ من الاخرس (مع) مقیدۃ بالقدرۃ علی الکتابۃ الخ ۱۲ منہ غفرلہ ۱۱ر صفر الخیر ۱۳۹۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی گونگے کے ساتھ کسی عورت کا نکاح کیا جاوے تو کس طریقہ سے کیا جاوے؟ کیا اس کے ولی یا وکیل کی زبانی ایجاب و قبول ہوگا یا کسی اور صورت میں نکاح کیا جاوے گا، عرض دیگر آنکہ اگر وہی گونگا اپنی عورت کو طلاق دینا چاہے تو کس صورت میں عورت کو طلاق واقع ہوگی؟

السائل: عبد الغنی از روہیلا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

گونگے کا اشارہ اور تحریر زبانی بیان کے حکم میں ہے تو اشارے سے اس کا نکاح و طلاق ہو سکتی ہے، تنویر الابصار وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے ایماء الاخرس و کتابتہ کالبیان بخلاف معتقل اللسان فی وصیۃ و نکاح و طلاق و بیع و شراء و قود۔ واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفر لہ البصیر پوری

۸ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم ومکرم جناب مولانا مولوی نور اللہ صاحب دامت ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : بعد سلام مسنونہ، میں بفضلِ خدا خیریت سے ہوں تمہاری خیریت خداوند قدوس سے نیک مطلوب ہے۔ آپ اور میری ملاقات مسجد نبوی اعتکاف کے وقت ہوتی رہتی تھی اور آپ سے مسئلہ بھی دریافت کیا تھا جو دوسرے کاغذ پر لکھا ہے، یہ دوسرا مسئلہ ایک اور ساتھی کو درپیش ہے اس لئے لکھ رہا ہوں کہ:

اگر خاوند وعورت کے درمیان مشورہ ہو کہ یہاں نکاح کرکے تو مجھے کراچی چھوڑے گا اگر تمہاری مرضی ہو لیکن بوقتِ نکاح کوئی شرط نہیں تھی، عورت سے بھی ناکح نے پوچھا اس نے کہا شرط نہیں، کیا یہ ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

مستفتی : محمد علی مقیم مدینہ منورہ سعودی عرب

یہ دونوں پرچے میری طرف سے آرہے ہیں اور دونوں ہی میرے ساتھی ہیں ان کا خاص خیال فرما کر جلدی جواب ارسال کرنا آپ کی بڑی مہربانی ہوگی اور ایک ہی لفافہ میں ان کے پتہ پر ارسال فرما دینا دونوں کے جواب کو۔

آپ کا دوست : حاجی محمد اسمعیل صاحب مدینہ منورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایسا نکاح صحیح ہے فتاویٰ عالمگیر ج ۱ ص ۲۸۳ میں تبیین الحقائق سے ہے

مسئلہ یہ مسئلہ کتاب الطلاق میں آئے گا ۱۲ مرتب

ولو تزوجها مطلقا و فی نیتہ ان یقعد معہا مدۃ نواھا فالنکاح صحیح اور یہ نکاح نکاحِ متعہ یا نکاحِ موقت نہیں کیونکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں، شامی ج ۲ ص ۴۰۳ میں ہے (قولہ وبطل نکاح متعۃ وموقت) قال فی الفتح قال شیخ الاسلام فی الفرق بینہما ان یذکر الوقت بلفظ النکاح والتزویج وفی المتعۃ اتمتع او استمتع بلکہ ان کے مشورے میں لفظ چھوڑے گا، اگر بمعنی طلاق ہو یعنی کراچی پہنچکر طلاق دے دے گا تو ایسی شرط ایجاب و قبول کے ساتھ بھی ہو تب بھی نکاح صحیح ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ا ص ۲۸۳ میں ہی ہے ولو تزوجہا علی ان یطلق بعد شہر فانہ جائز کذا فی البحر الرائق درالمختار میں ہے ولیس منہ (ای من الموقت) ما لو نکحہا علی ان یطلقہا بعد شہر او نوی مکثہ معہا مدۃ معینۃ۔ شامی ج ۲ ص ۴۰۴ میں ہے (قولہ ولیس منہ الخ) لان اشتراط القاطع یدل علی انعقادہ مؤبدا ویبطل الشرط، بحر (قولہ او نوی الخ) لان التوقیت یکون باللفظ، بحر۔

بہرحال ایسا نکاح صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۹۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ کا نکاح مسمّٰی زید کے ساتھ مؤرخہ ۲۱/۱۲/۶۴ (چار برس تین ماہ قبل ازیں) کو درجِ ذیل شرائط کے ساتھ منعقد ہوا کہ:

۱۔ زید اپنی بیوی کے حقوقِ زوجیت باقاعدگی سے ادا کرے گا۔

۲۔ زید کی عدم موجودگی میں ہندہ اپنے والدین کے پاس رہے گی اور وہ زید سے مبلغ پچیس ۲۵ روپے ماہوار نان و نفقہ کے لئے لیتی رہے گی۔

۳۔ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو اختیار دیا کہ اگر وہ مندرجہ بالا دونوں شرطیں پوری نہ کر سکے تو ہندہ ثبوت مہیا کر کے عند الشرع و عند العدالت علیحدگی حاصل کر سکتی ہے۔

مندرجہ بالا شرط ۳ کے تحت اگر زید شرائطِ بالا ۱، ۲ کو پورا کرنے سے انکاری ہے تو کیا مسماۃ ہندہ کا نکاح عند الشرع باقی رہ سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا بدلائل الکتاب و توجروا بالصواب۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر ہندہ مندرجہ بالا دونوں شرطوں کے پورا نہ کرنے کا ثبوت مہیا کر کے علیحدہ ہونا اختیار کرے تو کر سکتی ہے پھر نکاح باقی نہیں رہے گا مگر جب تک ثبوت مہیا نہ کرے

یا مہیا کر کے علیحدگی اختیار نہ کرے تو نکاح باقی رہے گا جب تک کہ طلاق یا فسخِ نکاح کا کوئی اور سبب نہ پایا جائے کیونکہ شرط ۳ میں ثبوت مہیا کرنا اور علیحدگی اختیار کر سکنے کی تصریح ہے اور یہ نہیں کہ پہلی یا دوسری شرط پوری نہ کرے تو طلاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

1469

الاستفتاء

سائل زبانی مظہر کہ ماہِ ذی الحجۃ المبارکہ میں عید کے دنوں سے آگے پیچھے شادی خانہ آبادی کے متعلق ہمارے بعض بزرگ کہتے ہیں جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلا شک و شبہ جائز ہے قرآنِ کریم میں ہے وانکحوا الایامیٰ منکم

یہ مطلق ہے اور اطلاقِ مطلق دلیلِ شرعی نہایت قوی ہے تو جواز ثابت ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ واصحابہ وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۲؍ذی القعدۃ المبارکۃ ۵۷ھ

تعارف باب المہر

نکاح کے باب میں ایک اہم چیز مہر ہے۔ مہر' شرعاً اس مالی منفعت کا نام ہے' جو عورت مرد سے نکاح کے عوض حاصل کرنے کی مستحق ہوتی ہے۔ شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ بہ غرض اکرام و اعزاز بیوی کو مال کی صورت میں مہر ادا کرے۔ شریعت مطہرہ نے مہر کو عورت کا ایسا اہم حق قرار دیا ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر کا تعین نہ بھی کیا جائے یا اس کی بالکل ہی نفی کر دی جائے تب بھی مہر ادا کرنا شوہر پر واجب ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

فآتوهن اجورهن فريضة----(النساء' ۴ : ۲۴)

"سو (جن عورتوں سے تم نکاح کرو) انہیں ان کے مقرر شدہ مہر ادا کر دو"-----

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مہر راضی خوشی ادا کیا جائے:

وآتوا النساء صدقٰتهن نحلة----(النساء' ۴ : ۴)

"تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو"-----

مہر شرعی

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شادی کے موقع پر فضول رسموں میں بے دریغ دولت خرچ کی

جاتی ہے مگر جب مہر کی باری آتی ہے تو انتہائی تنگ دلی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت افسوس ناک رویہ ہے' ایسے موقع پر کوشش یہ ہوتی ہے کہ بتیس روپے یا پچاس روپے مہر رکھا جائے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے شرعی حق مہر کا نام دیا جاتا ہے۔ حالانکہ جتنا مہر بھی متعین کر لیا جائے' وہ شرعی ٹھہرے گا-----

شریعت اسلامیہ میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱/۵ ۱ رتی کے برابر ہے' اس لحاظ سے دس درہم کا وزن دو تولے سات ماشے اور چار رتی (۳۰.۶۱۷ گرام) چاندی بنتا ہے لہٰذا اتنی مقدار چاندی یا اس کی مالیت کے برابر دینا ضروری ہے۔ آج مورخہ ۵/جون ۲۰۰۰ء کو چاندی کی قیمت ایک سو روپے تولہ ہے' اس لحاظ سے دس درہم چاندی کی قیمت دو سو باسٹھ روپے پچاس پیسے (۲۶۲.۵۰ روپے) بنتے ہیں۔ یہ کم از کم مہر ہے-----

مہر کی زیادہ مقدار کی کوئی حد مقرر نہیں' چاہے تو عورت کو ڈھیروں مال دے دے' وہ شرعی حق مہر ہی قرار پائے گا۔ قرآن کریم میں ہے:

و ان اردتم استبدال زوج مکان زوج و آتیتم احدھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئا-----(النساء' ۴:۲۰)

"اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور اس بیوی کو مال کا انبار دے چکے ہو تو تم اس مال میں سے کچھ واپس نہ لو"-----

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حق مہر میں زرہ دی' جس کی مالیت چار سو اسی درہم تھی' جو آج کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو روپے (=/۱۲۶۰۰ روپے) کی تھی-----

خود نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا مہر پانچ سو درہم (=/۱۳۰۰۰ روپے) سے کم نہ تھا-----

چنانچہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے:

کان صداقه لازواجه ثنتی عشرة اوقیة و نشا قالت اتدری

ما النش قال قلت لا قالت نصف اوقية فتلك خمس مائة درهم فهذا صداق رسول الله ﷺ لازواجه ------ (صحیح مسلم' جلد ا' صفحہ ۴۵۸/ مسند امام احمد' جلد ۶' صفحہ ۹۴)

"رسول اللہ ﷺ کی ازواج (مطہرات) کا مہر بارہ اوقیہ اور نش تھا۔ پوچھا' جانتے ہو نش کیا ہے؟ عرض کیا' نہیں۔ فرمایا: نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) تو یہ پانچ سو درہم بنے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی بیویوں کا مہر تھا"------

خلاصہ یہ کہ مہر میں زیادہ مقدار کی کوئی حد نہیں مگر اسلام چونکہ میانہ روی کا حکم دیتا ہے اس لیے مہر میں بھی اس پہلو کا لحاظ رکھا جائے تاکہ اسے بآسانی ادا کرنا ممکن ہو۔ بہتر یہ ہے کہ فریقین کی حیثیت اور عورت کی علمی حیثیت' سلیقہ مندی' سیرت و صورت کے محاسن اور خاندانی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر کا تعین کیا جائے------

اقسام مہر

مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں:

(۱)...... مہر مثل (۲)...... مہر مسمی

مہر مثل

عورت کے باپ کی رشتہ دار عورتوں (مثلاً پھوپھیوں' بہنوں) میں جو عورت عمر' شکل و صورت' حسن و جمال اور سیرت و کردار میں اس عورت کی مانند ہو اس کے مہر کا اعتبار کیا جائے گا۔ نکاح کے وقت مہر کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو تو مہر مثل (طلاق' خلوت صحیحہ یا وفات احد الزوجین کی صورت میں) واجب ہو گا' اسی طرح اگر اس شرط کے ساتھ نکاح کیا جائے کہ کوئی مہر نہ ہو گا (جیسے نکاح شغار میں) تو شرط ساقط ہو گی اور مہر مثل لازم ہو گا------

مہر مسمی

وہ مہر جو بوقت نکاح یا بعد از نکاح زوجین میں طے پایا ہو۔ مہر مسمی کی تین قسمیں ہیں:

(۱)...... مہر معجّل (۲)...... مہر مؤجل (۳)...... مہر مؤخر

مہر معجّل

جو بوقت نکاح فوری ادا کرنا پڑے' عورت کو اختیار ہے کہ وہ جب تک یہ مہر وصول نہ کرے' خاوند کے ساتھ رہنے اور وظیفہ زوجیت ادا کرنے سے انکار کر سکتی ہے-----

مہر مؤجل

وہ مہر جس کی ادائیگی کی کوئی میعاد قرار پائی ہو' مثلاً مہینہ' سال یا دس سال بعد کی مدت طے ہو جائے' میعاد پوری ہونے کے بعد عورت مطالبہ کر سکتی ہے' میعاد گزرنے سے پہلے مطالبہ کا حق نہیں-----

مہر مطلق / مؤخر

وہ مہر جس میں معجّل یا مؤجل کی تصریح نہ کی گئی ہو بلکہ اسے مطلق و مبہم رکھا گیا ہو' ایسا مہر طلاق یا زوجین میں سے کسی ایک کی وفات کی صورت میں قابل ادا ہو گا' خاوند فوت ہو جائے تو حق مہر اس کے ترکہ سے ادا کرنا ضروری ہے۔ اگر بیوی فوت ہو جائے تب بھی حق مہر ساقط نہیں ہو گا بلکہ حسبِ قواعدِ شرعیہ اس کے ورثاء کو ادا کرنا ضروری ہے۔ ہاں اگر عاقل' بالغ ورثاء پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ معاف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بصورت دیگر شوہر کے ذمہ اس کی ادائیگی واجب رہے گی-----

مہر کی کمی بیشی یا معافی

عورت کو اختیار ہے کہ چاہے تو پورے کا پورا مہر یا اس کا کچھ حصہ خاوند کو معاف کر دے' اسی طرح مرد جب اور جس قدر مہر میں اضافہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک ہزار روپے حق مہر مقرر ہوا' خاوند چاہے تو ایک ہزار روپے مزید اضافہ کر دے۔ مہر میں اضافہ کے لئے تجدید نکاح ضروری نہیں ہے-----

خلوت صحیحہ سے پہلے مہر

خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق واقع ہو جائے اور بوقت نکاح مہر معین کیا گیا ہو تو مرد کے ذمہ

اس مہر (مسمّی) کا نصف ادا کرنا لازم ہے۔ اگر مہر مقرر نہ ہو تو مرد کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت کو کپڑوں کا ایک جوڑا ہدیہ کرے۔ اگر خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق کی نوبت پیش آئے اور فسخ نکاح کی ذمہ دار عورت ہو تو عورت کچھ بھی مہر کی مستحق نہیں ہوگی ——

فتاویٰ نوریہ جلد دوم کی پہلی دو اشاعتوں میں باب المہر الگ سے نہیں تھا البتہ اس بارے میں ایک فتویٰ باب الخطبہ میں شامل تھا۔ اب کے علیحدہ باب کے طور پر اس کا عنوان قائم کر دیا گیا ہے۔ مہر سے متعلق دو فتوے جلد ششم سے لئے گئے ہیں۔ اس طرح یہ باب تین فتاویٰ پر مشتمل ہے ——

واضح رہے کہ جلد ششم کے یہ فتوے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز نے فتاویٰ نوریہ کی اشاعت اول کے بعد تحریر فرمائے تھے ——

باب المہر کی اہمیت کے پیش نظر اس کا باب الگ باندھا گیا اور اس کی توضیح کے لئے تعارفی کلمات تحریر کیے گئے ——

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

باب المہر

الاستفتاء

بگرامی خدمت حضرت العلام قبلہ فقیہ اعظم مفتی اعظم استاذ العلماء

ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ کے بعد مؤدبانہ گذارش ہے کہ :

کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام دریں مسئلہ کہ حق مہر شرعی کتنا ہونا چاہیے ؟ جو ساڑھے بتیس روپے مشہور ہے اس کی کیا حقیقت ہے ؟ واضح فرمائیں۔ ثواب دارین حاصل کریں۔

السائل : سید غلام رسول چک ۸/۱۲۔ایل ڈاکخانہ ۵/۱۲۔ایل ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً کم از کم حق مہر دس درہم ضروری ہیں، اس لحاظ سے جتنی چاندی ہے اتنا حق مہر ہونا چاہیے خواہ سو روپے یا دو تین صد روپے بنیں، غالباً ساڑھے بیس روپے بھی اسی لحاظ سے تھے کیونکہ چاندی سستی تھی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ

۲۲-۳-۸۰

الاستفتاء

سائل کا بیان کہ زید کہتا ہے کہ لڑکی والے جس کو نکاح کر دیں اس سے اپنے واسطے روپیہ بعوض لڑکی لے سکتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو زرہ بیچ کر درہم دیئے تھے ان سے کچھ تھوڑا سا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خرچ کیا اور باقی اپنے گھر رکھے تھے، آیا یہ زید کا قول اور دلیل صحیح یا غلط؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

زید کا یہ قول محض غلط و بے بنیان، اس کی دلیل نہایت ہی پریشان، قول تو یوں کہ لڑکی آزاد اور آزاد کی بیع شرعاً محض باطل وحرام، چنانچہ اسفارِ اطہارِ شرعِ مطہر صراحۃً اس مضمون کی تصریحاتِ بینہ سے گونج رہے ہیں، یہ تو ہے اگر بعوض لڑکی کا حقیقی معنیٰ مراد ہے اگر اس سے مراد یہ ہو کہ روپیہ بعوض نکاح لڑکی کے لے سکتے ہیں اور ظاہر بھی یہی ہے، تب بھی یہی ہے کہ اس کا قول محض غلط کہ لڑکی کا نکاح کر دینا اللہ تعالیٰ کے حکم وانکحوا الایامیٰ منکم کی تعمیل ہے اور تعمیل حکم الٰہی کے عوض روپیہ لینا شرعاً ناجائز بلکہ عقلاً بھی ایسا ہی ہے اور رشوت ہے، بحر الرائق، منحۃ الخالق، فتاویٰ ہندیہ میں ہے و النظم من البحر لو خطب امرأۃ فی بیت اخیها فابی الاخ الا ان یدفع الیہ دراھم فدفع ثم تزوجها کان للزوج ان یسترد مادفع لہ۔ منحۃ الخالق میں ہے لانہ رشوۃ کذا فی البزازیۃ اقول ھٰکذا فی قضاء البحر، اور اس کی دلیل سراسر غلط کہ نعوذ باللہ من ذالک، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ اپنے لئے بعوض نکاحِ کریم زرہ مانگی اور نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعوض نکاح حضور کے ملک کی بلکہ زرہ مہر میں دی گئی تھی، اس پر احادیث طیبہ صراحۃً دال ہیں۔ ابو داؤد اپنی سنن اور نسائی مجتبیٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی واللفظ من المجتبیٰ ج۲ ص ۹۲ (مصریہ) لما تزوج علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطها شیئا قال ما عندی قال فاین درعك الحطمیۃ۔ تو اعطها کی ضمیر سیدۃ النساء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف راجع ہے نہ کہ حدیث شریف میں اعطنی آیا ہے کہ مستدل کی دلیل فاسد

بن سکے تو پھر اپنے گھر رکھنا یعنی آپ مالک بننا کہاں یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سید الزاہدین نفسی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لختِ جگر کو وہ زرہ دلوا کر اپنے دولت خانہ پر رکھیں، اپنا ملک بنائیں جو شرعاً حرام اور سخت حرام ہے بلکہ تحقیقِ انیق یہ کہ زرہ دینے کا حکم بعد نکاح بطورِ مہر معجل ہوا تھا نہ قبل نکاح، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۹۰ (مجیدی) و نسائی ج ۲ ص ۹۲ میں ہے واللفظ لابی داؤد ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما تزوج فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اراد ان یدخل بھا فمنعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی یعطیھا شیئا فقال یا رسول اللہ لیس لی شیئ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعطھا درعک فاعطاھا درعہ ثم دخل بھا واستدل بھذا الحدیث علی کون الدرع مھرا معجلا فی فتح القدیر۔

افسوس کہ مستدل کو قبض و تملک کا فرق معلوم نہیں، افسوس کہ اپنے لئے روپیہ مانگنا اور لینا رذیلوں کا پیشہ ہے، شرفاء اسے سخت ناگوار جانتے ہیں مگر زید اس عیب کو بارگاہِ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ زید پر فرضِ اہم کہ اس سے توبہ کرے اور اس کے وبال و نکال سے ڈرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ نورہ اللہ ربہ وقواہ

۱۰ ار رجب المرجب ۱۳۵۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ متین دریں مسئلہ کہ مسمیٰ زید نے اپنی

سالی حقیقی کو اپنی بیوی کی موجودگی میں زنا کر کے حاملہ کر دیا۔ ورثاءِ زانیہ نے عرصہ پانچ ماہ حاملہ ہونے کے بعد اس کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا۔

۱۔ کیا ازروئے شریعت یہ نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ نکاح خوان و گواہانِ نکاح کا نکاح قائم رہے گا کہ نہیں؟

۲۔ منکوحہ زانیہ کا نکاح قائم رہے گا یا نہیں؟

۳۔ منکوحہ زانیہ کے حمل کا علم ہونے کی صورت میں طلاق دے کر اس کو فارغ کر دیا گیا ہے۔

۴۔ کیا زانیہ حاملہ کو طلاق کے بعد اپنے حقِ مہر کی وصول کرنے کی ازروئے شریعت حق دار ہے یا نہیں؟

۵۔ تاریخ نکاح ۲۱ فروری ۱۹۷۷ء، وضعِ حمل ۶ جولائی ۱۹۷۷ء کو ہوا اس کے خاوند نے طلاق دے کر فارغ کر دیا۔

اب مسئلہ حقِ مہر کا ہے کیا ازروئے شریعت زانیہ مطلقہ حقِ مہر وصول کر سکتی ہے کہ نہیں؟ یہ فتوےٰ مفصل مدلل عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

مکمل پتہ حسبِ ذیل ہے:۔

غلام سرور خاں ولد سردار محمد خاں قوم کھتران سکنہ دہوا محلہ حضرت سلطان لوزنگ رحمۃ اللہ علیہ تحصیل تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں

غلام سرور بقلم خود ۷۸-۱-۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ ہاں ایسی عورت جو کسی کے نکاح میں نہ ہو اور اس کو زنا کا حمل ہو جائے تو حضرت

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نزدیک اس کا نکاح شرعی جائز ہے قرآن کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ وقال ابو حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا ولا یطأھا حتی تضع۔

۲۔ نکاح خوان و گواہان کے نکاح رہیں گے کیونکہ انہوں نے جائز نکاح کیا ہے اور گواہ بنے ہیں۔

۳۔ ہاں منکوحہ زانیہ کا نکاح بھی طلاق سے قبل قائم رہے گا اور طلاق کی صورت میں طلقہ ہو جائے گی اور حسب الحکم نکاح ختم ہو جائے گا۔

۴۔ اگر خاوند کے پاس اکیلے مکان میں کچھ وقت کے لئے ٹھہری ہے کہ وہ جماع کر سکتا تھا اگرچہ کیا نہ ہو تو پورا حقِ مہر وصول کر سکتی ہے ورنہ نصف، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۱ میں ہے تجب العدۃ فی الخلوۃ سواء کانت الخلوۃ صحیحۃ او فاسدۃ (الیٰ ان قالوا) فاقاموھا مقامہ فی حق تاکد المھر، نیز اسی صفحہ میں ہے واذا تاکد المھر لم یسقط الخ لہٰذا وہ عورت خلوت یا دخول کی صورت میں شرعاً پورا حقِ مہر وصول کر سکتی ہے ورنہ نصف تو ضرور وصول کر سکتی ہے کہ اس کا شرعاً حق ہے اسی لئے تو اس کو حقِ مہر کہا جاتا ہے جو قرآنِ کریم کے دوسرے پارے میں وضاحت سے بیان ہو چکا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶ صفر المظفر ۱۳۹۸ھ ۸-۱-۷۸ ۱۶

شغار

بابُ الشّغار

"درج ذیل سوال وجواب کے تعاقب میں حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کا فتویٰ ص۳۸۵ تا ص۳۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔" (مجیب)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو ہر دو نے اپنی اولاد کا نکاح بطور شغار یعنی بٹہ کے کیا ہے، زید کی دختر کی عمر بوقتِ عقدِ شرعی صرف چھ ماہ کی تھی اور عمرو کی دختر جوان تھی چنانچہ وہ اس وقت سے اپنے خاوند کے ہاں آباد ہوگئی، زید کی دختر عرصہ ایک دو برس سے جوان ہوگئی ہے لیکن وہ کسی صورت میں بھی اپنے خاوند یعنی پسرِ عمرو کے ہاں جانے اور آباد ہونے پر تیار نہیں، اسے از حد سمجھایا گیا ہے کہ تیرا خاوند فلاں ہے۔ اس کے ساتھ زندگی بسر کرو، وہ کہتی ہے میں ہرگز نہ جاؤں گی، میری طبیعت اسے بالکل نہیں چاہتی خواہ کیسے بھی ہو مجھے اس کے پاس جانا مطلقاً منظور نہیں۔ نیز واضح ہو کہ والدین قسم کھاتے ہیں کہ ہماری اس میں کوئی شرارت نہیں دوسری

طرف سے خاوند کہتا ہے کہ میں اسے ضرور لوں گا اور اسے ہرگز آزاد نہ کروں گا حتی کہ اس کی موت آجائے۔ عورت جوان اور خاوند سے پورے طور پر متنفر ہے، خاوند بھی خواہ ایک اور عورت منکوحہ رکھتا ہے اس ضد پر مصر ہے کہ اسے موت تو آزاد کر دے تو میں مجبور ہوں ورنہ میں آزاد نہ کروں گا۔ اندریں صورت زوجہ مذکورہ کے والدین کیا صورت اختیار کر سکتے ہیں؟ جو حکم شرع شریف ہو ارشاد فرمادیں۔ بینوا توجروا۔

سائل: مولوی ثناء اللہ صاحب گنگوی

الجواب بعون الملک الوہاب

بشرطِ صحتِ سوال عرض ہے کہ خواہ زنِ مذکورہ کو کسی امام کے نزدیک اختیارِ فسخ نہیں ہے کیونکہ جب نابالغہ اور کنواری لڑکی کا عقد شرعی باپ یا دادا کرے تو بعد از بلوغت عورت کو متفق طور پر اختیارِ فسخ حاصل نہیں ہے جبکہ تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے لیکن جب عورت بسنا نہیں چاہتی اور پورے طور پر خاوند کے ہاں جانے سے انکاری ہے اور خاوند بھی پورے عناد سے لینے پر مصر ہے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے کیونکہ حالاتِ زمانہ از حد خطرناک ہیں، ایسے گورکھ دھندا میں ایک تو عورت کا فواحش میں مبتلا ہونا لازمی ہے، دوسرا جو مقاصد عقدِ شرعی سے وابستہ ہوتے ہیں، تمام فوت ہو جائیں گے مثلاً توالد و تناسل نیز خاندانِ زنِ مذکورہ اور اس کے خاوند کے مابین ہمیشہ کے لئے فتنہ برپا رہے گا والفتنۃ اشد من القتل لہذا اس کا حل معزز اور معقول تلاش کرنا چاہیے سو واضح ہو کہ اس گورکھ دھندا کا بہترین حل خلع ہے چنانچہ ثابت بن قیس کا فیصلہ اس طور پر سرورِ کائنات نے فرمایا تھا یعنی ثابت بن قیس کی عورت ایک روز علی الصباح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر حاضر ہوئی جب آپ نے اسے دیکھا، دیکھ کر آنے کی وجہ

دریافت کی تو اس نے عرض کی کہ سرکار خواہ میرا خاوند ثابت بن قیس پورا دیندار ہے لیکن مجھے اس سے پوری نفرت ہے اور میری اس سے گزر ناممکن ہے۔ سرکار نے ثابت کو بلا کر حکم دیا کہ تم اپنا حق اپنی عورت سے واپس لے لو اور اسے آزاد کر دو۔ اس نے عرض کی کیا حضور یونہی درست ہے؟ آپ سرکار نے فرمایا کہ ہاں! چنانچہ ثابت نے اپنی زوجہ کو آزاد کر دیا اور اس نے ثابت کو اس کے ہر دو باغ جو کہ مہر میں دیئے گئے تھے، واپس کر دیئے جیسا کہ سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۰۴ میں یوں مذکور ہے

عن عمرة بنت عبد الرحمٰن بن سعد بن زرارة عن حبيبة بنت سهل انها كانت تحت ثابت بن قيس وان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج الى الصبح فوجد حبيبة بنت سهل عند بابه فى الغلس فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من هذه قالت انا حبيبة بنت سهل قال ماشانكِ قالت لا انا و لا ثابت بن قيس لزوجها فلما جاء ثابت بن قيس قال له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هٰذه حبيبة بنت سهل فذكرت ماشاء الله ان تذكر فقالت كلما اعطانى عندى فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لثابت بن قيس خذ منها فاخذ منها وجلست فى اهلها وفى رواية عائشة رضى الله عنها فضربها فكسر بعضها فاتت النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد الصبح فدعا النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثابتا فقال خذ بعض مالها وفارقها فقال ويصلح ذلك فقال نعم قال اصدقتها حديقتين وهما بيدها فقال النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خذها ففارقها ففعل۔

سہو لوحی لکھا ہوا تھا ۱۲

بخاری شریف باب الخلع میں ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ ثابت بن قیس کی عورت نے یوں عرض کی تھی کہ حضور میری ثابت سے نبھ نہیں سکتی چنانچہ آپ نے خاوند کو بلا کر اسے حق واپس دلوا دیا اور عورت کو آزاد کروا لیا۔ اگر خاوند کے ہاں نہ جانے والی عورت کو مجبور کر کے خاوند کے پاس روانہ کرنا لازم ہوتا تو سرورِ کائنات ثابت کو بلا کر کبھی اس کی زوجہ کو آزاد نہ کرواتے بلکہ اسے یعنی عورت کو مجبور کر کے اس کے ہاں روانہ کرتے نیز اگر یہ پیچیدگی حل کرنی مقدم نہ ہوتی تو نبی صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اس تنازع میں دلچسپی فوری نہ لیتے بلکہ آپ نے ناچاکی ناقابلِ اصلاح کے آئندہ خطرات سے متأثر ہو کر فوراً تفریق کرا دی جس سے صاف روشن ہے کہ تنازع ناقابلِ درستی کی صورت میں بجائے عورت کو مجبور کرنے کے خلع از حد بہتر ہے اور مقدم امر ہے تاکہ عورت آزاد ہو کر حسبِ منشا آباد ہو سکے، زنا جیسی بلا سے بچ کر اطمینان سے زندگی بسر کرے، ادھر خاوند کو بھی حق مل جائے اور فتنہ دب جائے، مرد کو چاہیے کہ سرکار کے اس عمل کے مطابق چل کر عورت کو آزاد کر دے اور ضد نہ کرے عورتوں کی دنیا میں کمی نہیں ہے، خداوند کوئی بہتر انتظام کر دے گا اسی طرح عورت کو بھی اس سے بہتر کوئی خاوند نصیب ہو جائے گا، اگر خاوند ضد کرے تو چونکہ قاضی کو ولایۃ عامہ حاصل ہے جیسا فقہ کی تمام کتب میں مذکور ہے مثلاً شرح الوقایہ باب الاستدانۃ الزوجۃ علی الزوج ج ۲ ص ۴، اقام القاضی مقامہ لکونہ ذا ولایۃ فیفرق بینہما میں مذکور ہے (ترجمہ) قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے لہٰذا قاضی تفریق کر دے اور فتنہ فساد کو ختم کر دے جیسا کہ قاضی کو ولایتِ عامہ حاصل ہے، خاوند عنین اور اس کی ضد کی صورت میں فتنہ و فساد کے پیشِ نظر قاضی کو پورا حق ہے کہ وہ عورت اور مرد کے درمیان خود تفریق کرے معاملہ طے کر سکتا ہے، یہ تفریق احناف کے نزدیک طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔ دوسری صورت خلاصی کی یہ ہے جاء فی الدر المختار لا بأس بتقلید المذہب الشافعی عند الضرورۃ یعنی حنفی مقلد بوقتِ ضرورت بلا خوف و خطر امام شافعی کی تقلید کر سکتا ہے جبکہ خاوند کے مفلس ہونے کی صورت میں اور نفقہ نہ دے

کی حالت میں احناف امام شافعی کے مذہب پر عمل کرتے ہیں جیساکہ شرح الوقایہ ج ۲ ص اور ہدایہ شریف اولین میں مذکور ہے چونکہ صورتِ مذکورہ میں نکاح بٹہ کا سبب در جھگڑہ ختم ہونے کی صورت نظر نہیں آتی کیونکہ اپنی ضد سے باز نہیں آتا اور نہ ہی عورت نرم ہونے کو تیار ہے سوائے تقلید امام شافعی رضی اللہ عنہ کے کوئی چارہ نہیں لہٰذا ورثا امام شافعی کے مذہب پر عمل کرکے معاملہ ختم کریں۔ جاء فی الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج۲ ص ۱۸۸ نکاح الشغار مفسوخ ولا یحل وان جعل لھما صداقا وھو قول الشافعی واحمد واسحٰق یعنی بٹہ کا نکاح امام شافعی کے نزدیک فسخ اور حرام ہے گویا ہوا ہی نہیں، جاء فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۸۴ کتاب النکاح ان العباس بن عبداللہ بن عباس انکح عبدالرحمٰن بن الحکم ابنتہ وانکحہ عبدالرحمٰن ابنتہ وکانا جعلا صداقا فکتب امیر معاویۃ الی مروان یأمرہ بالتفریق بینھما وقال فی کتابہ ھذا الشغار الذی نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (ترجمہ) دو شخصوں نے امیر معاویہ کے زمانہ میں بٹہ کا نکاح آپس میں کیا تو حضرت امیر معاویہ نے اپنے گورنر مروان کو حکم لکھا کہ نکاحِ مذکور میں تفریق کرادے، الغرض حنفی مقلد صورتِ مذکورہ میں بوجہ مجبوری امام شافعی کے مسلک شغار پر عمل کرکے پیش آمدہ عیبت سے مخلصی حاصل کرسکتا ہے ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ کفش بردار علماء الدین ثناء اللہ خالدی الہاشمی مہاجر فیروزپوری بقلم خود مدرس مدرسہ نورالاسلام بنگہ صالح ڈاکخانہ خاص تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری - ۱۸-۴-۴۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے

اپنی اولاد کے نکاح باہمی پچاس پچاس روپیہ حق مہر مقرر کر کے کئے۔ زید کی لڑکی بوقت عقدِ شرعی صرف چھ ماہ کی تھی اور عمرو کی لڑکی جوان تھی۔ جوان لڑکی اسی وقت سے زوج کے گھر آباد ہو گئی، زید کی لڑکی جب جوان ہوئی تو اس نے خاوند کے گھر نہیں بھیجی، وہ بیچارے کوشش کرتے رہے ہیں مگر زید نہیں مانتا بلکہ کہتا ہے کہ جوان لڑکی کو طلاق دیدو اور دوسری بالکل چھوٹی لڑکی کا نکاح کر لو مگر فریقِ عمرو یہ تسلیم نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ انتظار میں اتنا وقت گزرا کہ چھ ماہ کی لڑکی کئی سالوں سے جوان ہے اور اب طلاق دے کر پھر چھوٹی لڑکی کا نکاح کریں تو زوج بیچارے کا وقت ختم ہو جائے گا۔ اب فریقِ زید نے ایک مولوی صاحب کے پیش یہ استفسار کیا اور کہا کہ ہماری لڑکی اس خاوند کو پسند نہیں کرتی اور اس کے گھر آباد ہونا مطلقاً پسند نہیں کرتی اور خاوند بھی طلاق نہیں دیتا اور اصرار کرتا ہے کہ میری بیوی میرے گھر آباد ہو، تو مولوی صاحب نے یہ فتوے دیا کہ یہ نکاح زنِ مذکورہ کسی امام کے نزدیک فسخ نہیں کر سکتے کہ نابالغہ اور کنواری لڑکی کا عقدِ شرعی باپ یا دادا کرے تو بعد از بلوغت عورت کو متفق طور پر اختیارِ فسخ نہیں ہے جیسا کہ تمام کتبِ فقہ میں مذکور ہے لیکن جب عورت بسنا نہیں چاہتی اور خاوند کے ہاں جانے سے انکاری ہے اور خاوند بسنے پر مصر ہے تو یہ ایک بڑی مصیبت ہے، اس کا حل ہے اور اگر خاوند نہ مانے تو قاضی خود تفریق کر دے، اور دوسری صورت یہ کہ امام شافعی کی تقلید کر لیں اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ امام شافعی کے مذہب میں نکاحِ شغار یعنی بٹہ فسخ اور حرام ہے گویا ہوا ہی نہیں

مولوی صاحب کے فتوے کی نقل بھی حاضر ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ:

۱۔ کیا واقعی مرد پر لازم ہے کہ خلع کر لے اور عورت کی ضد پوری کر دے؟

۲۔ اگر مرد خلع نہ کرے کیا قاضی خود تفریق کر سکتا ہے؟

۴۔ طرفین کا مہر مقرر کرکے بعد ذکر معاوضہ احدالبعضین بالآخر آپس ہی کر دیئے جائیں کیا وہ شغار فسخ و حرام ہیں کہ سرے سے ہوئے ہی نہیں ہیں؟ اگر واقعی شغار ہے کیا اس لڑکی کا نکاح باطل ہے اور دوسری کا جو آباد ہے اور صاحبِ اولاد ہے جائز ہے یا باطل؟

فتویٰ مذکورہ مولوی صاحب نے پچاس روپیہ لے کر دیا ہے۔

سائل: نادر از بونگہ صلح ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

استفتائے فریقین کی رو سے ہندہ کا نکاح صحیح و لازم ہے اور واقعی اسے حقِ فسخ کسی امام کے نزدیک نہیں اور زوج کا مطالبہ کہ ہندہ میرے گھر آباد ہو بالکل صحیح اور جائز مطالبہ ہے، شرعاً عقلاً عرفاً نکاح کا مقتضیٰ یہی ہے ھن لباس لکم، نساؤکم حرث لکم، عاشروھن بالمعروف، ازواجا لتسکنوا الیھا، الرجال قوامون علی النساء، وغیرہا ارشاداتِ قرآنِ کریم اور احادیث تو اس باب میں بحرِ ناپیدا کنار ہیں کما لا یخفی علی من لہ ادنی ملابسۃ بہا لہٰذا ایک جملہ پر اقتصاراً اختصار ہے الرجل راع علی اھلہ تو اہلِ رعیت ہوا، اور فقہائے کرام نے نکاح کی تعریف ہی بالفاظِ متغایرہ یہ فرمائی ہے عقد یفید ملک المتعۃ بلکہ صاف تصریح فرمادی کہ زوج حبس و قید و منع من الخروج کا مالک ہے، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۳۱، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۰، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲ میں ہے والنظم من البحر و منہا ملک الحبس والقید وصیرورتہا ممنوعۃ من الخروج والبروز میزان شعرانی ج ۲

ص ۱۲۴، رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۷۰، میں ائمہ اربعہ کا فیصلہ بالاجماع نقل فرماتے ہیں والنظم من المیزان یجب علی الزوجۃ طاعۃ زوجہا وملازمۃ المسکن بلکہ معتدہ پر لازم کہ انقضائے عدت تک زوج کے گھر رہے حالانکہ عدت اثر نکاح ہے، سورۃ الطلاق میں ہے لا تخرجوھن من بیوتھن ولا یخرجن، اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم، تو ہندہ کا اس کے گھر نہ جانا اور آباد نہ ہونا بایں عذر کہ میری طبیعت اسے بالکل نہیں چاہتی خواہ کیسا بھی ہو مجھے اس کے ہاں جانا مطلقاً منظور نہیں، صریح ظلم اور نافرمانی ہے جس کا نام شرعاً نشوز ہے، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۹۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۹۶، مبسوط ج ۵ ص ۱۸۶، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۳، عنایہ ج ۴ ص ۱۹۶، کفایہ ج ۴ ص ۱۹۶، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۷۹ میں ہے والنظم للامام الفخر لو امتنعت المرأۃ عن السکنی معہ تصیر ناشزۃ۔

فتح القدیر اور بحر الرائق میں یہ بھی افادہ فرمایا کہ خروج سے مراد زوج کے گھر آنے پر موافق نہ ہونا ہے اگرچہ شروع ہی میں ہو والنظم من الفتح والتحریر ان المراد فیہ عدم الموافقۃ علی المجیئ الی المنزل سواء کان بعد خروجہا او امتنعت عن ان تجیئ الی منزلہ ابتداء، تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۰، تفسیر نیشاپوری ج ۵ ص ۲۴، ج ۱ ص ۱۸۲، مدارک ج ۱ ص ۱۷۴، تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۱۶، ابو السعود ج ۳ ص ۴۲، تفسیرات احمدیہ ص ۱۸۱، تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۲۰۲، جلالین ص ۷۶، جمل علی الجلالین ج ۱ ص ۳۷۹، ج ۱ ص ۱۹۱، معالم التنزیل ج ۱ ص ۴۳۳، خازن ج ۱ ص ۴۳۳ میں بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من الخازن نشوز المرأۃ هو بغضها لزوجها و رفع نفسها عن طاعتہ یعنی عورت کا نشوز یہ ہے کہ خاوند کو برا جانے اور اس کا حکم نہ مانے، تو اس میں [illegible] اتم داخل ہے اور جب ثابت ہوا کہ ہندہ ناشزہ ہے تو اس کا معززاد معقول [illegible]

کریم نے بصیغہ امر بیان فرمایا واللاتی تخافون نشوزھن فعظوھن واھجروھن
فی المضاجع واضربوھن تو اگر بندہ کے وارث نیک نیت اور سچے ہیں تو جبراً اسے زوج
کے گھر بھیجیں تاکہ حسب ہدایت رب العلمین وہ نصیحت و تادیب کر سکے، ہدایات ربانیہ پر
عمل پیرا ہونے سے مومن کا دل انوار سے پُر ہو جاتا ہے اور عسی ان تکرھوا شیئا
وھو خیر لکم کا جلوہ ظہور پذیر ہوتا ہے بلکہ کریمہ فان کرھتموھن فعسی ان تکرھوا
شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا سے بطریق دلالۃ النص صریح جزئیہ مستفاد اور گو بحکم
لاجناح علیھما فیما افتدت بہ خلع کی اجازت ہے مگر بہتر یہی صورت صلاح ہے
کہ طلاق ابغض الحلال ہے، سنن بیہقی ج۷ ص ۳۲۲، سنن ابو داؤد ج۱ ص ۲۹۶، مستدرک
ج۲ ص ۱۹۶ میں باسانید متعددہ و کلمات متقاربہ حضرت عبداللہ بن عمر سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق، حاکم نے فرمایا ھذا حدیث
صحیح الاسناد اور ذہبی نے تسلیم کرتے ہوئے فرمایا قلت علی شرط (م)، نیز حاکم
نے فرمایا ومن حکم ھذا الحدیث ان یبدأ بہ فی کتاب الطلاق، سنن
ابوداؤد ج۱ ص ۳۰۳، سنن ترمذی ج۱ ص ۱۵۴، سنن بیہقی ج۷ ص ۳۱۶ میں بالفاظ متقاربہ
حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایما امرأۃ
سألت زوجھا طلاقا فی غیر ما بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ، سنن نسائی
ج۲ ص ۱۰۷، سنن بیہقی ج۷ ص ۳۱۶ میں بہ ترتیب متقارب حضرت ابوہریرہ سے ہے
کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المنتزعات والمختلعات ھن المنافقات
ومثلہ فی المختلعات عند الترمذی عن ثوبان مرفوعا یہی وجہ ہے
کہ بعد از طلاق رجعت کو جائز فرمایا بلکہ ترغیب فرمائی وبعولتھن احق بردھن، فامساک
بمعروف، فامسکوھن بمعروف اور مرد کو قوام بنایا اور طلاق اسی کے اختیار میں رکھی
کہ عورت بوجہ نقصان عقل و دین بلا وجہ تفریق نہ کر دے اور یہاں تو زوج طالب صلح ہے

کہ عالم اور ناشز بھی ہو تب بھی عورت کو ہدایت فرمائی کہ مصالحت کی کوشش کرے اور صلح کو خیر فرمایا و ان امرأۃ خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر اور حدیث حبیبہ بنت سہل سے خلع ہی ثابت ہے وجوب یا جبر زوج علی الخلع ثابت نہیں۔ عینی شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۷۵ میں قوله صلی اللہ علیہ وسلم طلقها الامر فیہ للارشاد والاستصلاح لا للایجاب والالزام ومثلہ فی حاشیۃ البخاری عن الفتح اور بصورت انکارِ زوج قاضی تفریق نہیں کر سکتا کہ تفریق حکماً طلاق ہے کہ گرہِ نکاح زوج کے ہاتھ میں ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح۔

تفسیر مدارک ج ۱ ص ۹۵، تفسیرات احمدیہ ص ۱۰۲ خازن ج ۱ ص ۲۰۵ میں ہے کہ حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی کا مختار یہ ہے

کہ اس سے مراد زوج ہے والنظم من الخازن وهو قول ابی حنیفۃ والشافعی فی الجدید واحمد وجمهور الفقهاء، روح البیان ج ۱ ص ۱۷۳، جمل علی الجلالین ج ۱ ص ۱۹۴ میں یہ تفسیر اختیار فرمائی ہے۔ تفسیر طبری ج ۲ ص ۳۹۳ میں اسے ترجیح دی ہے میزانِ شعرانی ج ۲ ص ۱۲۳، رحمۃ الامہ ج ۲ ص ۵۰ میں ہے والنظم من الرحمۃ قال ابو حنیفۃ هو الزوج وهو الجدید الراجح من مذهب الشافعی سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۲ میں اسے ترجیح اور امامِ شافعی کا قولِ جدید بتایا ہے۔ سنن ابن ماجہ ص ۱۵۲، سنن بیہقی ص ۳۶۰ میں بالفاظِ متقاربہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا انما الطلاق لمن اخذ بالساق یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو جماع کر سکتا ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۸، ابن ماجہ ص ۱۴۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۸، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۰۵ حضرت عبد اللہ بن عمرو سے بالفاظِ متقاربہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا طلاق له فیما لا یملك

ابوداؤد نے سکوت فرمایا جو دلیل قبول ہے اور ترمذی نے حسن صحیح اور احسن شیئ روی فی ھذا الباب فرمایا، مستدرک ج ۲ ص ۲۰۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۹ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا طلاق لمن لم یملک یعنی طلاق اس کے لیے نہیں جو مالک نہیں، حاکم نے فرمایا حدیث صحیح علی شرط الشیخین اور ذہبی نے تقریر فرمائی اور ولایتِ قاضی کا یہ معنی نہیں کہ صرف عورتوں کو خوش کرتے ہوئے تفریق کرنا ہے، شرح الوقایہ میں باب استدانۃ الزوج نہیں اور نہ ہی اس میں یہ عبارت ہے بلکہ باب النفقہ کے مسئلہ استدانہ میں دلیل امام شافعی ذکر فرمائی اور اس کے حاشیہ پر مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی نے اس دلیل کی تفصیل میں یہ لفظ ذکر کئے، فقہ حنفی کی کسی مستند کتاب میں یہ مذکور نہیں بلکہ صاف صاف تصریح فرمادی کہ ہمارے مذہب میں زوج کے نفقہ سے عاجز ہونے کی صورت میں قاضی تفریق نہیں کر سکتا۔ وقایہ شرح الوقایہ ص ۱۷۴، تنویر الابصار، درالمختار ج ۲ ص ۹۰۳، شامی ج ۲ ص ۹۰۲، ہدایہ ج ۲ ص ۴۱۶، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۰۱، کفایہ ج ۴ ص ۲۰۱، عنایہ ج ۴ ص ۲۰۱، مبسوط ج ۵ ص ۱۹۰، عالمگیر ج ۲ ص ۱۴۵، خلاصہ ج ۲ ص ۴۵، قاضیخان ج ۱ ص ۱۹۸، کنز الدقائق ص ۱۴۲، قدوری ص ۱۹۱، رمز الحقائق ص ۱۴۲، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے والنظم من البحر لا یفرق بعجزہ عن کلھا او بعضھا اور عنین پر عاجز عن النفقہ کا قیاسِ شوافع قیاس مع الفارق ہے کما بین فی المبسوط ج ۵ ص ۱۹۱ و البحر ج ۴ ص ۱۸۴ وغیرھا، البتہ شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۷۴، ۱۷۵، درالمختار ج ۲ ص ۹۰۳، شامی ج ۲ ص ۹۰۳، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے کہ مشائخ نے مستحسن فرمایا کہ قاضی حنفی ضرورت کے وقت شافعی المذہب کو نائب بنائے اور وہ شافعی المذہب تفریق کرے والنظم من شرح الوقایۃ استحسنوا ان ینصب القاضی نائبا شافعی المذہب یفرق بینھما۔ اور رعایتِ شروط ضروری ہے کہ نافذ ہو کما فی رد المحتار وغیرہ

اور ان شروط سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ رشوت نہ لیں۔ در المختار وغیرہ میں ہے اذا لم یرتش الآمر والمامور۔ اور اگر خود قاضی حنفی تفریق کرے تو نافذ نہیں۔ در المختار ج ۲ ص ۹۰۴۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۴ میں ہے والنظم من الدر ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ مگر مسئولہ کا قیاس اس پہ صحیح نہیں کہ یہاں تو زوج کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف نہیں سوائے خیالات فاسدہ کے اور دلائل سے ثابت ہوچکا کہ مرد متنازعہ ہے۔ نصوص کے مقابلہ میں تو قیاس مجتہدین بھی مضمحل ہوتا ہے اور اب اس زمانہ میں تو مجتہد کہاں مجتہدین کا کلام سمجھ لیں تو غنیمت ہے اور اگر قیاس ہی کرنا ہے تو ان مسائل پر کیوں نہیں قیاس کرتے جن میں تفریق نہیں مثلاً اگر زوج باوجود قدرت عورت کو خرچ نہ دے تو قاضی بالاتفاق تفریق نہیں کرسکتا بلکہ قید کرلے حالانکہ طاقت ہوتے ہوئے خرچ نہ دینا صریح ظلم ہے اور عورت کو اس میں سخت تکلیف ہے۔ در المختار ج ۲ ص ۸۹۴، شامی ج ۲ ص ۸۹۴۔ مبسوط ج ۲ ص ۱۸۸، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۶، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۰۳ و النظم منہ۔ ولاخلاف ان الموسر اذا لم یطعم لا یجبر علی الفراق بل یحبس بلکہ مخالفت زوجین کے وقت جو حکم طرفین قرآن کریم کے حکم سے بھیجے جاتے ہیں وہ بھی ہمارے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک تفریق نہیں کرسکتے اگرچہ زوج کا ظالم ہونا بھی ثابت ہوجائے، مدارک ج ۱ ص ۱۷۴، معالم التنزیل ص ۶۳۵، تفسیر طبری ج ۵ ص ۴۹، نیشاپوری ج ۵ ص ۴۵ و النظم من النیشاپوری فیہ للشافعی قولان اصحہما وبہ قال ابوحنیفۃ واحمد انہما وکیلان لان البضع حق الزوج الخ شامی ج ۳ ص ۵۳۶ میں ہے ان باب القیاس مسدود فی زماننا وانما للعلماء النقل من الکتب المعتمدۃ کما صرحوا بہ۔ یعنی قیاس کا دروازہ ہمارے زمانے میں بند ہے، علماء صرف کتب معتمدہ سے نقل کرسکتے ہیں، شرح عقود رسم المفتی ص ۴۳ میں ہے فعلی من لم یجد

نقلا صریحا ان یتوقف فی الجواب او یسئل من ھو اعلم منہ۔ یعنی جو صریح
نقل نہ پائے اس پر لازم ہے کہ جواب میں توقف کرے یا زیادہ علم والے سے
سوال کرے فوائد زینیہ سے نقل فرمایا کہ قواعد وضوابط کی رو سے فتویٰ دینا حلال نہیں،
مفتی پر صریح نقل کا بیان ضروری ہے لا یحل الافتاء من القواعد والضوابط
وانما علی المفتی حکایۃ النقل الصریح کما صرحوا بہ۔ اور صرف حادثے کی
ایسی نظیر میں فرق ہو سکتا ہے جسے یہ نہیں سمجھ سکتا ولا یکتفی بوجود نظیرھا مما
یقاربھا فانہ لا یأمن ان یکون بین حادثۃ وما وجدہ فرق لا یصل
الیہ فھمہ۔ بلکہ درالمختار ج۲ ص ۲۲۸ میں خلاصہ سے ہے لو قیل لحنفی ما مذھب
الامام الشافعی فی کذا وجب ان یقول قال ابو حنیفۃ کذا یعنی اگر حنفی
سے دریافت کیا جائے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا مذہب کیا ہے تو واجب ہے کہ
کہے کہ حضرت ابو حنیفہ نے یوں فرمایا و مقارب۔ فی ج۴ ص ۳۴۳ ۵ بلکہ ج۳ ص ۲۶۳
میں ہے کہ اگر امام شافعی کے مذہب کی طرف انتقال کرے تو تعزیر لگایا جائے ارتحل
الی مذھب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ یعزر اور ج۳ ص ۵۲۹ میں ہے کہ
ایسے شخص کی شہادت قبول نہیں ولا من انتقل من مذھب ابی حنیفۃ الی
مذھب الشافعی یہ ہیں درالمختار کی تصریحات اور مفتی صاحب درالمختار سے اجازت
نقل فرما رہے ہیں بلکہ درالمختار ج۴ ص ۴۲۰ میں ہے کہ اگر قاضی اپنے
مذہب کے معتمد کی مخالفت کرے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوتا یہی مختار للفتوی ہے بل
المقلد متی خالف معتمد مذھبہ لا ینفذ حکمہ وینقض ھو
المختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ وقدمناہ
فی اول الکتاب وسیجئی۔

صرف درالمختار کے چند ارشادات پر اختصارًا اقتصار ہے کہ مسئلہ متنازع فیھا

ہیں تو تقلید امام شافعی کا دخل ہی نہیں کہ ان سے تفریق و فسخ و حرمت کی نقل ہی نہیں کما عرفت اور مفتی صاحب بھی بالاتفاق نفاذِ نکاح تسلیم کر چکے ہیں کہ کسی امام کے نزدیک حق فسخ نہیں، اول جواب میں تحریر کیا تو اب شغار کا بہانہ بنا کر امام شافعی کے نزدیک کیوں فسخ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ یہ صورت حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک قطعاً شغار نہیں شغار کی تعریف صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۴، سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۲۸۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۸۵، ابن ماجہ ص ۱۸۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۹۹ میں بالفاظِ متقاربہ ہے کہ شغار یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کی لڑکی کا نکاح کرے اور اپنی لڑکی کا نکاح اسے کر دے سوائے مہر کے اور ایسے ہی دوسرے کی بہن کا نکاح کرے اور اپنی بہن کا نکاح اسے کر دے سوائے مہر کے و النظم من البخاری قلت لنافع ما الشغار قال ینکح بنت الرجل و ینکحہ بنتہ بغیر صداق و ینکح اخت الرجل و ینکحہ اختہ بغیر صداق اور سننِ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ میں عامۃ اہل العلم کی طرف منسوب فرما کر یہی تعریف فرمائی، فرماتے ہیں والعمل علی ھذا عند عامۃ اھل العلم لا یرون نکاح الشغار والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علی ان یزوجہ الآخر ابنتہ او اختہ ولا صداق بینھما۔

غرضیکہ ان کتبِ معتمدۂ حدیث شریف میں یہ تفسیر بالاتفاق ہے کہ اس میں یہ شرط ہے کہ مہر مالی نہ ہو، باقی بعض روایات حضرت ابوہریرہ کے آخر میں لا صداق بینھما کا نہ آنا مضر نہیں کہ ایک ہی حادثہ میں مطلق بالاتفاق مقید پر محمول ہوتا ہے اور زیادۃ الثقۃ قاعدۂ مقررہ ہے۔ سننِ بیہقی ج ۷ ص ۲۰۰ میں حضرت جابر کی مرفوع حدیث ہے، اس کے آخر میں ہے والشغار ان ینکح ھذہ بھذہ بغیر صداق بضع ھذہ صداق ھذہ

سہ اور فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۳ میں اور مرفوع حدیثیں بھی ذکر کی ہیں۔ ۱۲ الحافظ النعیمی غفرلہ

هذه وبضع هذه صداق هذه یعنی شغار یہ ہے کہ عورت کا نکاح کرے اس عورت کے عوض میں بغیر مہر کے، بضع اس عورت کا مہر اس کا ہے اور بضع اس کا مہر اس کا ہے۔

اس تفسیر میں ایک اور زیادتی آگئی جس سے ثابت ہوا کہ شغار میں مہر مالی نہیں ہوتا بلکہ بضع کو مہر قرار دیا جاتا ہے اور یہی تفسیرِ شغار لغتِ حدیث و شروحِ حدیث میں بلا ذکرِ اختلاف ہے. نہایہ ج ۲ ص ۲۴۵، در النثیر ج ۲ ص ۲۴۵، مجمع البحار ج ۲ ص ۱۹۹ میں ہے، والنظم من النهاية هو نكاح معروف في الجاهلية كان يقول الرجل للرجل شاغرني اى زوجني اختك او بنتك او من تلى امرها حتى ازوجك اختي او بنتي او من الى امرها ولا يكون بينهما مهر ويكون بضع كل واحدة منهما في مقابلة بضع الاخرى وكذا في العيني شرح البخاري ج ۹ ص ۱۰۴ واشعة اللمعات ج ۳ ص ۵۸ و ص ۱۱۸۔

لغتِ فقہ میں بھی یہی ہے، مغرب ج ۱ ص ۲۸۴، دستور العلماء فن اول ج ۲ ص ۲۱۹ میں ہے والنظم من المغرب هو ان يزوج كريمته على ان يزوجه الاخر كريمته ولا مهر الا هذا، اور ایسا ہی لغتِ عرب میں ہے. صراح ص ۱۸۸، منتہی الارب ج ۲ ص ۶۷۴، منتخب اللغات ص ۲۴۶ میں ہے والنظم من الصراح نكاح جاهلية وهو ان يقول الرجل لآخر زوجني بنتك ازوجك اختي على ان صداق كل واحدة منهما بضع الاخرى اور فقہائے کرام نے بھی یہی فرمایا اور اسی کو محلِ خلاف امامِ شافعی قرار دیا، مبسوط ج ۵ ص ۱۰۵، ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۶، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۲، عنایہ ج ۳ ص ۲۲۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۲۲، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۶، در المختار ج ۲ ص ۲۵۷، شامی ج ۲ ص ۵۷۴ میں ہے والنظم من المبسوط والشغار ان يقول الرجل للرجل ازوجك اختي على ان تزوجني اختك على ان

یکون مہر کل واحدۃ منہما نکاح الاخری او قال لا ذلک فی ابنتیہما او امتیہما ثم النکاح بہذہ الصفۃ یجوز عندنا ولکل واحدۃ منہما مہر مثلہا وعند الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ النکاح باطل۔ اور اگر یہ صورت نہ رہے مثلاً مہر مالی مقرر کیا جائے یا احد البضعین کو دوسرے کا مہر بنایا جائے تو بحکم مفہوم معتبر فی الکتب ان معتبرات کے حکم سے بالاتفاق جائز ہوگا وقد نصوا علیہ ایضا۔

مبسوط۔ فتح القدیر۔ کفایہ۔ بحر الرائق۔ منحۃ الخالق ص ۱۵۶۔ شامی میں ہے والنظم من الکفایۃ واجمعوا علی انہ لو قال زوجتک ابنتی علی ان تزوجنی ابنتک ولم یقل ان یکون بضع کل واحدۃ منہما صداقا للاخری جاز النکاح ولا یکون شغارا علامہ ابن ترکمانی جوہر النقی میں علامہ محی السنہ نووی جو ائمہ شوافع سے ہیں اس کو برقرار رکھتے ہیں اور وجہ تسمیہ مہر سے خالی ہونا ذکر فرمایا۔ شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۴ میں ہے قال العلماء (الیٰ ان قال) لخلوہ عن الصداق اور ایسے ہی وجہ تسمیہ نہایہ۔ مجمع۔ فتح۔ عنایہ۔ در۔ شامی۔ بحر۔ مبسوط وغیرہا میں ہے اور پھر علامہ نووی نے شرح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵ میں فرمایا وصورتہ الواضحۃ زوجتک بنتی علی ان تزوجنی بنتک وبضع کل واحدۃ صداق للاخریٰ فیقول قبلت۔ اور امام ترمذی جو شافعی المذہب ہیں ان سے بھی یہی تفسیر گزر چکی تو ثابت ہوا کہ یہ صورت حضرت امام شافعی کے نزدیک بھی شغار نہیں، باقی ترمذی کی وہ عبارت جس سے مفتی صاحب کو اشتباہ ہوا تو اس سے یہ مراد نہیں کہ ابتداءً مہر مالی بنایا جائے کہ یہ ترکیب تفصیل ماسبق اور تمام معتبرات کا خلاف ہے بلکہ وہ تو مفروغ ولا یجعل وان جعل لہما صداقا مقابل یعنی علی نکاحہما ویجعل لہما صداق المثل میں فرماتے ہیں جس کا یہ مطلب ہے نکاح بلا مہر مالی ہو جانے کے بعد جائز نہیں ہو سکتا مگر جو بعد

ہیں مہر بھی مقرر کیا جائے اور اسی پر راوی ابی داؤد کا جملہ وکانا جعلا صداقا محمول، بوجہ عدم ذکر محتمل الوجہین ہے یا جعلا کا مفعول اول بضع مقدر کیا جائے کہ بضع و مال دو احتمال ہیں تاکہ راوی کے جملہ پیا احتمالات سے جمہور ثقات کی مخالفت نہ ہو غیر مقلدین حضرات اس معاملہ میں زیادہ شور و غوغا کرتے ہیں مگر ان کے امام مسلم ابن قیم نے بھی ہماری اور جمہور کی موافقت کی ہے۔

زاد المعاد ج ۲، ص ۵ میں ہے فقال الامام احمد الشغار باطل ان یزوج ولیتہ علی ان یزوجہ الآخر ولیتہ ولا مھر بینھما علی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فان سموا مع ذلک مھرا صح العقد بالمسمی عندہ پھر ص ۶ میں فرماتے ہیں فاذا سموا مھرا مع ذلک زال المحذور ولم یبق الا اشتراط کل واحد علی الآخر شرطا لا یؤثر فی فساد العقد فھذا منصوص احمد پھر فرمایا فان سمی لکل واحدۃ مھر مثلھا صح وبھذا یظھر حکمۃ النھی واتفاق الاحادیث فی ھذا الباب۔

خلاصہ یہ کہ اگر مہر مقرر نہ کریں تو شغار ہے اور اگر کریں شغار نہیں نکاح صحیح ہے اگرچہ ایک دوسرے کو رشتہ دینا شرط کریں کہ صرف یہ شرط نکاح فاسد نہیں کر سکتی اور اس سے حکمت نہی اور احادیث شغار کا اتفاق ظاہر ہو جاتا ہے ای بحمل المطلق علی المقید کما قلنا اور اگر فی الواقع شغار ہوتا تو دونوں کا نکاح امام شافعی کے نزدیک باطل ہوتا نہ ایک کا۔

الحاصل ہندہ کا نکاح نافذ و لازم ہے، ہندہ یا قاضی فسخ نہیں کر سکتے اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی شغار نہیں اور نہ ہی حکم فسخ و حرمت ہے ور نزاکت

ملہ اللہ اس کانا جعلا صداقا کا ترجمہ وحید الزمان غیر مقلد نے ترجمہ ابو داؤد میں یہ کیا ہے "اور اسی کو مہر کیا" ۱۲ ابو الخیر النعیمی غفرلہ

زمان دھیرہا کا تقاضا یہ نہیں کہ فسخ نکاح کے لیے حیلے بہانے کیے جائیں کہ اس میں بجائے اصلاح ایک سخت طوفان برپا کرنا ہے، عورتیں ناقصات العقل والدین تو ہیں ہی اور پھر حرکت زماں نے ان کی اکثریت کو گستاخ بنا رکھا ہے، اگر مرد ان کے اشاروں پہ چلتے رہیں اور نہایت نرمی و چاپلوسی سے رہیں تو شاید یہ صنف نازک موافقت رکھے ورنہ کوئی چارہ کارگر نہ ہوگا، ایسے حیلے بہانے تو بن ہی سکتے ہیں، آخر علیم بذات الصدور کے حضور تو ضرور پیش ہونا ہے، عاقل وہ ہے جو دنیا میں ذخائرِ اخرویہ اور خزائنِ ابدیہ پر گرے نہ یہ کہ وہاں ابدی اٹھانے ہوئے جیفۂ دنیائے دنیۃ پر گرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ جمادی الاخری ۱۳۶۸ھ

٥

(نوٹ) ذیل کے سوال وجواب کے تعاقب میں حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ فتویٰ صفحہ ۔۔۔ تا صفحہ ۔۔۔ پر ملاحظہ کریں۔ (مرتب)

ش ۵ ۱۶ یا فتاح فتسان گمر شا سالمہ یا ملک یا فتاح

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میں ایک لڑکی عاقلہ بالغہ حنفیہ بنت نور محمد قوم ماچھی سکنہ چک گامے خان تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری ہوں میں عمر ۱۱ سال کی تھی جب میرا نکاح میرے والد نے کر دیا بعوض بٹہ میرے بڑے بھائی کی لڑکی علی بیگم بنت قادر بخش عرف قادا تحصیل منچن آباد سکنہ جو کہ ریاست بہاولپور میں ہے نکاح کے وقت وہ میرے بھائی والی جوان تھی اور میں نابالغہ تھی۔ جب ہمارے نکاح ہوگئے تو دوسری طرف والے لوگوں نے علی بیگم کے دینے سے انکار کر دیا وہ تو پہلے ہی جوان ہو چکی تھی کہ رخصت

جوانی میں تھی، اب وہ تیس سال سے بھی اوپر ہے، وہ شادی نہیں کر دیتے۔ میرے والد نے بہت کوشش کی کہ عطا بیگم ہم کو مل جاوے یعنی ہمارا بھائی جو ہے میرے والد کی اولاد ہے مگر وہ ہرگز نہیں دیتے، میں جب بالغہ ہوئی ہوں اور مجھ کو علم نکاح کا ہوا تو میں نے شروع بلوغت میں اس نکاح سے انکار کر دیا ہے اور میں بھی اس نکاح سے شروع بلوغت میں سخت منکرہ ہوئی ہوں اور اب عمر میری ۱۷ سال کی ہوگئی ہے یہی واقعہ پیش ہے، دونوں جانبین سے انکار ہے۔ اب علمائے کرام سے سوال ہے کہ میرے نکاح کے متعلق جواب دیں، کیا میرا انکار مسلّم ہے یا نہیں؟

جواب از مطولات مع صفحات

تین شقوں سے یہ نکاح فسخ ہے، ایک تو بٹے والا نکاح شروع ہی سے ناجائز ہے، امیر معاویہ نے مروان کو خط لکھا کہ بٹے والا نکاح فسخ کر دیا جائے۔ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۷ کتب معاویۃ وکان فی امرہ ان یفرق الی مروان بینہما وکان بینہما صداقا، کیونکہ بٹے والا نکاح مشروط ہوتا ہے، یہ دوسری شق فسخ کی ہے مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۱، ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۷، صحیح مسلم ص ۴۵۵ میں نبی کریم علیہ السلام فرماتے ہیں احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج یعنی شرائط نکاح کے تم وفا کرو جن کے سبب تم نے عورتوں کی شرمگاہیں حلال کی ہیں، نکاح کی شرائط میں یہ ہے کہ اگر تم ہمارے بیٹے کو دو گے تو ہم بھی تمہارے بیٹے کو نکاح دیں گے، ورنہ جواب ہے ہدایہ شریف ج ۲ ص ۳۱۴ میں ہے لا یستحق الاستیفاء قبل الایفاء حق لینے کا مالک نہیں، جب اپنی طرف سے حق ادا نہ کرے، یہ بٹہ کا حکم ہے، اگر ایک طرف سے جواب دوسری طرف سے بھی جواب ہے لہذا یہ لڑکی مذکورہ کا خیار بلوغ ثابت ہے جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۲۷۱ عن ابن عباس قال ان

جاریة بکرا اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجھا وھی کارھة فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت ہے ابن عباس سے کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی دربار نبوی میں اور کہنے لگی کہ میرا نکاح میرے والد نے کر دیا ہے اور میں مکروہ جانتی ہوں اس نکاح کو پس نبی علیہ السلام نے اس لڑکی کو اختیار دے دیا اور نکاح کو فسخ کر دیا، بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۷۱ میں ہے من زوجھا الاب او الجد فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابن عباس سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا کرے اور یہ لڑکی اس کو مکروہ جانے پس وہ نکاح رد کر دیا جاوے گا، فتاویٰ نذیریہ میں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں ص ۲۱۶، ۲۱۷ کہ والد خواہ نابالغہ کا نکاح کر دیوے خواہ بالغہ کا ہر صورت میں لڑکی مختارہ ہے خواہ نکاح رکھے خواہ نہ رکھے اور نووی شرح صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۶ میں ہے قال الاوزاعی وابو حنیفة واخرون من السلف یجوز لجمیع الاولیاء ان ینکحوا الصغیرة ولھا الخیار اذا بلغت کہا ہے اوزاعی اور ابو حنیفہ نے اور دوسرے اصحاب سلف نے کہ جائز ہے تمام ولیوں کو کہ صغیرہ لڑکی کا نکاح کر دیں لیکن وہ بالغہ ہونے کے بعد اختیار رکھتی ہے کہ خواہ نکاح رکھے خواہ نہ رکھے، فتاویٰ شامی ج ۲ ص ۴۲۳ لا نقطاع الولایة بعد البلوغ بلوغت کے بعد ولی کی ولایت منقطع ہو جاتی ہے، لڑکی مختارہ ہو جاتی ہے فقط حاصل کلام کا یہ ہے کہ اگر ایک لڑکی کے وارث لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں تو دوسری طرف والے بھی جواب شرعاً دے سکتے ہیں کیونکہ بٹے والا نکاح شرط کے ساتھ وابستہ ہے، جب ایک طرف سے مایوسی ہے تو دوسری طرف سے بھی مایوسی ہے، یہ سوال کا جواب ہے اور باحوالہ ہے فقط

حررہ علامۃ بحر العلوم مولوی عبد الجبار مدرس کتب عربی مفتی تحصیل تام سند یافتہ دہلی شریف علامہ فاضل باہری بونگوی یعنی بونگہ صالح حال وارد بونگہ حیات تحصیل پاکپتن شریف ضلع منٹگمری بقلم خود

یہ فتویٰ لاجواب ہے باطن کا اللہ اعلم بالصواب ہے۔

مہر و دستخط از دہ مفتی اعظم مولوی عبد الجبار
سند یافتہ دہلی شریف

۲۳ $\frac{۵}{۹۲}$

مکرم محترم جناب حاجی الحرمین الشریفین حضرت جناب میاں غلام محمد احمد صاحب رئیس اعظم سلامت باد
زندہ باد نجم سعادت براوج بادشاہی پائندہ باد

السلام علیکم، عرض ہے کہ فتوے پر سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور صحیح جواب باحوالہ دیا جاتا ہے، کوئی ضد اور مخالفت سے نہیں لکھا جاتا ہے اور کوئی شخص قسم اور حلف کھا کر سوال مفتی صاحب کے پاس کرتا ہے تو مفتی جواب دیتا ہے اور وہ برخلاف ظاہر ہو تو مفتی کا کوئی جرم نہیں ہے اُس سائل پر گناہ ہے۔ "اگر کوئی میری تحریر میں جناب کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرمادیں، بندہ جناب کا مولوی ہے" لہذا بندہ ہر فتوے میں ضد کتاب میں نظر کر کے فتوے لکھتا ہے بعدہ اللہ اعلم بالصواب ہے۔ آپ جناب میرا فتویٰ منگا کر نظر فرماویں اور اپنی نظر مبارک سے مشرف فرمادیں اور اصلاح کریں۔ میرے بزرگ میاں بشیر احمد صاحب کو میرا سلام و دعا۔ بندہ پیر غنی حاضر ہوا تھا لیکن جناب کی زیارت نہ ہوئی تھی، میاں بشیر احمد صاحب کے پاس حاضر ہوا تھا فقط۔

آپ کا تابعدار خاکسار عبد الجبار از بونگہ حیات بقلم خود

$\frac{۷۸۶}{۹۲}$ ۵

بخدمت جناب حاجی میاں غلام محمد احمد خاں صاحب رئیس اعظم پیر غنی یونین کونسل ۱۵۲ دام اقبالہ

جناب عالی

نہایت ادب سے گزارش ہے کہ سائل مسمی محمد رمضان ولد جلا ماچھی موضع ملکے تارو حاضر خدمت ہے لہذا اس کی حال حقیقت درج کی جاتی ہے:

آپ کے مولوی صاحب مولانا عبدالجبار موضع بونگہ حیات نے مسمّٰی مذکور کے ایک طلاقنامہ کے فیصلہ میں سخت نااہلیت اور غلط فہمی سے کام لیا ہے جو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

سائل مذکور مولوی صاحب کے سامنے نہ حاضر ہوئے اور نہ ایسا سوال پیش کیا گیا، مولوی صاحب نے بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تدبر و تدبیر کے ایسا فتوٰی لگایا کہ طلاق ثابت کر دی اور فتوٰی دے دیا کہ طلاق آجائے گی اور لکھ دیا لہٰذا ہم معذور ہیں کہ مالک گھر بیٹھے رہیں اور طلاق نامہ آگیا۔ کیا شریعت ایسی خام خبط ہے کہ بغیر مالک کے ہی طلاق ثابت ہوگئی؟ لہذا اس امر کا غور فرمادیں، عین نوازش اور غربہ پروری ہوگی لہٰذا آپ طرفین کو حاضر کر کے اور شاہدین موقع طرفین کو نکاح خواں کو بلا کہ اس امر کا مکمل ثبوت لیویں کہ کیا وجہ ہے اس فتوٰی کی اور لڑکی کے والدین کو بلا کہ اس امر کا ثبوت لیویں، سائل آپ کے بچوں کو ہمیشہ دعائیں دیتا رہے گا۔ لڑکی کے والد کا نام نورا ولد محرم قوم ماچھی موضع چک گامے خاں کا باشندہ ہے۔

عرضی : رمضان ولد جلا قوم ماچھی سکنہ بلیکے تارو کے ، صادق محمد بقلم خود

نشان انگوٹھا

از دفتر یونین کونسل ۱۵۲ ہیر غنی تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

مہتمم صاحب دارالعلوم بصیر پور سے اس فتوٰی کے متعلق رائے اور تصدیق حاصل کی جائے۔

غلام محمد احمد مانیکا ۲ $\frac{9}{62}$

جانب : جناب عالی

حضرت فیض گنجور قبلہ مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور۔

عنوان : فتوٰی نکاح

نہایت ادب سے التماس ہے کہ مسمّٰی رمضان ولد جلا قوم ماچھی کی طرف سے

ایک درخواست موصول ہوئی ہے، اس کا فیصلہ چیئرمین جناب حاجی میاں غلام محمد احمد خان
صاحب ماہیکانے کرنا ہے، ان کے حکم سے ہی آپ کے پاس درخواست فتوے نکاح
ارسالِ خدمت کئے جا رہے ہیں، مہربانی فرما کر درخواست اور فتوے کو بغور پڑھیں اور صحیح
فیصلہ اور حالات سے ہماری رہنمائی فرمائیں تاکہ فریقین کی حق رسی ہو سکے۔ جواب ایک ہفتہ کے
اندر اندر آنا چاہیئے، امید ہے کہ گستاخی کو معاف فرمائیں گے، اس ضمن آپ کی رہنمائی
شفقت نہایت ضروری ہے۔ فقط والسلام

آپکا خادم مسکین: عبدالحمید خاں یونین کونسل ۵۲ ا بیر غنی ڈاکخانہ خاص تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع اہلِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے
ماں باپ کے گھر بیٹھی ہے اور خاوند کے ساتھ کسی طرح ناراضگی ہے اور مولوی عبدالجبار ساکن
بنگہ حیات فتوے لکھتے ہیں کہ اس کو طلاق ہو چکی، کیا بغیر خاوند کے طلاق ہو سکتی ہے؟ از روئے
شریعت جلد از جلد حکم فتوے ارسال فرماویں۔ بینوا توجروا فقط والسلام

الراقم مسکین سید محمد قاسم علی شاہ عفی اللہ عنہ امام مسجد پیر غنی ۹/۹/۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مرسلہ کاغذات کل کی ڈاک سے موصول ہوئے۔ بغور دیکھنے سے واضح ہوا کہ یہ
فتوٰی شرعاً فتوٰی نہیں بلکہ محض فتنہ ہے، ہمارے علاقہ میں مروجہ نکاح بڑے ہیں بوقتِ عقد

متعلق حدیث ذکر کی حالانکہ ان شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح کے موافق ہوں کما صرح بہ العینی والنووی وغیرھما من الشراح و یدل علیہ نفس الحدیث وذا ظاھر جدا۔

تو واضح ہوا کہ اس شرط کا یہ حکم نہیں کیونکہ یہ مخالفِ نکاح ہے، اس میں تو یہ "ورنہ جواب ہے" بلکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسی شرطیں خود باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح کو باطل نہیں کر سکتیں، صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۷ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۴ وغیرہ میں حدیثِ مرفوع میں ہے ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط (ترجمہ) جو شرط بھی ایسی ہو کہ کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرط ہو" تو واضح ہوا کہ مولوی صاحب کا یہ استدلال بھی غلط ہے در یونہی عبارتِ ہدایہ ج ۲ ص ۳۱۴ سے بھی استدلال صحیح نہیں، وہ عبارت تو حقِ مہرِ معجل کے متعلق ہے کہ جب تک پورا ادا نہ کرے عورت کو اپنے گھر کا پابند نہیں بنا سکتا، ہدایہ کی پوری عبارت یہ ہے ولیس للزوج ان یمنعھا من السفر والخروج من منزلہ وزیارۃ اھلھا حتی یوفیھا المھر کلہ ای المعجل لان حق الحبس لاستیفاء المستحق ولیس لہ حق الاستیفاء قبل الایفاء اور نکاحِ بٹہ کے ساتھ اس عبارت کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ہدایہ ص ۲۹۳ وغیرہا میں ہے ان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدۃ کہ نکاح شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔

پھر مولوی صاحب کا یہ کہنا کہ خیارِ بلوغ ثابت ہے اور حدیث مشکوٰۃ شریف سے استدلال کرنا بھی غلط در غلط ہے کہ حدیثِ مشکوٰۃ میں تو اس لڑکی کے خیار کا ذکر ہے جو بوقتِ نکاح بالغہ تھی اور اس نکاح کو پسند نہیں کرتی تھی جیسا کہ خود مولوی صاحب بھی ترجمہ میں اقرار کرتے ہیں کہ ایک لڑکی بالغہ حاضر ہوئی حالانکہ مسئلہ زیرِ بحث میں لڑکی بوقتِ نکاح بالغہ نہیں تھی اور بعد میں بالغہ ہوئی تو یہ کیا دلیل بنی اور ترجمہ حدیثِ مشکوٰۃ میں

یہ لکھا" اور نکاح کو فسخ کر دیا" بالکل غلط ہے ایسا کوئی لفظ نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو اور یونہی بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۱، کی حدیث سے بھی استدلال غلط ہے، بخاری کے صفحہ مذکورہ میں یہ لفظ قطعاً ہیں ہی نہیں اور نہ ہی اس میں حضرت ابن عباس کی کوئی ایسی حدیث ہے۔ ہاں حضرت خنساء کی حدیث ہے اور وہ بھی بیوہ بالغہ کے متعلق ہے تو اس سے بھی استدلال نہیں ہو سکتا اور ترجمہ میں "پس وہ رد کیا جاوے گا" لکھنا بھی غلط ہے مولوی صاحب کی اپنی بنائی ہوئی عبارت میں بھی کوئی عربی جملہ ایسا نہیں جس کا یہ ترجمہ ہو سکے محض اپنی بات بنانے کے لئے یہ ٹھوکریں کھائیں۔

پھر فتاوے نذیریہ سے سند لانا بھی غلط ہے کہ نذیر حسین صاحب غیر مقلد تھے ان کا فتوے ہم مقلدین حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کے لئے دلیل نہیں بن سکتا پھر شرح صحیح مسلم سے نووی علیہ الرحمہ کی عبارت جو نقل کی ہے اس میں بھی غلطی کی ہے ان ینکحوا الصغیرۃ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے اور "بصح" چھوڑ دیا اور یہ عبارت بھی دوسرے تمام ولیوں کے لئے ہے کہ باپ کا حکم اس عبارت سے اوپر ہے جس میں تصریح ہے کہ لڑکی کو جوان ہونے پر فسخ کا کوئی اختیار نہیں فرماتے اجمع المسلمون علیٰ جواز تزویجہ بنتہ البکر الصغیرۃ لهذا الحدیث واذا هی بلغت فلا خیار لها فی فسخها عند مالك والشافعی وسائر فقهاء الحجاز اور نووی علیہ الرحمۃ ہیں بھی شافعی المذہب، تعجب ہے مولوی صاحب غیر مقلدوں کا فتوے ذکر کرتے ہیں اور کبھی شافعی المذہب کی نقل، بعدازاں شامی سے انقطاع ولایت کی عبارت نقل کی حالانکہ یہ عبارت درالمختار کی ہے اور اس کا تعلق بھی خیار بلوغ سے نہیں بلکہ یہ تو اس کی دلیل ہے کہ کنواری بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ بلوغ کے سبب ولایت اولیاء منقطع ہو گئی، پوری عبارت یہ ہے جو درالمختار ج ۲ ص ۱۰۴۱ میں ہے ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ

بہر حال یہ عبارت نابالغہ کے نکاح سے متعلق ہی نہیں مسئلہ زیر بحث کی دلیل کیسے بنی؟
مولوی صاحب نے اس عبارت میں 'بعد' کا لفظ بڑھا دیا ہے۔

الحاصل مولوی صاحب کی پیش کردہ کوئی عبارت بھی اس نکاح کا فسخ ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتی اور شرعاً وہ نکاح ثابت وقائم ولازم ہے اور لڑکی کے لئے خیار بلوغ بھی نہیں شامی ج۲ ص ۴۱۷ میں ہے (قولہ لزم النکاح) ای بلا توقف علی اجازۃ احد وبلا ثبوت خیار فی تزویج الاب والجد، ہدایہ ج۲ ص ۲۹۰ میں ہے فان زوجہما الاب والجد یعنی الصغیر والصغیرۃ فلا خیار لہما بعد بلوغہما اور یونہی سب مستند کتب فقہیہ میں مصرح ہے۔

مخدومی سید محمد قاسم علی شاہ صاحب سوال کرتے ہیں کہ بغیر خاوند کے طلاق ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت رب العالمین جل مجدہ نے قرآن کریم میں فرمایا الذی بیدہ عقدۃ النکاح (ترجمہ) وہ شخص جو اس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے'۔ اس سے مراد جمہور مفسرین اور حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ اور حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے نزدیک خاوند ہی ہے اور یہی حدیث مرفوع حسن الاسناد بیہقی وغیرہ سے ثابت ہے تو جب نکاح کی گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہے تو کسی مولوی صاحب کو اختیار نہیں پہنچتا کہ اپنی طرف سے طلاق دے سکے، ہاں بعض خاص خاص صورتوں میں حاکم شرع کے لئے مخصوص شرائط کے ساتھ تفریق بین الزوجین کا حق حاصل ہے جن میں یہ صورت سوال داخل نہیں، ہاں یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ مولوی صاحب اپنی اس چٹھی میں جو الحاج میاں غلام محمد احمد خاں صاحب کے نام لکھتے ہیں اس میں میاں صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ "اگر کوئی میری تحریر میں جناب کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو تو اصلاح فرما دیں، بندہ جناب کا مولوی ہے" اور پھر دوبارہ لکھا کہ 'اصلاح کر دیں' تعجب ہے کہ سو کتاب سے فتویٰ دیتے ہیں مگر ساتھ ہی میاں صاحب کو اختیار دیتے ہیں کہ اگر ان کے ارادہ کے خلاف معلوم ہو

تو اصلاح فرمالیں۔ اس سے اپنے فتووں کی حقیقت بے نقاب کر دی مگر بفضلہ وکرمہ تعالیٰ میاں صاحب حقیقت شناسی اور خدا ترسی سے کام لیتے ہوئے اصلاح کی اس پیشکش کو قبول نہیں کرتے اور یہ شرعی معاملہ علماءِ شرع کے ہی سپرد کرتے ہیں۔ دعا ہے حضرت رب العالمین جل مجدہ الکریم ان کے حسنِ تدبیر میں اور اضافہ فرمائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الانور وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ ار ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ ۱۶/۹/۶۲

الاستفتاء

بخدمت شریف مولانا محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم: بعد از سلامِ مسنون کے واضح ہو کہ اس ناچیز کے نام رسالہ سوادِ اعظم جاری ہے اس لئے ایڈیٹر رسالہ ہذا سے ایک سوال کیا تھا کہ اس کا جواب سوادِ اعظم میں شائع کر دیں لیکن انہوں نے بذریعہ کارڈ ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے پاس مفتی کتابیں نہیں، آپ لوگ محمد نور اللہ بصیر پوری سے رجوع کریں جبکہ وہاں سے آپ کے سوال کا جواب ملے تو اسے ہمارے ہاں تحریر کر کے روانہ کریں، ہم فوراً رسالہ سوادِ اعظم میں شائع کر دیں گے، اس طرح اوروں کو بھی فائدہ ہوگا لہٰذا دست بستہ عرض ہے کہ حسبِ ذیل سوال کا جواب عطا فرما دیں، نوازش ہوگی؛

ناچیز عبدالرشید خاں کارخانہ بی سی جی منڈی بورے والہ ضلع ملتان

سوال یہ ہے: یہاں پر ہم لوگ عام طور پر اپنی لڑکی کی شادی بیٹے سے کرتے

ہیں اور مہر بھی باقاعدہ شرع محمدی مقرر کیا جاتا ہے لیکن ایک شخص کہتا ہے کہ اس طرح ادلا بدلا کرنا ناجائز ہے لہٰذا عرض ہے کہ شخص مذکور سچ کہتا ہے یا ادلے بدلے کا رواج ٹھیک ہے جوابِ باصواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں، نوازش ہوگی، فقط

عبدالرشید خاں منڈی بورے والا اندرون کارخانہ بی سی جی منڈی بورے والا

ضلع ملتان شریف

بس جواب اس پتہ پر مرحمت فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

فریقین کا باہمی یوں نکاح کرنا کہ نکاح کرنے سے پہلے فریقین اپنی لڑکیوں و لڑکوں کی نسبت تبادلہ تجویز کر لیتے ہیں بعد ازاں مجلسِ نکاح میں ایجاب و قبول کرتے وقت باہمی تبادلے کا ذکر نہیں کیا جاتا بلکہ ہر ایک لڑکی کا نکاح باقاعدہ 'مہر' حسبِ دستور نقدی مال مقرر کر کے کیا جاتا ہے تو ایسے نکاح شرعاً جائز ہیں جن کے جواز میں کسی شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء (ترجمہ) پس نکاح کرو ان عورتوں کا جو پسند آئیں تمہیں، اور چونکہ ایسے رشتے بھی پسند کر کے کئے جاتے ہیں لہٰذا اس آیتِ پاک سے روزِ روشن کی طرح جائز ہوئے، نیز قرآنِ کریم فرماتا ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم ان تبتغوا باموالکم (ترجمہ) اور حلال کی گئی ہیں واسطے تمہارے ماسوا ان عورتوں کے (جن کا حرام ہونا پہلے بیان کیا گیا ہے، ماں، بہن وغیرہا) یہ کہ طلب کرو تم اپنے مالوں کے بدلے" تو اس آیت سے امس و شمس کی طرح واضح ہوتا ہے کہ ایسے نکاح جائز ہیں اور کسی آیت یا

حدیث میں قطعاً ممانعت نہیں آئی تو جو شخص ناجائز بتاتا ہے وہ بالکل غلط کہتا ہے اسے دھوکا لگا ہے کہ نکاحِ شغار میں حق مہر مالی مقرر نہیں کیا جاتا بلکہ ایک لڑکی کا بضع دوسری لڑکی کا مہر ہوتا ہے جو مال نہیں بلکہ لڑکی کے جسم کا ٹکڑا ہوتا ہے لہذا اس سے ممانعت آئی ہے کہ یہ فرمانِ قرآن کریم ان تبتغوا باموالکم کے خلاف ہے چنانچہ آیت مندرجہ بالا کے لفظی ترجمہ سے ہی واضح ہے اور نکاحِ شغار کی یہ تفسیر کہ اس میں مہر مقرر نہیں کیا جاتا اور ایک کا بضع دوسری کا عوض بنایا جاتا ہے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۹، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۴، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۳، سننِ نسائی ج ۲ ص ۸۵، ابنِ ماجہ ص ۱۸۷، سننِ بیہقی ج ۷ ص ۱۹۹، سننِ ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵ میں بالفاظِ متقاربہ ہے والنظم لہا والشغار ان یزوج الرجل ابنتہ علیٰ ان یزوجہ الاخر ابنتہ او اختہ ولاصداق بینہما، اور فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۰۰ وغیرہما کی احادیثِ مرفوعہ کے آخر میں ہے والشغار ان ینکح ھٰذہ بھٰذہ بغیر صداق بضع ھٰذہ صداق ھٰذہ وبضع ھٰذہ صداق ھٰذہ اور یہی تفسیر کتبِ تفاسیر اور لغاتِ حدیث اور شروحِ حدیث اور لغاتِ فقہ اور لغاتِ عرب اور کتبِ فقہیہ میں ہے تفسیر احکام القرآن رازی ج ۲ ص ۱۷۳، نہایہ ج ۲ ص ۲۴۵، در النثیر ج ۲ ص ۲۴۵، مجمع البحار ج ۲ ص ۱۹۹، عینی شرح بخاری ج ۹ ص ۱۴۰، شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۵۵، اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۸ ص ۱۱۸، مغرب ج ۱ ص ۲۸۴، دستور العلماء ج ۲ ص ۲۱۹، صراح ص ۱۸۸، منتہی الارب ج ۲ ص ۶۷۴، مبسوط ج ۵ ص ۱۰۵، ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۶، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۲، عنایہ ج ۳ ص ۲۲۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۲۲، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۷۸، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۶، در المختار ج ۲ ص ۴۵۷، شامی ج ۲ ص ۴۵۷۔

ان سب کتابوں میں وہی تفسیر ہے کہ شغار میں مہر نہیں ہوتا بلکہ ہر ایک لڑکی

سه گوشت کا ٹکڑا اور مراد شرمگاہ ہے ۱۲

کا نکاح یا بضع ہی دوسری کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ایسے نکاح جن کا سائل نے سوال کیا ہے، بالاتفاق جائز ہیں اور شغار نہیں اور اس کی تصریح مبسوط، فتح القدیر، کفایہ، بحر الرائق، شامی کے صفحاتِ مذکورہ اور منحۃ الخالق ج ۳ ص ۱۵۶ میں ہے والنظم من الکفایۃ واجمعوا علیٰ انہ لو قال زوجتک ابنتی علیٰ ان تزوجنی ابنتک ولم یقل ان یکون بضع کل واحدۃ منہما صداقا للاخری جاز النکاح ولا یکون شغارا۔ زاد المعاد ج ۷ ص ۵ میں ہے فان سموا مع ذلک مہرا صح العقد بالمسمی عندہ (الامام احمد) پھر ص ۶ میں فرمایا فہذا منصوص احمد۔

ان عبارات میں تصریح ہے کہ اگرچہ ایجاب و قبول میں تبادلے کا ذکر کیا جائے مگر جبکہ لڑکیوں کو ایک دوسری کا مہر نہ بنایا جائے تو نکاح جائز ہے اور ایسا نکاح نکاحِ شغار نہیں جس سے ممانعت آئی ہے اور یہی قرآنِ کریم سے ثابت ہو چکا تو ماہِ نیم ماہ اور مہر نیم روز سے بھی زیادہ واضح ہوا کہ یہ مروجہ نکاح جن میں بوقتِ ایجاب و قبول تبادلے کا ذکر بھی نہیں کیا جاتا اور باقاعدہ مالی مہر مقرر کیا جاتا ہے، بطریقِ اولیٰ بلا شبہ جائز ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۷ ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ　　　۱۲ $\frac{۴}{۶۳}$

محرمات

باب المحرّمات

الاستفتاء

علمائے دین وشرع متین اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً میں نے اپنی لڑکی جس کی والدہ فوت ہوچکی ہے، اس لڑکی کی شادی کسی آدمی سے کردی، اس آدمی نے جو کہ میرا داماد ہوا، اپنی ہمشیرہ کی شادی کرکے مجھے دیدی، عوض بعوض ہوگیا، اب میری لڑکی سے لڑکا پیدا ہوا اور میری عورت سے لڑکی پیدا ہوئی جو لڑکے کی پھوپھی زاد ہمشیرہ ہوئی، میری لڑکی کا اس لڑکے کا باپ یعنی میرا داماد اور سالا بھی لگا، یہ میری لڑکی کا ماماں ہوا تو یہ دونوں بچی بچہ ماماں زاد ہوئے، میں اس لڑکے کا اپنی لڑکی کی طرف سے نانا ہوا اور میری بیوی اس لڑکے کی پھوپھی ہوئی بایں وجہ میں اس لڑکے کا پھوپھڑ ہوا اور میری عورت کی طرف سے میرا بھی بھتیجہ لگا کیونکہ میری بیوی کا بھتیجہ کا حقیقی تو علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ یہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہ ...؟ بینوا توجروا۔

سائل: نور محمد قادری امام مسجد موضع سعد اللہ پور تحصیل پاکپتن ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب وہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں نہیں آسکتی کہ اس کی خالہ ہے۔ قرآنِ کریم نے صاف صاف فرمایا وخٰلٰتکم کہ تمہاری خالائیں یعنی ماسیاں تمہارے اوپر حرام کردی گئی ہیں، باقی وہ سارے ایرپھیر کہ ماماں نانا ہوئے اور تمہارا پھوپھڑ، چچا بننا یہ سب بناوٹ اور جاہلانہ خیالاتِ واہیہ ہیں کہ تمہارا داماد جو تمہاری بیوی کا بھائی ہے وہ تمہارا بھائی بن گیا ہے تو تمہاری لڑکی کا نکاح چچا کے ساتھ کیسے ہوا؟ دوسرے معنی میں تمہاری لڑکی جو تمہارے بھائی کے نکاح میں آکر تمہاری بھاوجہ بن گئی اگر طلاق مل جائے یا بیوہ ہوجائے تو تم نکاح کرسکتے ہو؟ ہرگز ہرگز نہیں، ایسے جوڑ توڑ کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں اور وہ لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں قطعاً نہیں آسکتی قرآنِ کریم اور حدیثِ پاک اور فقہ حنفی اور اجماعِ امت سے حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ر شوال المکرم ۸۷ھ بروز جمعرات

الاستفتاء

زید کے نکاح میں ہندہ تھی اور ان دونوں میں تعلقات زن وشوہری

رہے اور اب اس نے ہندہ مذکورہ کو طلاق دے کر اس کی لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لیا ہے، آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب
اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح جائز نہیں کہ ہندہ مذکورہ کی لڑکی اس پر (زید مذکور پر) حرام ہے چنانچہ منصوص قرآن شریف اور احادیثِ نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ورجمیع کتب مذہب اور اسفارِ فقہ میں صراحۃً مذکور و مزبور ہے، ہدایہ میں منصوص ولا ببنت امرأت التی دخل بہا الثبوت قید الدخول بالنص سواء کانت فی حجرہ او فی غیر حجرہ لان ذکر الحجر خرج مخرج العادۃ لا مخرج الشرط الخ لہذا زید پر ضروری اور سخت ضروری کہ اس لڑکی کو چھوڑ دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ بکر نے زینب صغیرہ سے نکاح کیا اور زینب صغر سنی میں فوت ہوگئی، دخول وغیرہ کچھ نہیں

ہوا تو کیا زینب متوفیہ کی والدہ سے بکر مذکور نکاح کر سکتا ہے؟ بر تقدیر عدم جواز نکاح اور گواہ اور نکاح خواں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: مولوی غلام حسین از چک $\frac{19}{1.R}$ سنگو کا تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

قطعاً یقیناً بکر زینب کی والدہ سے نکاح نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں محرمات کے بیان میں ارشاد ہوا وامهات نسائكم یعنی تمہاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام کی گئی ہیں، یہ ارشاد مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے۔ اس پر ائمہ اربعہ کا اطباق ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۶۰ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذا نكح الرجل المرأة ثم طلقها قبل ان يدخل بها فله ان يتزوج ابنتها وليس له ان يتزوج امها، اور ایک روایت میں ہے ايما رجل نكح امرأة فدخل بها اولم يدخل بها فلا يحل له نكاح امها الحديث یعنی جو مرد کسی عورت سے نکاح کرے، اس کے ساتھ دخول کرے یا نہ کرے۔ اس کی ماں کسی حال میں اس پر حلال نہیں رہتی۔ مبسوط ج ۴ ص ۱۹۹، فتح القدیر، ہدایہ ج ۳ ص ۱۱۸، در المختار شامی ج ۲ ص ۲۸۳، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۳ والنظم من المبسوط من تزوج امرأة حرمت عليه امها ثبت بقوله تعالىٰ وامهات نسائكم وهذه الحرمة تثبت بنفس العقد بحر الرائق ج ۳ ص ۹۳ وغیرہا میں ہے والنظم من البحر وهو مجمع على

عند الائمۃ الاربعۃ۔

تو امس و شمس کی طرح واضح ہوا کہ بکر مذکور زینب مذکورہ کی والدہ سے کسی صورت میں نکاح نہیں کر سکتا اور اگر نکاح کریں تو اس پر لازم ہے کہ عورتِ منکوحہ کو چھوڑ دے اور اگر وہ نہ چھوڑے تو عورت پر لازم ہے کہ وہ چھوڑ دے اور جدا ہو جائے اور اگر وہ انکار کریں تو اہلِ اثر پر لازم ہے کہ ان دونوں کے درمیان تفریق کر دیں اور ناکح اور منکوحہ نکاح خواں گواہ سب پر لازم ہے کہ صدقِ دل سے سچی توبہ کریں ورنہ اہلِ اسلام پر لازم کہ ان سب سے مقاطعت کر دیں، کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا سلام کلام سب سے محروم کر دیں اور مجبور کریں کہ توبہ کی طرف رجوع کریں کہ محبوبِ خدا مالکِ دوسرا احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمانِ عظیم الشان ہے کہ من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان (رواہ مسلم) یعنی جو کوئی تم میں سے دیکھے برے کام کو تو بدل دے اس کو اپنے ہاتھ سے اگر یہ طاقت نہیں تو زبان سے اور اگر یہ بھی مقدور نہیں تو دل سے اور یہ سب سے کمزور درجہ ایمان کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ ربیع الثانی ۶۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ مستقیم کی شادی (نکاح) آج سے

پانچ برس پہلے مساۃ شہیداں بی بی عمر دس بارہ سال سے کیا گیا تھا مگر شہیداں بی بی کی رخصتی نہیں ہوئی تھی مگر اس سال عرصہ چھ ماہ کا ہوا ہے کہ شہیداں بی بی فوت ہوگئی ہے مساۃ شہیداں بی بی مستقیم کی چچازاد بہن تھی، اس لحاظ سے شہیداں بی بی کی والدہ مستقیم مذکور کی سگی چچی اور دوسرے معنوں میں اس کی ساس (خوش دامن) بن گئی مگر آج شہیداں کے فوت ہو جانے کے بعد دو چار آدمیوں نے شہیداں بی بی کی والدہ سے مستقیم کا نکاح کر دیا ہے، میں یہ عرض کرتا ہوں کہ کیا یہ نکاح شرعاً درست ہے؟ اگر درست نہیں ہے تو ان نکاح پڑھنے اور پڑھانے والوں کو شرعاً کیا تعزیر لگانی چاہیے! جواب سے مطلع فرمایا جاوے عین نوازش ہوگی۔

مستفتی: سید علی القلم خود ساکن چک ۱۲/۵۔ پی تحصیل پاکپتن شریف

مورخہ ۸/۹/۵۸ ، ۲۳ محرم الحرام ۷۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو مستقیم کا نکاح شہیداں بی بی کی والدہ کے ساتھ نہیں ہو سکتا اگرچہ مستقیم اور شہیداں بی بی کی قربت بھی نہ واقع ہوئی ہو کہ ساس ہر حال میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام بن جاتی ہے. قرآن کریم میں ہے وامھات نسائکم ہدایہ شریف میں ہے ولا بام امرأتہ التی دخل بابنتھا او لم یدخل لقولہ تعالیٰ وامھات نسائکم من غیر قید الدخول. اور ایسے تمام معتبرات کتب فقہ تفسیر میں سے درج ہیں ہر چہار اماماں دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے تو وہ نکاح شرعاً

درست نہیں ہے، اہلِ اسلام پر حسبِ استطاعت فرض ہے کہ مستقیم اور اس کی عورت کو بالکل الگ کر دیں، نکاح پڑھنے اور پڑھانے والوں پر شرعاً لازم کہ سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ ایسے کام سے بچیں، باقی رہی تعزیر تو وہ حاکمِ اسلام کا کام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم
وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ محرم الحرام ۷۸ھ

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور جناب مولوی نوراللہ صاحب

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ حاضرِ خدمت پہلے بھی دو دفعہ ہوا ہے اور درحقیقت تو بالکل درست تھی مگر جناب کو کسی وجہ سے شبہ پڑا اس لئے میں تصدیق کرتا ہوں کہ جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، درست ہے، مسمّٰی امینہ کے نکاح کی بابت جائز ہے یا کہ نہیں؟

ملک دارا
(۱) بیوی چوہڑا نکی لڑکی ستاں کی لڑکی سیداں کا لڑکا حنیف ہے۔
(۲) بیوی روشن کی لڑکی امینہ سوتیلی نانی ہے، اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟

(۱) امینہ بیوہ مسمّٰی حنیف کی چچی ہے اور سوتیلی نانی ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟

مورخہ ۲۶/۷/۵۳ کو تصدیق کیا۔

۱۔ ملا ولد صادق قوم رہان ساکن چک ۱۹/ون آر تحصیل اوکاڑہ (نشان انگوٹھا)

۲۔ نور نگ ولد حاجی حسن چک ۱۹/ون آر تحصیل اوکاڑہ (دستخط)

۳۔ ملک جلال خاں نمبردار چک ۱۹/ون آر تحصیل اوکاڑہ

نوٹ: مسماۃ نتاں و مسماۃ امینہ دونوں مسمی ملک دارا کی حقیقی لڑکیاں ہیں۔

حاجی محمد حنیف بقلم خود ۲۶/۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

مسماۃ امینہ مسماۃ سیداں والدہ حنیف کی خالہ ہے کہ مسماۃ نتاں والدہ مسماۃ سیداں کی مسماۃ امینہ کی بہن ہے کہ مسمٰی دارا کی لڑکیاں ہیں بناءً علیہ حنیف و امینہ کا نکاح جائز نہیں، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۴ میں ہے وخالات آباءہ و امہاتہ یعنی باپوں اور ماؤں کی خالائیں حرام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع منٹگمری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی واجد علی قوم راجپوت گوت چوہان کی بیوی گوت جاٹو سے تھی، اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس لڑکی سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو کہ واجد علی کا حقیقی نواسہ ہوا، واجد علی کی مذکورہ منکوحہ فوت ہوگئی تو واجد علی نے دوسری عورت گوت پنوار سے شادی کرلی، واجد علی سے دوسری بیوی کو ایک لڑکی پیدا ہوئی، واجد علی کے نواسہ اور دوسری لڑکی کا نکاح بعمر ۵ سال کو دیا گیا، عرصہ ۱۲ سال گزر جانے کے بعد اعتراض ہوا کہ یہ نکاح شرعاً جائز اور درست نہیں، آیا یہ واقعی درست اور صحیح نہیں بینوا اماجورین من رب العالمین۔

السائل: واجد علی دفعدار موضع رانہ وہن چاہ ملکھی والا تحصیل وضلع ملتان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح ہرگز ہرگز درست نہیں اور نہ ہی صحیح ہے بلکہ ناجائز وحرام ہے قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا حرمت علیکم امھٰتکم وبنٰتکم واخوٰتکم وعمٰتکم وخٰلٰتکم فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۲ میں ہے اما الخالات فخالتہ لاب وام وخالتہ لاب وخالتہ لام تو جس طرح باپ کی دوسری بیوی سے لڑکی حرام ہے کہ بہن ہے اور دادا کی دوسری بیوی سے لڑکی حرام ہے کہ پھوپھی ہے یونہی نانے کی دوسری بیوی سے لڑکی

حرام ہے کہ خالہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم

وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ ۹/۱۰/۶۶

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ زید نے اپنی ہمشیرہ مسماۃ سلمیٰ کی شادی کردی، اس کے بعد خالد سلمیٰ کو اغوا کرکے لے گیا، اس کے عوض میں زید نے خالد کی بیوی لیلیٰ کو اغوا کیا اور مغویہ عورتیں زید وخالد کے گھروں میں تقریباً پچیس سال بلا نکاح آباد رہیں اور اس دوران میں ان دونوں کے بیٹوں سے اولاد ہوئی ہے حالانکہ ان کے ازواج جن سے نکاح تھا، اب تک زندہ ہیں اور قریب قریب ہے ہی تو کیا سلمیٰ ولیلیٰ سے پیدا شدہ اولاد کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں، اشتباہ پڑتا ہے کہ سلمیٰ اور لیلیٰ خالد کی مدخولہ ہیں تو شاید مدخولۃ الاب کی لڑکی یا لڑکا حرام ہو بینوا توجروا ماجورین من رب العالمین۔

السائل، علی محمد بوریوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

سلمیٰ و لیلیٰ سے جو اولاد ہوئی ان کی نسب ان کے خاوندوں سے ثابت ہے نہ زانیوں سے الولد للفراش وللعاھر الحجر بلکہ صورتِ نکاح بھی بنا لیتے تب بھی یہی حکم تھا لانہ نکاح فاسد بلکہ بعض باطل ہیں بھی نسب ثابت ہو جایا کرتی ہے کما بین فی مظانہ والحکم فی الخلاصۃ عن المنتقی والھندیۃ عن الوجیز تو تناکح جائز ہوگا بلکہ اگر کوئی جاہل محض ظاہر پر نظر کرے تب بھی تناکح جائز رہے گا لاختلاف الزناۃ رہا یہ شبہ کہ دونوں خالد کی مدخولہ ہیں تو یہ معتبر نہیں، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۷، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸، خیریہ ج ۱ ص ۲۳، در المختار شامی ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے کہ زوجۃ الاب کی لڑکی حلال ہے والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال اقول والزوجۃ اعم من المدخولۃ وغیرھا والاطلاق حجۃ خصوصا اطلاق الکتب تو مزنیہ کی بطریقِ اولیٰ حلال ہوگی وکذا العکس لانعکاس احکام المحرمات۔

الحاصل از روئے شرعِ مطہر جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو، نکاح جائز ہے مگر پرہیز ضروری ہے حدیث شریف میں ہے ایاکم وما یسوء الاذن اور کیف وقد قیل۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی الاشرفی مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اندریں مسئلہ کہ اللہ بخش نے زینب سے نکاح کیا اور ایک سال تک اس کی بیوی رہی، پھر ایک سال کے بعد زینب کو طلاق دے دی پھر زینب نے دوسری جگہ نکاح کر لیا، اب اللہ بخش کی اولاد اور زینب کی اولاد جو دوسرے نکاح سے ہے آیا ان کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے؟

نوٹ: ایک مولوی صاحب نے ناجائز کہا ہے کیونکہ اللہ بخش کی مطلقہ اللہ بخش کی اولاد کے لئے بمنزلہ ماں کے ہے اور اللہ بخش اپنی مطلقہ کی اولاد کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے فقط۔

السائل: حافظ نذیر احمد

چک ۳۷/۴-بی نزد وہاڑی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اللہ بخش کی وہ اولاد جو دوسری بیوی سے ہے ان کا نکاح زینب کی اس اولاد کے ساتھ جو دوسرے نکاح سے ہے، بلاشک وشبہ وریب یقیناً جائز ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذلکم، اس میں وہ سب اولادیں داخل ہیں، قرآن کریم کے حکم کے سامنے کسی نام نہاد مولوی کے "بمنزلہ" کی کوئی وقعت نہیں جبکہ ہمارے مشائخ کرام بھی تصریح فرما رہے ہیں کہ طلاق نہ ہونے کی صورت میں بھی جواز ہے، فتاوی خیریہ

ج ا ص ۲۳ میں ہے ولا تحرم بنت زوج الام ولا امہ (الیٰ ان قال)
ولا ام زوجۃ الاب ولا بنتھا، در المختار اور اس کی شرح طحطاوی ج ۲ ص ۱۴،
شامی ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے و النظم للشامی قولہ واما بنت زوجۃ
ابیہ او ابنہ فحلال وکذا بنت ابنھا بحر قال الخیر الرملی
ولا تحرم بنت زوج الام الخ بحر الرائق ج ۳ ص ۹۴ میں ہے ولا تحرم بنت
زوجۃ الاب، فتاوے عالمگیریہ ج ۲ ص ۶، بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸ وغیرہا میں ہے
والنظم من الھندیۃ لا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ و یتزوج
ابنہ ابنتھا او امھا کذا فی محیط السرخسی۔

اگر یہی بمنزلہ والا قاعدہ صحیح مانا جائے تو چچازادوں، ماموں اور خالہ اور پھوپھی زادوں
کے نکاح بھی ناجائز ہو جائیں گے کہ وہ سب دادا دادی نانا نانی کی اولاد ہیں جو شرعاً اور عرفاً
ماں باپ ہیں، بلکہ کوئی نکاح بھی جائز نہ ہو کہ سب بابا آدم اور اماں حوا، کی اولاد ہیں جنکو
قرآنِ کریم نے ابویکم فرمایا، علیٰ ابینا و امنا الصلوٰۃ والسلام، تو ثابت ہوا کہ
یہ قاعدہ غلط ہے۔

بہر حال یہ جواز آفتابِ نیمروز و ماہِ نیم ماہ سے بھی روشن ہے۔ واللہ تعالیٰ
اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ
وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۴ر شوال المکرم ۱۳۹۱ھ ۲۵/۱۲/۷۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع اندریں صورت کہ زید کی دو بیویاں ہند

وزینب تھیں اوران سے اس کی اولاد بھی تھی، بعدازاں زید فوت ہوگیا اورزینب نے بکر سے نکاح کرلیا اوراس سے لڑکی ہوئی تو کیا اس لڑکی کا نکاح زینب کے خاوند سابق زید کے اس لڑکے سے جو ہندہ سے پیدا ہوا تھا، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد یار چک ۱۹/ ڈن آر ڈاکخانہ ستگھرہ تحصیل اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال واقعی اور صحیح ہے تو نکاح جائز ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذلکم، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۸ میں ہے ولا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ امہا او بنتھا لانہ لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ وزوج ابنہ بنتھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۲ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ ایک عورت منکوحہ کے پیٹ سے لڑکا پیدا ہوا، بعد ازاں اس عورت کے ایک مرد سے ناجائز تعلقات پیدا ہونے کا گمان ہوا تو کیا وہ لڑکا اس مرد کی لڑکی سے جو اس کی اپنی بیوی کے پیٹ سے ہے، نکاح کر سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو نکاح جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم پھر یہ تو نرا گمانِ زنا ہے اور شرعاً تو لڑکا اپنی ماں کے خاوند کی لڑکی سے جبکہ دوسری بیوی سے ہو، نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ لڑکے کا باپ ماں کا پہلا یا پچھلا خاوند ہو، اسی ارشادِ قرآنِ کریم سے درالمختار، شامی، فتاویٰ خیریہ میں ہے والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحٰبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۹ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور زید کی دوسری بیوی کے ساتھ اس کی لڑکی بھی آئی ہے، کیا زید کے لڑکے کی شادی زید کی دوسری بیوی کی لڑکی سے جو اس کے پہلے خاوند سے ہے ہو سکتی ہے یا نہیں؟

مستفتی : عبداللطیف وارثی کلرک ڈاکخانہ عارفوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں ہو سکتی ہے کہ باپ کی بیوی کی وہ لڑکی جو باپ کی لڑکی نہ ہو محرماتِ منصوص علیہا سے خارج ہے اور قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور حضرت محمد بن الحنفیہ ابن حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک عورت سے نکاح فرمایا اور اپنے صاحبزادے کو اس عورت کی لڑکی نکاح کر دی۔ بحرالرائق ج ۳ ص ۹۸ میں ہے ولا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ امھا او بنتھا لانہ لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ وزوج ابنہ بنتھا۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں محیطِ سرخسی سے ہے لا بأس بان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ بنتھا او امھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۵ ربیع الثانی ۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کا لڑکا خالد اور زید کی مطلقہ ہند جو اس کے لڑکے کی ماں نہیں، اس سے ایک لڑکی سلمہ دوسرے خاوند کی ہے، آیا خالد اور سلمہ کا نکاح شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا اماجورین من رب العالمین۔

السائل: نور احمد از ستگھرہ ضلع منٹگمری، نور احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب خالد اور سلمہ کا نکاح صورتِ مسئولہ میں یقینًا جائز ہے، قرآن کریم میں فرمانِ والاشان ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، فتح القدیر ج ۳

ص ۱۲۰ ، البحر الرائق ج ۳ ص ۹۴ ، منحۃ الخالق علی البحر الرائق ص ۹۵ ، در المختار ، رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۳ میں ہے و النظم للکمال المحقق علیہ الرحمۃ جاز للابن التزوج بام زوجۃ الاب و بنتہا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ جمادی الاخریٰ ۶۵ھ

الاستفتاء

جناب قبلہ وکعبہ استاذی حضرت صاحب

سلام مسنون : براہِ کرم مندرجہ ذیل مسئلہ کا حل مرحمت فرمائیں :

یہ کہ ایک آدمی نے ایک عورت کیساتھ شادی کی ، کچھ عرصہ کے بعد اس آدمی نے دوسری شادی کرالی ، جب دوسری شادی کی گئی تو پہلی عورت سے لڑکی ہوئی اور دوسری عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ اپنی لڑکی میرے بھائی کو دے دو اور نکاح کر دو۔ کیا یہ آدمی عورت کا بھائی دوسری عورت کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں؟ نظرِ کرم فرماتے ہوئے اس کو تحریر فرما دیں تا کہ ہماری پریشانی دور ہو سکے ، والسلام

حضور کا خادم : غلام دستگیر قادری خطیب درگاہ حضرت داؤد بندگی کرمانی شیر گڑھ تحصیل دیپال پور ضلع ساہیوال ۷۰/۷/۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

عزیزی مولوی غلام دستگیر صاحب قادری سلمہ بہ تعالےٰ

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ :- یہ نکاح جائز ہے کہ یہ لڑکی دوسری بیوی کے بھائی کی محرمات سے ہرگز ہرگز نہیں اور قرآنِ کریم میں واضح ارشاد ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم لہٰذا یقیناً شادی کر سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ الہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ ۱۴/۷/۷۰

الاستفتاء

حضرت قبلہ مفتی اعظم مہتمم صاحب دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور دام فیوضکم

السلام علیکم، مزاج گرامی! سوال درج ذیل کے متعلق حکمِ شریعت سے مطلع فرمادیں:

مسمّٰی سکندر ولد سراج ذات ڈولہ ارائیں سکنہ ڈولہ سلطان نے جب مسمات خدیجہ مطلقہ محمد امین سے نکاح ثانی کیا، اس وقت مسماۃ بشیراں دختر محمد امین (خلو خدیجہ) مذکورہ کی عمر ۱۴/۳ سال تھی جو اپنی والدہ کے ہمراہ سکندر کے گھر آئی تھی اور آج تک اسی کے

گھر بطور دختر پرورش پا رہی ہے، اب سکندر اس پروردہ دختر زوجہ خود کا رشتہ اپنے حقیقی بھائی محمد امیر ولد سراج کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے، محمد امیر کا یہ رشتہ دینے میں کوئی شرعی سقم تو نہیں ہے؟

اسماعیل ولد سراج ڈولہ ارائیں سکنہ ڈولہ سلطان تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

مؤرخہ ۹ر اپریل ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں شرعاً جائز ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ القلم خود

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۴ھ ۹/۴/۱۹۷۴ء

الاستفتاء

بعد از سلامِ مسنون!

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع اندریں صورت کہ زید نے ایک بیوہ سے شادی کی اور اس بیوہ کی ایک لڑکی پہلے خاوند سے ہے جس کی عمر بوقتِ نکاحِ زید تین سال ہے، اب زید یہ چاہتا ہے کہ لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے سے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے کر دیا جائے لڑکی بالغ اور رضامند بھی ہے، قرآن و حدیث کے حوالہ جات سے تحریر فرمائیں کہ یہ نکاح

درست ہے یا کہ نہیں؟ تاکہ دل کو اطمینان ہو، بینوا توجروا۔

سائل: محمد شریف از پھلائی والا چک ۱۰۳ ڈاکخانہ خاص تحصیل چبڑانوالہ ضلع لائلپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح کرنا یقیناً روا ہے، قرآنِ کریم میں

واحل لکم ما وراء ذلکم [illegible]

الرائق ج ۳ ص ۹۸، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۳۸۳ میں بحرالرائق اور فتاوٰے

[illegible] والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال

اضافہ فرمایا وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ و [illegible]

ہے،

سب عبارات کا حاصل یہ کہ یہ نکاح کرنا حلال ہے اور اہلِ بیتِ کرام میں بھی ہوا،

رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام محمد بن حنفیہ نے اپنی بیوی کی لڑکی اپنے صاحبزادے

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ

وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ ۲۶

الاستفتاء

محترم ومکرم جناب مہتمم صاحب بصیر پور

السلام علیکم : احوال آنکہ بندہ کو درج ذیل مسئلہ کے بارہ میں فتویٰ درکار ہے اس لئے آپ براہِ نوازش اس کا فیصلہ جلد از جلد واپس فرمائیں :۔

مسئلہ : ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اور دونوں زندہ ہیں، ان دونوں بیویوں سے ان کی اولاد لڑکے لڑکیاں بھی ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک عورت اپنی لڑکی دوسری عورت (سوکن) کے بھائی کو رشتہ میں دے سکتی ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ رشتہ لینے والی عورت کا بھائی بھی اس کا سگا بھائی نہ ہو۔

جناب! ہمارے ہاں اس کا جواب براہِ نوازش بذریعہ حوالہ اور ثبوت درج ذیل پتہ پر ارسال فرمائیں، جواب جلدی ارسال کرنے کی کوشش کریں، آپ کی نہایت مہربانی ہو گی، والسلام۔

رانا احمد یار ۹/۹۹ تحصیل و ضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً جائز ہے جبکہ کوئی اور حرمت کا سبب نہ ہو کیونکہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہ حنفی کی کسی کتاب کے محرمات میں اس کا ذکر نہیں اور قرآنِ کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم یعنی جن حرام عورتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، ان کے علاوہ دوسری عورتیں

تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں لہٰذا ان عورتوں میں سے ہر ایک عورت اپنی سوکن کے بھائی کو رشتہ دے سکتی ہے اگرچہ بھائی حقیقی ہو جبکہ کوئی اور مانع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۹۳ھ ۱۹ 4/73

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ سائل زبانی مظہر کہ زید کی لڑکی بکر کے نکاح میں تھی اور زید نے اس لڑکی کی ماں کے سوا ایک اور عورت کے ساتھ نکاح کیا، اب بکر کی بیوی جو زید کی لڑکی تھی فوت ہو گئی ہے اور زید بھی فوت ہو گیا ہے تو کیا بکر زید کی اس دوسری بیوی کے ساتھ جو بکر کی متوفیہ بیوی کی ماں نہیں بلکہ صرف باپ کی بیوی تھی، نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ شبہ کرتے ہیں کہ وہ بکر کی متبنیٰ ساس ہے لہٰذا نکاح جائز نہیں، جواب دیں اور ثواب پائیں۔

سائل: رمضان ولد نامہ اوڈ از فرید پور جاگیر، ۷ رشوال المکرم ۷۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح ہے تو یہ نکاح شرعاً درست اور صحیح ہے قرآنِ کریم میں ہے و

احل لکم ما وراء ذٰلکم، ساس وہی ہے جو پہلی بیوی کی ماں تھی، زینب کی دوسری بیوی بکر کی شرعاً ساس نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ اس نے ایک عورت کیساتھ نکاح کیا مگر اس عورت کے نزدیک بالکل نہیں گیا اور نہ ہی کسی اکیلے مکان میں اکٹھے ہوئے پھر وہ عورت مرگئی، اب اس عورت کی پوتی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے، آیا یہ شرعاً جائز ہے؟

سائل: جان محمد کھرل باشندہ از موٹی وال، ۹ رذی القعدۃ المبارکہ ۸۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح ہے تو جائز ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۴ میں ہے بشرط الدخول بالام۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ رذی القعدۃ المبارکہ ۸۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید اپنے لڑکے اور لڑکی کی ساس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ کوئی اور وجہِ حرمت نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: علم دین ولد الٰہی بخش مہار نہ جھگیاں رحموں والیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک و شبہ و ریب نکاح کر سکتا ہے کہ اولاد کی ساس محرماتِ شرعیہ سے یقیناً خارج ہے اور ارشادِ قرآنِ کریم ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء (پ ۴ ع ۱۲) اور ارشادِ مبین ہے واحل لکم ما وراء ذلکم (پ ۵ ع ۱) فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۲۳، شامی میں ہے ولا تحرم بنت زوج الام (الی ان قال) ولا ام زوجۃ الابن۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۹۸ میں ہے ولا بأس ان یتزوج الرجل امرأۃ ویتزوج ابنہ امہا او بنتہا لانہ لا مانع وقد تزوج محمد بن الحنفیۃ امرأۃ و زوج ابنہ بنتہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ رجب المرجب ۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ماموں بھانجے کی بیوہ کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں جبکہ کوئی اور شرعی مانع نہ ہو؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد فاضل عدلیکا از دوناکھوکھرانوالہ ریاست بہاولپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً صورتِ مذکورہ میں نکاح کر سکتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمی حنیف کا اپنی چچی بیوہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں جس کا نام امینہ ہے حالانکہ امینہ کی ماں رشم حنیف کی سوتیلی نانی ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: حیدر علی موضع چک ۱۹/ڈی آر ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر کوئی اور مانع نہیں تو یقیناً جائز ہے قرآن کریم کا فرمان مبین ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔ نانا تو نانا، باپ کی بیوی کی لڑکی بھی حلال ہے حالانکہ وہ سوتیلی ماں کی لڑکی ہے۔ در المختار وغیرہ اسفار فقہیہ میں ہے۔ والنظم من الدر واما بنت زوجۃ ابیہ او ابنہ فحلال۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضرت قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ آیا بھتیجے کی منکوحہ کا نکاح بعد از طلاق چچا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بعد از انقضائے عدت کر سکتا ہے بشرطیکہ کوئی اور مانع نہ ہو، قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ر صفر المظفر ۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ بھتیجے فوت ہو جانے کے بعد اس کی بیوی کا نکاح چچا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: رحیم بخش مہر از بگیاں ٹبیاں، ۱۲ر جمادی الاخریٰ ۷۴ھ۱۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

جب اور کوئی مانع نہ ہو تو عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر سکتا ہے، قرآن

کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم (پ۵ ع۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

سائل دریافت کرتا ہے کہ بھتیجا کی مطلقہ یا بیوہ بیوی چچا کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ شبہ کیا جاتا ہے کہ بھتیجا بیٹا ہی ہوتا ہے لہذا چچا نکاح نہیں کر سکتا، بینوا توجروا۔

سائل: مولا بخش ساکن شاہ بکہ ضلع منٹگمری، ۲۵ محرم الحرام ۷۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

قرآن کریم میں ہے وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم یعنے تمہارے ان لڑکوں کی بیویاں حرام ہیں جو تمہاری پشتوں سے ہیں، تو بھتیجا چونکہ چچے کی پشت سے نہیں ہے اور نہ ہی حقیقی بیٹا ہے لہٰذا اس کی مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ چچا نکاح کرسکتا ہے کہ قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور اگر بھتیجا بیٹا ہی ہے تو چچا کے لڑکے کے ساتھ وراثت کیوں نہیں پاتا اور چچے کی لڑکی کے ساتھ نکاح کیوں کرسکتا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ شبہ غلط ہے اور چچا نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ

تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

فقیرہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ
تاریخ تحریر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ بھتیجے نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور عدت پوری ہونے کے بعد چچا نے اس عورت کے ساتھ نکاح کرلیا حالانکہ کوئی شرعی مانع نہیں تھا، کیا نکاح جائز ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بھتیجے کی مطلقہ کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔

سائل: محمد حنیف موضع ڈھبی ۲۹/۵/۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح شرعاً جائز ہے اور بھتیجے کی منکوحہ ہونا حرام نہیں کرسکتا جبکہ اس نے طلاق دے دی اور عدت بھی پوری ہوگئی، قرآنِ کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم، ہاں قرآنِ کریم نے اپنے حقیقی لڑکے کی منکوحہ کو حرام قرار دیا ہے، ارشاد ہوا وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم اور یہ نہیں فرمایا وحلائل

ابناء اخوانکم، لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نکاح نہیں ہو سکتا، وہ جھوٹے ہیں اور شریعت پر بہتان باندھتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶/۶/۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ الٰہی بخش کی زوجہ فیض الٰہی سے اس کا بیٹا محمد دین پیدا ہوا، فیض الٰہی کی وفات کے بعد الٰہی بخش نے دوسری عورت نور بانوں سے شادی کر لی، اس سے احمد دین اور خورشید بیگم پیدا ہوئے، الٰہی بخش کی وفات کے بعد نور بانوں نے کسی اور سے نکاح کر لیا، اس دوسرے خاوند سے ایک لڑکی حمیدہ پیدا ہوئی، تو کیا حمیدہ بنت نور بانوں کا نکاح محمد دین ولد الٰہی بخش کے لڑکے سے ہو سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ال شرعاً جائز ہے قرآن کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم، فتاوے

عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں ہے لا بأس بان یتزوج الرجل امرأة و یتزوج ابنه ابنتها او امها كذا فی محیط السرخسی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ ۳۱/۵/۵

الاستفتاء

بگرامی خدمت حضرت العلام ناصر الاسلام فقیہ اعظم قبلہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ صاحب النعیمی القادری دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:۔ معروض اینکہ نظر عنایت فرماتے ہوئے مندرجہ ذیل مسئلہ کا مختصر جواب مرحمت فرمائیں، عین نوازش ہوگی:

زید کی والدہ کے حقیقی ماموں بکر کی لڑکی ہندہ کا نکاح زید سے ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: آپ کا غلام محمد منشا تابش قصوری بمقام ہری ہر تحصیل قصور ضلع لاہور، ۲/ستمبر ۱۹۶۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

ہاں ہو سکتا ہے کیونکہ محرمات خاصہ ہیں اس کا ذکر نہیں تو احل لکم ما وراء ذلکم سے حلال ہو گئی و ذا ظاہر جدا شامی علیہ الرحمہ نے محرمات کے اوائل میں کہا و فروع اجدادہ وجدات ببطن واحد فلہذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والاخوال (فتح) شامی ج ۲ ص ۲۸۰ یعنی حرام ہیں دادوں، نانوں اور دادیوں نانیوں کی شاخیں ایک بطن کی (یعنی بلا واسطہ) تو اس لئے پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں اور حلال ہیں پھوپھیوں اور چچوں اور خالاؤں اور ماموؤں کی لڑکیاں کیونکہ یہ بالواسطہ لڑکیاں ہیں اور جیسے اپنے ماموں کی لڑکی اپنے نانا کی بالواسطہ لڑکی ہونے کے سبب حلال ہے یونہی ماں کے ماموں کی لڑکی بھی ماں کے نانا کی بالواسطہ لڑکی ہونے کی بنا پر حلال ہے جو نص قرآن کریم کے بالکل موافق ہے اور کتاب الفقہ ج ۴ ص ۶۱، ۶۲ میں بھی محرمات کا تیسرا نوع بایں الفاظ ہے فروع اجدادہ وجداتہ وھن عماتہ وخالاتہ سواء کن شقیقات اولا والی ھنا ینتہی التحریم فلا تحرم علیہ بنات عماتہ ولا بنات خالاتہ ولا بنات عمہ فلا یحرم من فروع الاجداد والجدات الا البطن الاولی، اس کا ترجمہ نہیں لکھا کہ ترجمہ اوپر سے واضح ہو رہا ہے۔ بہر حال صورت مسئول عنہا میں اگر کوئی اور سبب حرمت نہیں تو حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ! بعد از سلام مسنون کے دست بستہ خدمتِ اقدس میں عرض پرداز ہوں برائے کرم اس معمولی مسئلہ کو حل فرما کر مشکور فرمائیں، نوازش ہوگی، فقط والسلام۔

زید کی حقیقی خالہ کی نواسی حقیقی سے زید کا نکاح از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ بکر کہتا ہے کہ یہ نکاح درست نہیں ہے لہذا برائے کرم جواب سے جلد مشکور فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔ فقط

سائل: عبدالرشید منڈی بورے والہ ضلع ملتان شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں جائز ہے، اللہ رب العالمین جل وعلا نے فرمایا واحل لکم ما وراء ذلکم (پ۵ ع۱) اور شامی ج۲ ص ۳۰۸ میں فتح القدیر سے ہے وفروع اجدادہ وجداتہ ببطن واحد فلھذا تحرم العمات والخالات وتحل بنات العمات والاعمام والخالات والاخوال اور یونہی کتاب الفقہ ج۴ ص ۶۱، ۶۲ میں بھی ہے لہذا بکر کا قول بالکل غلط اور خلافِ شرع شریف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۶ھ — ۹/۶۶ ۲۷

جمع بین المحارم

باب الجمع بین المحارم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اندریں مسئلہ کہ دو توأم لڑکیاں متحدۃ الجسم ہیں یعنی جس وقت پیدا ہوئیں ان کے کندھے پہلو کولہے کی ہڈی تک آپس میں جڑے ہوئے تھے اور کسی طرح سے ان کو جدا نہ کیا جا سکتا تھا، اپنی پیدائش سے اب جوان ہونے تک وہ ایک ساتھ چلتی پھرتی ہیں، ان کو بھوک ایک وقت لگتی ہے، پیشاب پاخانہ کی حاجت بھی ایک ہی وقت ہوتی ہے، اگر ان سے کسی ایک کو عارضہ لاحق ہو جائے تو دوسری بھی اسی عارضہ میں مبتلا ہو جاتی ہے، ان کا نکاح ایک مرد سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں آسکتی ہیں تو اس کی شرعی دلیل کیا ہے؟ اور اگر ان کو وان تجمعوا بین الاختین کے حکم کو بنیاد بنا کر دو مردوں کے نکاح میں دے دیا گیا تو مندرجہ ذیل دشواریاں پیدا ہوتی ہیں جن کا حل مشکل ہے:-

۱۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ ایک مرد اپنی منکوحہ نامزد بیوی سے ہی صنفی تعلقات کو محدود کر سکے گا۔

۲۔ یہ دوسری عورت جو اپنی بہن سے متحد الجسم ہونے کے ساتھ متحد المزاج بھی ہے زوجی تعلقات کے وقت متاثر نہ ہوگی۔

۳۔ نکاح کا ایک بڑا مقصد افزائشِ نسل ہے۔ دو مردوں کا یہ نکاح اس تعلق پر ضرب لگاتا ہے۔

۴۔ دو مردوں سے ایسا نکاح جس سے دو عورتیں صنفی تعلقات سے متاثر ہوتی ہوں ان کی حیا مجروح ہوتی ہو ان میں رقیبانہ جذبات پیدا ہوتے ہوں کیا نکاح کی اس روح کے منافی نہیں جس میں فرمایا گیا ہے وجعل بینکم مودۃ۔ (روم)

براہِ کرم شریعت کی رو سے حل فرما کر اس فتنے کو دور فرمایئے جو جوان ہونے سے ان کو لاحق ہوا ہے اور ان کے والدین ان کا نکاح کر سکیں بینوا توجروا الی یوم القیامۃ۔

سائل: محمد شریف نوری خطیب جامع رائے ونڈ ضلع لاہور ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۴۰۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

ایسے نادر الصورۃ بچوں کا زندہ پیدا ہونا ہی نہایت نادر ہے اور پھر مدت تک بہ ہیئتِ کذائیہ زندہ رہنا غالباً تخیلاتِ شاعرانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، ایسے سوالات اسکاتِ علماءِ کرام کے لئے وضع کئے جاتے ہیں مگر بفضلہٖ کرمہ تعالیٰ شریعت غراء کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں شرعاً ایسی صورت میں نکاح حرام ہے، خواہ ایک مرد سے دونوں کا یا ایک معینہ یا غیر معینہ کا یا دو مردوں سے باتعیین یا بالابہام ہو کہ بہر شق پر کئی حیا سوز حرکات کا لزوم ہوگا اور قرآنِ کریم فرماتا ہے لا تقربوا

الفواحش، نیز ارشاد ہوا قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا و ما بطن، رہے وہ فتنے جو جوانی سے لاحق ہوا کرتے ہیں تو ان کا علاج وہی ہے جو قرآنِ کریم نے تجویز اور حدیث شریف نے تشریح فرمائی، سورہ نور کا نورانی ارشاد ہے ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیھم اللہ من فضلہ۔ اور حدیث متفق علیہ میں ہے ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء، تو ان لڑکیوں پر لازم کہ پرہیز اختیار کریں اور بوقتِ ضرورت روزے رکھا کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ وآلہٖ وصحبہٖ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ ربیع الاول شریف ۴۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ انقلاب حاضرہ میں زید و عمر اخوین مع زوجتیں ہندو سلمٰی اختین میں سے مہاجرت کے وقت زید شہید ہوگیا اور سلمٰی گرفتارِ کفار ہوگئی عمر و ہند پاکستان میں پناہ گزین ہونے کے بعد نکاح کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً یہ نکاح جائز ہے؟ ایک مولانا صاحب نے فتوے جواز کا دیدیا ہے کہ تباینِ دارین سے نکاح باطل ہوجاتا ہے تو عمر و سلمٰی کا نکاح باطل ہوگیا لہٰذا عمر سلمٰی کی ہمشیرہ ہند سے نکاح کرسکتا ہے، طلاق وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں تو کیا مولانا صاحب کا یہ فتوے اور استدلال درست ہے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین ہے وان تجمعوا بین الاختین یعنی دو بہنوں کا جمع کرنا حرام ہے والجمع یشمل الماسورۃ وغیرھا والاطلاق حجۃ قطعیۃ مقدم علیٰ خبر الواحد والقیاس، توجب تک سلمیٰ کی طلاق اور انقضاءِ عدت یا موت متحقق نہ ہو تب تک عمر ہندہ سے نکاح نہیں کرسکتا والیقین بالحیاۃ لا یرتفع بالشک اور تباینِ دارین کا مسئلہ زوجین مسلمین میں قطعاً جاری نہیں ہوسکتا کہ تباینِ دارین سے مراد تباین حقیقۃً وحکماً ہے، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۵۳۷، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۱۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۱ نیز ج ۳ ص ۲۹۴ و ج ۵ ص ۲۶۶ وہدایہ مع الفتح ج ۳ ص ۲۹۴ و ۲۶۶، عنایہ ج ۳ ص ۲۹۲، مبسوط ص ۵۰، ۵۱ میں ہے والنظم من المبسوط وتباین الدارین بھذہ الصفۃ موجب للفرقۃ عندنا، اور جن کتب میں مطلق تباین الدارین ہے تو اس مطلق سے بھی کامل تباین مراد ہے، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۱۳ میں ہے اطلق فی التباین فانصرف الیہ حقیقۃ وحکماً، شامی ج ۱ ص ۲۹۷ میں شرح المنیہ سے ہے واذا صرح بعض الائمۃ بقید لم یرد عن غیرہ منھم تصریح بخلافہ یجب ان یعتبر، نیز ج ۱ ص ۴۲۰ میں ہے قال فی البحر وقصدھم بذلک ان لا یدعی علمھم الا من زاحمھم علیہ بالرکب ولیعلم ان

؎ بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۳۸ میں ہے تغیر اختلافِ دارین میں بان خرج احد الزوجین الی دار الاسلام مسلما او ذمیا وترک الآخر کافرا فی دار الحرب ۱۲ ابوالخیر غفرلہ ۲۲ ربیع الثانی ۶۹ھ

لایحصل الا بکثرۃ المراجعۃ و تتبع عباراتھم والاخذ عن الاشیاخ

بحرالرائق ج ۱ ص ۳، ۴، میں ہے وان فھم المسائل علی وجہ التحقیق یحتاج الی معرفۃ اصلین احدھما ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب مقیدۃ بقیود یعرفھا صاحب الفھم المستقیم الممارس للاصول و الفروع و انما یسکتون عنھا اعتمادا علی صحۃ فھم الطالب والثانی ان ھذہ المسائل اجتھادیۃ معقولۃ المعنی لا یعرف الحکم فیھا علی الوجہ التام الا بمعرفۃ وجہ الحکم الذی بنی علیہ و تفرع والا فتشتبہ المسائل علی الطالب و یحار ذھنہ فیھا لعدم معرفۃ الوجہ والمبنی و من اھمل ماذکرناہ حار فی الخطأ والغلط۔ بلکہ جزئیات واحکام جمیع کتبِ مذہب سے نمایاں طور پر یہی ثابت ہے مثلاً مسلم یا ذمی بغرضِ تجارت وغیرہا عارضی طور پہ دارالحرب میں بلا زوجہ جائے یا حربی اسی طرح دارالاسلام میں آئے تو ان کے ازواج کے نکاح بدستور رہیں گے کہ حکماً تباینِ دارین نہیں یا مسلمان نے کتابیہ حربیہ سے دارالحرب میں نکاح کیا اور وہیں چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے تو عورت بائن ہو جاتی ہے اور اگر عورت اس خاوند مسلم سے پہلے دارالاسلام میں آجائے تو بائن نہیں ہوتی کہ اس صورت میں تباین فقط حقیقۃً ہے اور حکماً نہیں وغیرھا من المسائل۔

بحرالرائق ج ۳ ص ۲۱۳، مبسوط ج ۵ ص ۵۱، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۳، نیز ج ۵ ص ۲۶۶، کفایہ علی الھدایہ ج ۳ ص ۲۹۵، کفایہ ج ۳ ص ۲۹۳، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۳۹ میں ہے والنظم من الھندیۃ ولو خرج الحربی مستامنا او دخل المسلم دار الحرب مستامنا لم تقع الفرقۃ بینہ و بین امرأتہ کذا فی الکافی، درالمختار، ردالمحتار شامی ج ۲ ص ۵۲۸، مبسوط ج ۵ ص ۵۳، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۱۴، منحۃ الخالق علی بحرالرائق والنظم من البحر لو تزوج مسلم کتابیۃ

حربية فی دار الحرب فخرج عنها الزوج بانت لوجوده ولوخرجت المرأة قبل الزوج لم تبن لان التباين وان وجد حقيقة لم يوجد حكما لانها صارت من اهل دار الاسلام لانها التزمت احكام المسلمين فالظاهر انها لاتعود الی دار الحرب والزوج من اهل دار الاسلام حكما، اور ایسا تباین اسلام زوجین کی صورت میں متصور ہی نہیں کہ مسلم اہلِ دار الاسلام ہی ہے اگرچہ دار الحرب میں تجارت یا گرفتاری وغیرہ کی صورت میں ہو کیونکہ صورتوں میں گو حقیقۃً تباین ہے مگر حکمًا نہیں، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۹۲، کفایہ ج ۳ ص ۲۹۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۹۳، شامی ج ۲ ص ۵۳۸ نیز ج ۳ ص ۳۴۸ نیز ج ۵ ص ۶۷۲، فتاویٰ عالمگیر ج ۴ ص ۴۰۶، شریفیہ شرح سراجیہ ص ۱۴۲، شیخ الاسلام علی السراجیہ ص ۱۰۳، مبسوط ج ۵ ص ۵۳ نیز ج ۱۰ ص ۶۱ میں ہے والنظم من العاشر فالمسلم من اهل دار الاسلام حكما وان كان فی دار الحرب صورة۔ نیز اسیر کفار مفقود ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۹۶، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۶۳، در المختار، رد المحتار ج ۳ ص ۴۵۳ میں ہے والنظم من الهندية هو الذی غاب عن اهله وبلده او اسره العدو ولا يدری احی هو او ميت اور بقاءِ نکاح مفقود، کتبِ مذہب میں مذکور ومشہور ہے والمرأة كالرجل فی الاحكام، بحر الرائق ج ۱ ص ۴۳ میں ہے من المعلوم ان كل حكم ثبت للرجال ثبت للنساء لانهن شقائق الرجال الاما نص عليه قال فی المستصفی الاصل فی النساء الايذكرن لان مبنی حالهن علی الستر ولهذا لم يذكرن فی القرآن حتی شكون فنزل الی آخره۔

شیخ الاسلام علی السراجی ص ۱۳، شریفیہ ص ۱۴۲ میں ہے والنظم للسید

الشریف فالاسر کما لا یؤثر فی قطع عصمة النکاح لا یؤثر فی المیراث بلکہ بالصریح الاصرح ثابت کہ ماسورہ پر حق نکاح باقی رہتا ہے، مبسوط ج ۱۰ ص ۶۱، بحر الرائق ج ۵ ص ۹۹، در المختار، رد المحتار ج ۳ ص ۳۴۲، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲۷۰ میں ہے والنظم من الھندیۃ اذا وجدت الماسورۃ (الی ان قال) فھن باقیات علی ملکہ۔ شامی میں ہے سواء سبیت الزوجۃ قبل زوجھا او بعدہ وما فی فتاوی قاری الھدایۃ فمعارض ومدفوع بما فیھا ایضا۔ فتح القدیر ج ۵ ص ۲۶۶، مبسوط ج ۱۰ ص ۶۰، ۶۱ میں ہے والنظم من المبسوط فان کان لھا زوج قبل ان توسر فالنکاح بحالہ لانہ لم تتباین بھما الدار حکما فانھا مسلمۃ وان کانت ماسورۃ فی دار الحرب فالمسلم من اھل دار الاسلام حکما وان کان فی دار الحرب صورۃ وتباین الدارین حقیقۃ لا حکما لا یقطع عصمۃ النکاح۔

بفضلہ تعالیٰ ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروزہ کی طرح واضح ہوا کہ تباینِ دارین کی وجہ سے زوجین مسلمین کا نکاح بدستور باقی رہتا ہے تو جب تک سلمیٰ کی موت یا انقضاءِ عدت بعد از طلاق ثابت نہ ہو جائے تو عمر نکاحِ ہند قطعاً نہیں کر سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الاشرفی القادری النعیمی

۲۶ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ

بصیر پور شریف

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ عورت کو طلاق دیکر اس کی بہن سے نکاح کرنا عدت گزرنے سے پہلے جائز ہے کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : محمد اکبر انا پینائیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

زوجہ کو طلاق دے کر اس کی عدت پوری کر کے اس کی ہمشیرہ سے نکاح کر سکتا ہے اور قبل از انقضائے عدت نکاح کرنا ناروا و حرام ہے، شامی ج ۲ ص ۳۹۰ بحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۲، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے والنظم من الھندیۃ ولا یجوز ان یتزوج اخت معتدتہ سواء کانت العدۃ عن طلاق رجعی او بائن او ثلاث او عن نکاح فاسد او عن شبھۃ۔

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں دو مسئلہ:۔

۱۔ بھتیجا فوت ہوا تو اس کی بیوی کا نکاح بعد گذرنے عدت کے چچا کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲۔ زید نے سلمٰی کو طلاق دی تو کیا سلمٰی کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے؟ بینوا ماجورین۔

السائل: غوث محمد از سومیاں ضلع منٹگمری، یکم شعبان ۱۳۰۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

۱۔ کر سکتا ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے واحل لکم ما وراء ذلکم، فتاوٰے عالمگیری، شامی وغیرہا میں ہے والنظم من الھندیۃ والثالثۃ (ای من المحرمات بالصھریۃ) حلیلۃ الابن وابن الابن الخ تو بھتیجے کی بیوی لڑکے کی بیوی نہیں کہ حرام ہو جائے، ہاں اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی اور وجہ حرمت ہو تو حرام ہو گی کما لایخفٰی علٰی اولی النھی۔

۲۔ کر سکتا ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ سلمٰی مطلقہ کی عدت ختم ہونے کے بعد نکاح کیا جائے، شامی، بحر الرائق، فتاوٰے ہندیہ میں ہے والنظم من البحر (قولہ وحرم تزوج اخت معتدتہ) لان اثر النکاح قائم فلو جاز تزوج اختھا لزم الجمع بین الاختین فلا یجوز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری النعیمی الغفر یدفوری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کہ زید نے اپنی مطلقہ کی عدت میں اس کی بہن کے ساتھ عقد کرلیا ہے، آیا یہ عقد شرعاً صحیح ہے۔ فقط والسلام بینوا توجروا۔

نیاز مند: فقیر عبدالعزیز بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

عقدِ مذکورہ شرعاً جائز وصحیح نہیں کہ عدت آثارِ نکاح سے ہے توحکماً جمع بین الاختین میں داخل بلکہ دلالۃِ نص وان تجمعوا بین الاختین سے ثابت وھی تفید القطع۔ ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ج ۳ ص ۱۳۲، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۷، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۷، کنز الدقائق، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۲، تنویر الابصار، درالمختار، ردالمحتار ج ۲ ص ۳۹۰، خلاصۃ الفتاوے ج ۲ ص ۷، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۲ والنظم منہ ولا یتزوج المرأۃ فی عدۃ اختہا منہ۔ نیز فتح القدیر ومبسوط میں ہے ما اجمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہم علی شیٔ

کا اجماع ہے علیٰ تحریم نکاح الاخت فی عدۃ الاخت مبسوط، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ میں ہے والنظم من الاخریٰ فلو جاز نکاح الاخت فی عدۃ الاخت لزم الجمع بین الاختین، فتح القدیر میں ہے ویخص تزوج الاخت فی عدۃ الاخت دلالۃ النص المانع من الجمع بین الاختین الخ

تو روزِ روشن کی طرح واضح و مبین ہوا کہ نکاحِ مذکور صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم و فخم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا بالفضل اولانا مولوی نور اللہ صاحب دام برکاتہ

السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ خدمتِ عالیہ میں سوال پیش کرتا ہوں، جواب سے مشرف فرمادیں کہ:

ایک آدمی اپنی بیوی کے بھائی کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے، کر سکتا ہے اگر طلاق شرط ہے یعنی طلاق دینے کے بعد کر سکتا ہو تو فوراً طلاق کے بعد کرلے یا عدت گزارے اگر عدت گزارے تو کتنی عدت ہو؟

العبد: عطا محمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

طلاق سے قبل قطعاً نکاح نہیں کرسکتا اور بعد از طلاق مطلقہ کی عدت پوری کرنی بھی ضروری ہے، عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح نہیں کرسکتا، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱ اور ہدایہ میں ہے والنظم من الھدایۃ ج ۲ ص ۲۷۶ ولا یجمع بین المراۃ وعمتھا اوخالتھا او ابنۃ اخیھا او ابنۃ اختھا الخ نیز ہدایہ ج ۲ ص ۲۷۸ و عالمگیر ج ۲ ص ۱ میں ہے والنظم منہ لا یجوز ان یتزوج واحدۃ من ذوات المحارم التی لا یجوز الجمع بین اثنتین منھن۔ اگر عورت کو حمل ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ بچہ جنے اگر ایک تو ایک، اگر زیادہ تو تمام اور اگر حمل نہیں تو عدت جوان عورت کی یعنی جسے حیض آتا ہو، تین حیض ہیں، خواہ کتنی ہی مدت میں تمام ہوں، اور اگر چھوٹی ہو یا ایسی بڑھیا جسے حیض نہیں آتا تو تین ماہ عدت ہے قرآن کریم کا فرمان ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء۔ واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر واللائی لم یحضن۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ ذی الحجۃ المبارکہ ۶۵ھ

الاستفتاء

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ السلام علیکم ،

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص نے اپنی شادی کی اور اس میں سے ایک لڑکا ہو کر فوت ہو چکا ہے ، وہ شخص اولاد کی بدولت پھر شادی کرانیکا خواہشمند ہوا اور پہلی عورت جس کے ساتھ نکاح کیا ہوا دوسری عورت اس کی بھتیجی ہے کیا پھوپھی اور بھتیجی ایک نکاح میں آسکتی ہیں یا نہیں ؟ یہ مسئلہ حدیث با سند کے ساتھ تحریر کر دیویں ۔

درویش محمد شریف
فرید پور سہاگ جاگیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ایک شخص کے نکاح میں پھوپھی اور بھتیجی جمع نہیں ہو سکتیں ، حدیث شریف میں ہے لا یجمع بین المرأۃ وعمتہا رواہ البخاری[۲/۷۶۶] ومسلم[۱/۴۵۲] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا لہذا اس دوسری عورت کے ساتھ نکاح کرنا بالکل حرام ہے ، ہاں اگر پہلی بیوی کو طلاق دیدے اور اس کی عدت بھی گذر جائے یا فوت ہوجائے تو دوسری سے نکاح کرسکتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی

اللہ تعالٰی علی حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

الاستفتاء

سائلہ نے بیان کیا ایک شخص کے نکاح میں پہلے خالہ تھی بعد ازاں اس نے اس عورت کی بھانجی سے نکاح کر لیا ہے، کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟ وہ خالہ بھانجی کی ماں کی بہن ہے بایں معنی کہ دونوں کا باپ ایک ہے اور مائیں الگ الگ ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً یہ نکاح بالاتفاق حرام اور باطل ہے، مرد پر لازم کہ دوسری بیوی کو کہہ دے میں نے چھوڑا اور ایسے ہی دوسری عورت پر لازم ہے اور اگر نہ چھوڑیں تو الگ الگ جبراً کر دیئے جائیں، یہ خالص حرام ہے اور اگر دوسری عورت کے ساتھ جماع کر چکا ہے تو اس کی پہلی عورت بھی اس پر حرام ہو گی، اس وقت تک کہ دوسری عورت کو چھوڑ دے اور پھر اس کی عدت پوری ہو جائے یعنی حمل ہے تو بچہ پیدا ہو جائے ورنہ تین حیض پورے ہو جائیں، بعد ازاں پہلی عورت حلال ہو گی اور دوسری عورت

بھی بعد ازاں کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے فتاوے عالمگیر، شامی، امیر الاثر، الکبریٰ وغیرہا میں یہ مسائل ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی البصیرپوری
یکم رجب المرجب ۰۷ھ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ زید کے نکاح میں ایک عورت تھی بعد ازاں اس عورت کی بھانجی کی نابالغہ لڑکی سے نکاح کر لیا۔ خلوت ودخول نہیں ہوا۔ کیا یہ نکاح دوسرا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

سائل : محمد علی ازوا سو سالم کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح محض ناجائز ہے۔ زید پر لازم ہے کہ اس دوسری لڑکی کو چھوڑ دے فتاوے خیریہ ج ا ص ۲۲ میں ہے سئل عن الجمع بین المرأۃ وبنت

ںت اختہا ھل یجوزام لا آہ اجاب اما الجواز فلا قائل بہ الا عثمان البتی وداؤد الظاہری ومن لا یعبأ بہ من الخوارج، پھر اور عدت بھی نہیں لعدم صحۃ النکاح والدخول۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲/ ربیع الاول شریف ۷۲ھ

الاستفتاء

الحمدللہ ونحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین متعلق اس مسئلہ کے بارے میں ایک شخص نے اپنی منکوحہ بیوی کو طلاق دے دی اور عدت شرعیہ پوری ہونے سے پہلے اپنی سالی کی لڑکی کے ساتھ نکاح ثانی کرلیا ہے، آیا اس میں اس مرد پر عدت لازم آتی تھی یا نہیں؟ اور سالی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنا بھی درست ہے یا کہ نہیں؟ کتاب وسنت کے مطابق مسئلہ کے جواب سے مستفید فرمائیں، جناب کی عین کرم نوازی ہوگی۔ فقط حدآداب۔

فدوی: حکیم عبدالوہاب موضع کنڈور ضلع میرپور ڈاک خانہ آزاد کشمیر

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

واقعی وہ شخص اپنی مطلقہ بیوی کی عدت کے اندر اس کی ب

نہیں کر سکتا کہ یہ مرد پر لازم ہے مطلقہ کی عدت گزرنے سے

محرم کے ساتھ نکاح نہ کرے، قرآنِ کریم میں ہے ان تجمعوا

یعنی دو بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اور حدیثِ پاک میں بھتیجی اور بھا

بیان فرمایا: صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، ترمذی، نسائی کی حدیثِ پاک م

المرأة علی عمتها ولا علی خالتها ولا علی ابنة اخیها

اور عدت میں نکاح کرنا حکماً جمع کرنا ہے لہٰذا ناجائز ہے، فتاویٰ

کما لا یجوز ان یتزوج اختها فی عدتها فکذا لا ی

واحدة من ذوات المحارم.

بہر حال سالی کی لڑکی کے ساتھ اس مرد پر اپنی مطلقہ کی

کرنا حرام تھا تو وہ نکاح نہیں ہوا جبکہ وہ سالی اس مطلقہ کی بہن

میں وہ مطلقہ اور وہ لڑکی خالہ اور بھانجی بنے گی اور مرد کا

مجازاً عدت کہا جاتا ہے۔

واللّٰہ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی

واصحابہ اجمعین.

الاستفتاء

جناب مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب بصیر پور شریف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ : اس مسئلہ کا فیصلہ دیویں :۔

ایک آدمی موضع لعلو گودڑ کا باشندہ ہے اور شادی شدہ ہے، اس آدمی کی بیوی کی بھانجی بیوہ جس کے خاوند کا انتقال ہوئے کو عرصہ ½1 سال گزر چکا ہے اس بیوی کی بھانجی کے ساتھ وہ آدمی عقد کرنا چاہتا ہے، آیا وہ بیوہ اس آدمی کی بیوی کی بھانجی عقد میں آسکتی ہے یا نہیں؟ بیوی زندہ اس آدمی کے گھر آباد ہے اور وہ بھانجی اس کی بیوی کی اس طرح ہے کہ ایک باپ کی لڑکی وہ ہے جو اس آدمی کی بیوی ہے اور دوسری عورت اس آدمی کی بیوی کی ہمشیرہ ہے، وہ اور باپ کی ہے لیکن ماں ان دونوں ہمشیرہ کی ایک ہے، باپ دو ہیں، وہ لڑکی بیوہ اس دوسرے باپ کی ہمشیرہ سے پیدا شدہ ہے اور اس طرح اس آدمی کی بیوی کی بھانجی ہے وہ بیوہ اس آدمی کے عقد میں آسکتی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ تحریر فرمادیں۔

محمد عباس حصہ دار لعلو گودڑ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جب تک خالہ اس کے نکاح و عدت میں رہے اس وقت تک بھانجی سے نکاح نہیں کر سکتا، ان دونوں بہنوں کی ماں ایک اور باپ الگ الگ ہیں تب بھی

یہی حکم ہے بلکہ اگر مائیں بھی الگ الگ ہوں اور ان دونوں نے ایک عورت کا دودھ پیا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے کہ خالہ اور بھانجی ایک شخص کے نکاح میں نہیں آسکتیں فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۶ میں ہے لا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتہا نسبا او رضاعا او خالتہا کذلک۔ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۶ شوال المکرم ۳۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک عورت ہے اور بعد ازاں اس اپنی بیوی کی خالہ کے ساتھ نکاح کرلیا ہے حالانکہ وہ خالہ اس عورت کی ماں باپ سے بہن ہے تو کیا اس دوسری عورت خالہ کا نکاح صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: حاجی قاسم علی وحاجی محمد شفیع تارو ملیکا ۲/۴/۵۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً ایک شخص کے نکاح میں بھانجی اور خالہ نہیں آسکتیں خواہ اکٹھا نکاح کرے

یا آگے پیچھے تو پچھلی کا نکاح صحیح نہیں اور اس مرد پر لازم ہے کہ اس عورت کو الگ کر دے اور اگر وہ خود الگ نہ کرے تو حاکم وقت کا فرض ہے کہ الگ کرائے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۶ میں ہے فلا یجوز الجمع بین امرأۃ وعمتھا نسبا او رضاعا وخالتھا کذلک، نیز اسی میں ہے وان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقھا ولو علم القاضی بذلک یفرق بینھما، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یجمع بین المرأۃ وعمتھا ولا بین المرأۃ وخالتھا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ والہٖ واصحابہٖ بارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ رمضان المبارک ۷۷ھ

باب حرمة نكاح المحصنات

باب حرمۃ نکاح المحصنات

الاستفتاء

مختصر یہ کہ ایک نابالغہ مہاجرہ جس کا کوئی ولی کہیں موجود معلوم نہیں سوائے ماموں زاد کے تو اس ماموں زاد نے لڑکی کا نکاح اپنے کسی رشتہ دار کے ساتھ کردیا، کچھ مدت کے بعد اس نکاح پر دوسرا نکاح دوسرے شخص سے کردیا لڑکی کی نابالغی ہی میں تو وہ ولی اور گواہاں و نکاح خواں دوسرے نکاح کے کس کس تعذیر کے مستحق ہیں؟

مولانا عبدالغنی صاحب از روہیلا تیجے کا

جواب تفصیلی کی فرمائش ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

حسب تصریحات فقہائے کرام ماموں زاد دور کے ذوی الارحام سے ہے

اگر انعدامِ حیات یا فقدانِ اقربار کے وقت نابالغہ کا نکاح بلا کمی فاحش مہرِ مثل بلحاظ جمیع
اقسام کفایت ہم کفو سے کر دے تو ہمارے امامِ اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک مشہور ترین
روایت کی بنا پر نافذ ہو جائے گا خلافاً للائمۃ الثلاثۃ والصاحبین
والروایۃ الضعیفۃ عنہ ایضاً۔ مگر لڑکی فسخ کر سکتی ہے بشرط القضاء
اور اگر غیر کفو سے یا مہرِ مثل سے کم غبن فاحش پر کر دے تو نہیں۔ پس صورتِ مسؤلہ
میں اگر نکاحِ اول شرائطِ نفاذ کے ساتھ ہوا ہے تو بوجہ نفاذ دوسرا نکاح لغو و فضول
ہوا اور وہ ولی اور گواہاں و نکاح خواں نکاح پر نکاح کرنے سے گنہگار ہوئے
اور مستحق تعزیر بھی ولکن لا یفتی بکفر احد منہم ولا بفسخ انکحتہم
وان استحلوا لمکان اختلاف الائمۃ العظام والتعزیر اسم
للتادیب الغیر المقرر فی الشرع بل مفوض الی رأی الامام
بحسب کوائف الانام من حیث الانزجار، اور اگر نکاح اول بوجہ فقدان
شرائط کلاً او بعضاً نہیں ہوا تو دوسرا نکاح اگر شرائط موجود تھیں تو ہو گیا بحق الفسخ عند البلوغ
ورنہ نہیں ولا اثم علی احد فی الصورتین الا من اقدم رائیاً ان النکاح
الاول نافذاً وان الثانی ایضاً غیر مستجمع الشرائط فانما الاعمال
بالنیات فیستوجبون التعزیر اور توبہ تاثم کی صورتوں میں لازم ہے اور
اگر نکاح ثانی بھی نہیں ہوا تو بالغہ ہونے پر اپنی رضا و رغبت سے خود انتخاب کر کے
نکاح کر سکتی ہے اور حیض وغیرہ نہ ہونے کی صورت میں پورے پندرہ سال ہو جانے
سے بلوغ ہو جاتا ہے وجمیع الاحکام ماخوذۃ من الہدایۃ والفتح
وبدائع الصنائع والکنز والبحر الرائق والدر المختار ورد
المحتار وغیرہا من الاسفار۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ رشیدہ بی بی دختر ولی محمد کی عمر جب چار برس تھی تو والد کا انتقال ہو جاتا ہے بعد ازاں رشیدہ بی بی کے دادے مسمّیٰ قائم دین جو دادا اور سنز لیف ہے، نے جب لڑکی مذکورہ کی عمر ساڑھے پانچ سال تھی، ایک نابالغ لڑکے مسمّیٰ یاسین ولد سلطان محمد سے نکاح کر دیا پھر ڈیڑھ سال بعد یعنی جب لڑکی مذکورہ کی عمر سات سال کی تھی تو قائم دین نے سلطان محمد سے بوجہ نا اتفاقی طلاق حاصل کر لی حالانکہ لڑکا ابھی نابالغ تھا جس کی عمر سات سال کی تھی بعد ازاں رشیدہ بی بی کی والدہ جو اپنا نکاحِ ثانی کر چکی تھی، رشیدہ بی بی کو اس کے دادے سے مجبور کر کے لے گئی اور بلا اجازت و بلا رضا دادے کے مخالفانہ صورت میں اور جگہ نکاح کر دیا حالانکہ لڑکی اس وقت بھی نابالغہ آٹھ سالہ تھی، اس وقت خاوند کے ساتھ رخصتی کر دی، ایک دو دن کے بعد واپس آئی اور اب تک والدہ کے پاس ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ پہلا نکاح دادا کا کیا ہوا حال ہے کہ طلاق دہندہ سات سالہ تھا یا دوسرا ماں کا کیا ہوا؟ بینوا توجروا۔

السائل: قائم دین دادا لڑکی مذکورہ کا از پاکپتن شریف تانگ ہال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مسئولہ صحیح اور واقعی ہے تو رشیدہ بی بی کا پہلا نکاح بدستور قائم ہے، لڑکا غیر بالغ طلاق نہیں دے سکتا خصوصاً جبکہ بہت ہی چھوٹا ہو، فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۴۸ میں ہے لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل اور بالفرض اگر طلاق ہو بھی جاتی تب بھی دوسرا نکاح صحیح نہ ہوتا کہ دادا شرعی ولی ہے، اس کے ہوتے ہوئے اس کی رضا کے خلاف ماں کے نکاح کر دینے کا اعتبار نہیں، فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۹ میں ہے وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الخ۔

بہر حال دوسرا نکاح شرعاً نکاح نہیں اور پہلا بدستور قائم ولازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی القادری الحنفی غفرلہ

۲۱ر جمادی الاولٰی ۱۳۷۳ھ، ۲۷ر جنوری ۵۴ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحم کرے اللہ تعالٰی ان پر در یں مسئلہ کہ مسمات فاطمہ خواہر وریام زوجہ غلام نبی، غلام اور اس کی زوجہ دونوں سے دریام

نے کہا کہ اپنی نابالغہ بیٹی مسماۃ فیضاں تمہارے نابالغ بیٹے مسمّٰی صادق کو شادی کے لیے دیدی ہے، یہ اقرار وعدہ کا نکاح ہوا، چند ماہ کے بعد زوجہ غلام (فاطمہ) فوت ہوگئی، اس کی فاتحہ خوانی پر تمام برادری اکٹھی ہوئی، ساتویں روز کے ختم پر مولوی سلیمان کو بھی بلایا اور برادری جمع تھی ختم پڑھنے کے بعد سلیمان جو وریام کا بھائی تھا اس نے غلام سے کہا جو اقرار لڑکی دینے کا تم نے وریام سے کیا ہوا ہے وہ پورا کرنا ہے یا نہیں؟ تب غلام بولا اگر تمہارے دل میں شک ہے تو آج تمام برادری اتفاقاً جمع ہے اور جن کو نکاح کے لئے بلانا تھا وہ مجلس برادری بھی موجود ہے اور مولوی سلیمان بھی موجود ہے اور نابالغ اور نابالغہ کا ایجاب وقبول ہوتا ہے وہ مجھ سے کرلو، پھر تمام مجلس میں غلام نے اقرار کیا کہ میں نے اپنی نابالغہ بیٹی مسماۃ فیضاں وریام کے نابالغ بیٹے مسمّٰی صادق کو دی اور پھر وریام نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکے کے لئے قبول کی، تمام مجلس اور ایک شاہ صاحب شریکِ محفل تھے، نے کہا کہ یہ نکاح مکمل ہوگیا، دعائے خیر کی گئی، شرینی تقسیم نہیں ہوئی اور حق مہر کا ذکر نہیں کیا گیا۔

ایک اور گاؤں میں کچھ عرصہ کے بعد غلام نے ایک بیوہ عورت کو شادی کی دعوت دی، عورت نے کہا میں آپ سے شادی کرلوں گی مگر آپ اپنی نابالغہ لڑکی فیضاں کا نکاح میرے نابالغ لڑکے کے ساتھ کردیں۔ غلام نے اپنی مذکورہ نابالغہ لڑکی کا نکاح عورت کے لڑکے کے ساتھ کردیا، فریقِ اول کہتا ہے ہمارا نکاح ہے اور فریقِ ثانی کہتا ہے ہمارا نکاح ہے، گواہ ہر دو نکاحوں کے موجود ہیں اور لڑکی اب جوان ہے کیا پہلا نکاح جائز ہے یا دوسرا؟ بینوا توجروا۔

تحریر کنندہ: قمر الدین از ملکہ ہانس خاص

تحصیل پاکپتن شریف، ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو فریقِ اول سچا ہے اور فیضاں کا نکاح صادق سے ہو گیا کہ نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے جو صریح طور پر پائے گئے۔ شیرینی کی تقسیم پر نکاح موقوف نہیں اور نہ ہی حق مہر کا ذکر شرطِ نکاح ہے، قرآنِ کریم میں ہے لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ اس آیت سے صاف صاف ثابت ہو گیا کہ بلا ذکرِ مہر نکاح صحیح و درست ہو جاتا ہے اور فریقِ ثانی کا دعوی جھوٹا ہے، نکاح پر نکاح نہیں ہو سکتا، قرآنِ کریم میں ہے و المحصنات من النساء اور جب پہلا نکاح ثابت ہے تو دوسرے نکاح کے گواہ اس کو نقصان نہیں دے سکتے، اگر ان کو پہلے نکاح کا علم نہیں تو ان کو مطلع کر دیا جائے تو خود ہی گواہی سے باز آجائیں گے اور اگر دیدہ و دانستہ نکاح پر نکاح کے گواہ بنے ہیں تو وہ بھی غلام کی طرح سخت ظالم و بدکار اور مستحقِ غضبِ جبار و قہار اور حقدار عذابِ نار بنے تو ان کی گواہی کا کیا اعتبار؟ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶ رمضان المبارک ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں زید نے اپنی لڑکی کا بکر کے ساتھ نکاح کر دیا، لڑکی چھ ماہ کا عرصہ اپنے خاوند کے پاس مقیم رہی، اس عرصہ میں زید نے ایک دفعہ بھی جماع نہیں کیا اور ایک ہی مکان میں کئی دفعہ اکیلے رہے لیکن جماع وغیرہ کچھ نہیں ہوا، تقریباً چھ ماہ رہے اور نہ ہی کسی قسم کا اظہارِ محبت ہی کیا گیا جس سے اس کی خواہشات کا علم ہو سکے۔ آخر لڑکی یہ صورتِ حال دیکھ کر اپنے والدین کے پاس آگئی، اب اس لڑکی کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور اس کے حق مہر ۔/۱۰۰۰ مقررہ کا کیا حکم ہے؟

مستفتی: نعمت علی شاہ ساکن بصیر پور ضلع منٹگمری ۲۴/۹/۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور درست ہے تو وہ نکاح حسبِ دستورِ سابق قائم ہے جب تک خاوند کے طلاق دینے یا مرنے کے بعد عدت نہ گزار لے کہیں اور نکاح نہیں کر سکتی اور از روئے مذہب حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان دونوں صورتوں میں عورت پورے حقِ مہر کی مستحق ہے کہ ظاہر سوال یہی ہے کہ خلوتِ صحیحہ ضرور ہو گئی، فتاوےٰ عالمگیری میں ہے و المھر یتاکد باحد معان ثلاثۃ الدخول و الخلوۃ الصحیحۃ و موت احد الزوجین اور خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ

میاں بیوی ایک مکان میں اکٹھے ہوں اور جماع سے کوئی مانع حسی یا شرعی یا طبعی نہ
فتاوٰے عالمگیریہ میں ہے و الخلوة الصحیحة ان یجتمعا فی مکان
لیس هناك مانع یمنع من الوطی حسا او شرعا او طبعا کذ
فی فتاوی قاضیخان۔ ہاں اگر خاوند یا بیوی میں سے کوئی بیمار ہو یا کوئی اور
مانع جماع موجود رہا ہو اور خلوتِ صحیحہ نہ پائی گئی ہو تو پھر یہ حکم نہیں کہ عورت پورے
مہر کی مستحق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی
علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ ربیع الاول شریف ۸۷ھ بروز جمعۃ المبارکہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی
غیر عورت کو بھگا کر لے آئے اور بعد میں اس عورت کی رضامندی کے ساتھ اس سے
نکاح کر لے حالانکہ اس عورت کا اپنا پہلا خاوند زندہ ہے۔ وہ اپنی اس عورت کو
طلاق دینا نہیں چاہتا بلکہ وہ اسے اپنے نکاح میں رکھنا چاہتا ہے اور اس پر مقدمہ
چلا رکھا ہے۔

۱۔ اب جس امام نے یہ نکاح پڑھایا ہے اس نے جان بوجھ کر یہ نکاح پڑھایا
ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۲۔ اور یہ نکاح باقی رہا یا نہیں؟

۳۔ کیا اس امام کے اپنے نکاح میں بھی اس سے کچھ فرق پڑ گیا یا نہیں؟

جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں، نوازش ہوگی۔

آپکا خادم: چوہدری مختار احمد ساکن جاگو والا چک نمبر ۴۴

ڈاکخانہ برج سالم چک ۳۵ براستہ پتوکی تحصیل چونیاں ضلع لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ اگر واقعی دیدہ و دانستہ سابقہ نکاح کے ہوتے ہوئے، یہ نام نہاد نیا نکاح پڑھایا اور گناہ سمجھ کر پڑھایا تو وہ سخت فاجر و فاسق ہے، اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے، مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے اور اگر حلال جانتے ہوئے پڑھایا تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوگیا۔ اس کے پیچھے نماز سرے سے ہوتی ہی نہیں اور نہ ہی اس کا ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے اور نہ ہی اس کا اپنی عورت سے نکاح باقی رہا۔

۲۔ اس عورت کا پہلا نکاح پہلے خاوند سے برقرار اور باقی ہے اور دوسرا ہم نہاد نکاح، نکاح نہیں اور دوسرے خاوند سے نزدیکی زنا ہے اور جو اولاد پیدا ہو وہ حرامی ہوگی۔

۳۔ پہلے جواب سے واضح ہوگیا کہ اگر اس نے گناہ اور حرام جان کر ایسا کیا تو اس کا اپنا نکاح باقی رہا اور اگر حلال جان کر کیا تو اس کا اپنا نکاح ٹوٹ گیا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا و مولانا محمد و

آلہٖ و اصحابہٖ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال بقلم خود

۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۹۱ھ، ۵/۷۱/۲۰

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ لاعلمی میں نکاح پر نکاح کیا گیا، اب نکاح پڑھانے والوں کے حق میں علمائے کرام کیا فیصلہ فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

مورخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۷۸ھ بروز دیوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی لاعلمی میں یہ غلطی ہو گئی تو وہ معذور ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں جو دیدہ دانستہ نکاح پر نکاح پڑھائے وہ بڑا سخت گنہگار اور سزاوار عذاب نار ہے اور اگر نکاح پر نکاح پڑھانا حلال جانتے ہوئے پڑھایا تو وہ اسلام و ایمان سے خارج ہو گئے۔ ان پر لازم کہ از سر نو کلمۂ اسلام پڑھ کر مسلمان ہوں اور اپنے نکاح نئے

سرے سے پڑھائیں کہ مرتد کا اپنا نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ دین کہ اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت نے ایک امام مسجد کو یہ کہا کہ میرا خاوند دس ماہ سے مرچکا ہے اور میری عدت گزر چکی ہے، اس عورت کے ہمراہ دو آدمی تھے انہوں نے بھی اس عورت کی تصدیق کی، اس بنا پر امام صاحب نے اس کا نکاح اپنے گاؤں میں کسی آدمی سے کردیا نکاح ہوجانے کے کچھ دن بعد سراغ چلا ہے کہ اس عورت کا پہلا خاوند ابھی زندہ ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس امام مسجد پر شرعاً کوئی تعزیر ہے یا نہیں؟ امامِ مذکور بہت نیک اور دیانت دار آدمی ہے، اس سے قبل کوئی ایسا معاملہ اس سے وقوع میں نہیں آیا۔ بینوا توجروا۔

سائلین: مسلمانان خونی چک ضلع گجرات ۲۷-۸-۵۴

(بوساطت مولانا ابوالبیان غلام علی صاحب اوکاڑہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

نکاح خواں تو صرف نکاح خواں ہی ہے، ایسی خبر کی بنا پر خود عورت بھی نکاح

کر سکتی ہے، عمر بھر کے لئے دوسرے خاوند کی بیوی بن سکتی ہے اور ایسے ہی مرد خاوند بن سکتا ہے، زندگی بھر زن و شوئی کے فرائض انجام دے سکتا ہے، پھر جہاں کہ تین مخبر ہیں اور شرعًا صرف ایک کی خبر پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے اگرچہ عادل بھی نہ ہو۔ عقود الدریہ ج ۱ ص ۵۵ میں ہے "و ذکر فی العیون اذا اخبرت المرأۃ بموت زوجہا او ردتہ او بتطلیقہ ایاہا حل لہا التزوج اھ ومثلہ فی جامع الفصولین و البزازیۃ والجوہرۃ و البحر۔ شامی ج ۲ ص ۷۴۸ میں (قولہ بدثقۃ) ھذا غیر قید کما فی الولوالجیۃ و فی جامع الفصولین اخبرھا واحد بموت زوجہا او بردتہ او بتطلیقہا حل لہا التزوج۔ درمختار میں فرمایا لو قالت امرأۃ لرجل طلقنی زوجی وانقضت عدتی لا بأس ان ینکحہا۔ شامی علیہ الرحمۃ نے اس پر فرمایا فی الخانیۃ قالت ارتد زوجی بعد النکاح وسعہ ان یعتمد علی خبرھا و تزوجہا بلکہ صرف اقدام علی النکاح کو بھی ہمارے مشائخ عظام نے حکمًا اقرار قرار دیا ہے۔ شامی ج ۲ ص ۸۴۸، والاقدام علی النکاح اقرار بمضی العدۃ۔ تو ثابت ہوا کہ صرف سراغ نہیں بلکہ اس کا پہلا خاوند خود آجائے اور صدہا گواہوں سے اس کا خاوند ہونا ثابت بھی ہو جائے تب بھی اس امام مسجد پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کہ اس نے تین مجرموں کی خبر پر اعتماد کرتے ہوئے اعتقاد کیا ہے اور ان کے جھوٹ یا جس نے انہیں جھوٹی خبر دی ہے، اس کا بوجھ شرعًا صرف جھوٹوں پر ہی ہے قرآنِ کریم کا ارشاد ہے علیہا ما اکتسبت۔ ولا تزر وازرۃ

؎ کہ ایسی خبر ایک شخص سے سن کر دل مان جائے تو شہادت بھی دے سکتا ہے چہ جائیکہ خبر یا تصدیق خبر [illegible] عبارت جامع الفصولین مذکورہ کا تتمہ ہے ولو سمع من ھذا الرجل اخر لہ ان یشھد لانہ من باب الدین فیثبت بخبر الواحد ۱۲ منہ غفرلہ

وذر اخرى. وان یك کاذبا فعلیه کذبه. بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۱۲ میں ہے وحمل امور المسلمین علی الصلاح والسداد واجب ما امکن اور قرآن کریم نے تاکیداً فرمایا ان بعض الظن اثم، تو ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی مانند نمایاں ہوا کہ تعزیر تو بہت بڑی چیز ہے اس امام مسجد پر نری بدگمانی بھی حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

عفی عنہ المفتی ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۸ ذی الحجۃ المبارکہ ۷۳ھ

باب نکاح المعتدات والحوامل

باب نکاح المعتدات والحوامل

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ کا خاوند بتاریخ ۸/۵/۲۴ کو فوت ہوا اور بتاریخ ۱۱/۵/۶ کو اس کا نکاح کیا گیا، حالانکہ اس نے کوئی بچہ نہیں جنا بلکہ حمل ہی نہیں تھا تو کیا اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل : علاول از جمال کوٹ ٹھکر کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہے اس کا حکم بعد از مجامعت (چنانچہ سائل نے زبانی بیان کیا) یہ ہے کہ مرد یا عورت

صرف زبان سے کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دیا اس نکاح کو یا فلاں مرد کو اور تین حیض اس کے بعد گزر جائیں تو نکاح ہو سکتا ہے علی ما فی الشامی عن البحر حیث قال ج ۲ ص ۳۸۴ اما فی الدیانۃ لو علمت انہا حاضت بعد اٰخر وطی ثلاثا حل لہا التزوج بحرالرائق بہیس ہ اور اگر نکاح فاسد میں مرد یا عورت الگ نہ ہوں تو اہلِ اسلام پر لازم کہ الگ الگ کر دیں ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ ربیع الاول ۶۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا خاوند ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۶ء مطابق ۲۷ ذالقعدہ ۱۳۶۵ھ کو فوت ہو جاتا ہے ۔ ہندہ مذکورہ مؤرخہ ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء مطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ کو (یعنی بحساب قمری ۴ ماہ ۲ دن اور بحساب شمسی ۴ ماہ ۱ دن بعد) نکاح ثانی کر لیتی ہے ، آیا یہ نکاح از روئے شرع شریف درست اور جائز ہے ؟ قرآن مجید اور معتبر کتب کا حوالہ دیکر فتوے دیا جائے ، اگر از روئے شرع شریف نکاح جائز نہیں تو نکاح خواں کے متعلق بھی فیصلہ دیا جائے ۔ بینوا توجروا ۔

سائل ، عاشق محمد برادر ہندہ مذکورہ

الجواب

اللّٰهم اجعل لي النور والصواب

سائل مظہر کہ ہندہ کو حمل نہیں تھا تو عدت چار ماہ اور دس دن تھی، حضرت رب العالمین قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتا ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا اور یہی حکم احادیثِ شریفہ اور کتبِ فقہیہ میں واضح طور پر مبین ہے تو یہ نکاح عدت میں ہوا یعنی سائل کے حساب سے چھ دن انصرامِ عدت سے پہلے ہوا اور عند التحقیق ممکن کہ بقیہ ایام بجائے ۶ کے سات یا آٹھ یا نو یا دس ہوں کہ یہ وفات اول ماہ میں نہیں بلکہ اثناءِ ماہ میں ہے اور جب اثناءِ ماہ میں وفات ہو تو چار ماہ دس دن بحساب ایام معتبر ہوتے ہیں یعنی ایک سو تیس دن تو اگر ماہہائے مذکورہ فی السوال کل یا بعض انتیس دن کے ہوں تو اسی حساب سے بقیہ ایام میں اضافہ ہوگا۔ شامی ج ۲ ص ۸۲۹، فتاویٰ ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے

والنظم من الهندية: وفي الوفاة يعتبر مائة وثلاثون يوما كذا في المحيط اور جب عدت میں ہوا تو صحیح اور درست نہیں ہو سکتا کہ حضرت رب العالمین نے دورانِ عدت میں نکاح سے منع فرمادیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله اور درحقیقت عدۃ کا تقاضا یہی ہے، اور کتبِ مذہبِ مہذب میں عدۃ کو محرماتِ نکاح میں شمار فرمایا ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ، میں ہے لا يجوز للرجل ان يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة كذا في السراج الوهاج اور نکاح خواں نے اگر بقائے عدت کو جانتے ہوئے

نکاح کیا ہے تو اس کے متعلق نئے فیصلے کی ضرورت نہیں بلکہ قرآن کریم کی صریح خلاف ورزی کرنے والوں میں شمار ہوگا اور ان کے فیصلہ میں شریک ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مہتمم دارالعلوم ہذا اغفر اللہ من فی زبہ من البلی والخفی

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ نشاں بی بی دختر امام شاہ بیر کو کارا ساکن بھرت گڑھ کی شادی محمد امیر ولد حیدر شاہ بیر کو کارا ساکن ہنال مہار سے ہوئی تھی، چند سال گزرنے کے بعد محمد امیر مذکور بقضائے الٰہی بوہ بتاریخ ۲۸ مطابق جنوری ۱۹۵۲ / ۱۲ کو فوت ہو گیا ہے اور محمد امیر مذکور کا بڑا بھائی بنام محمد علی نے چیت کی ۲ تاریخ کو بمطابق مارچ ۱۳ / ۱۹۵۲ کو محمد امیر کی زوجہ بیوہ نشاں بی بی کو حمل نہیں تھا، ان کا رواجی نکاح یعنی چادل پھینک کر کر لیا ہے اور نشاں بی بی نکاح ہذا میں راضی نہیں ہے، کیا یہ شرعاً یہ نکاح صحیح اور درست ہے یا نہیں؟ جواب آیاتِ قرآنی سے دیں، اجر ملے گا۔

سائل: حقیر بندہ محمد علی امام مسجد بھرت گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح نکاح نہیں، بالکل لغو اور باطل ہے، حسبِ ارشاد قرآنِ کریم بیوہ غیر حاملہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اس مدت میں تو صراحۃً نکاح کا پیغام دینا بھی جائز نہیں یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر و عشرا۔ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرح متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت کا نکاح ایک مرد کے ساتھ ہوا اور چھ ماہ تک اس کے پاس بطور بیوی بستی رہی پھر ایک شخص اغوا کر لے گیا اور نو سال اس کے پاس رہی اور دو تین بچے بھی پیدا ہوگئے اور اب اس نکاح والے مرد نے طلاق دی اور بعد از طلاق جلدی ہی آئندہ شب میں نکاح کر لیا ایک پیر صاحب کے کہنے اور زور دینے سے تو کیا یہ نکاح جائز ہوگیا یا نہ؟ اگر جائز نہیں تو نکاح خواں اور گواہوں کے نکاحوں کا کیا حکم ہے جبکہ وہ بیچارے دھوکا میں آگئے ہیں اور ارادۃً انہوں نے یہ کار بد نہیں کیا۔

بینوا توجروا۔

سائل: مولوی ولی محمد صاحب امام مسجد موضع ادھو پاڑی

تحصیل دیپالپور ۱۹ ر جمادی الاخریٰ ۳۰ھ

نوٹ :۔ عورت مذکورہ بوقت طلاق غیر حاملہ تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مذکورہ مع نوٹ ٹھیک ہے تو یہ نکاح بالکل نہیں ہوا کہ عورتِ مدخول بہا پر عدت لازم ہے جو اس صورت میں تین حیض مکمل ہیں، قرآنِ کریم میں ہے والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء، تو اب تین حیض پورے ہو جانے کے بعد نکاح ہو سکے گا اور اگر تین حیض پورے ہونے سے پہلے حمل ہو جائے تو وضع حمل کے بعد نکاح جائز ہوگا، قرآنِ کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے سواء کانت حاملا وقت وجوب العدۃ او حبلت بعد الوجوب کذا فی فتاوی قاضیخان اور نکاح خوان و گواہاں کے نکاح نہیں ٹوٹے کہ وہ بیچارے دھوکے میں آ گئے مگر توبہ و استغفار ضرور کریں کہ بے احتیاطی کیوں کی، ذرا ٹھہر جاتے اور علمائے کرام اہل السنت والجماعت سے باقاعدہ تسلی کر لیتے، ایسے جاہلوں اور گمراہوں سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۹ ر جمادی الاخریٰ ۳۰ھ بوقت عصر

فتاویٰ نوریہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بمعاوضہ مال اپنی عورتِ مدخول بہا جوان غیر حامل کو طلاق دی۔ عورت نے صرف ایک ماہ سات دن گزار کر عمرو کے ساتھ نکاح کرلیا، کسی مفتی بننے والے نے لکھ دیا کہ یہ خلع ہے صرف ایک حیض ہی کافی ہے اور حدیثِ ربیع بنت معاذ کا اجمالاً حوالہ دیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟ بینوا ماجورین من رب العلمین۔

السائل: غلام یٰسین عفی عنہ چک ۲۲۳، ۱۸ر شوال المکرم ۱۳۷۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

نکاحِ مذکور درست نہیں کہ عدت کے اندر واقع ہوا، شرعاً ایسی مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء، رہا مولوی مدعی منصبِ افتاء کا دعویٰ خلع اور اس کے لئے صرف ایک حیض پر اکتفاء تو اولاً یہ صورت خلع کی نہیں کہ اس میں لفظِ خلع شرط ہے کما صرح به العلماء الاعلام والائمۃ الکرام بلکہ طلاق بالمال ہے اور ثانیاً اگر بالفرض خلع بن بھی جائے تو وہ بھی طلاق ہی ہے کما صرح به سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حسب روایت سید المحدثین البخاری فی صحیحہ اور عدت

طلاق قرآن کریم نے بیان فرمادی جو حامل جوان کے حق حیض ثلاثہ ہے اور حدیث محولہ بالا خبر واحد ہے، قرآن کریم کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ وہ بھی قرآن کریم کے موافق احتمال رکھتی ہے یعنی حیضۃ کی تا، تائے وحدت نہ مانی جائے اور تاء جنسیت قرار دی جائے تو موافق قرآن کریم ہو جائے گی حالانکہ توفیق ضروری ہے، اگر نہ ہو سکے تو معارضہ وغیرہ کی نوبت آتی ہے تو یہ احتمال متعین ہوا لہذا اکثر اہل علم صحابہ وغیرہم کا یہی مذہب ہے کما صرح بہ الترمذی فی سننہ، فتاوی عالمگیری میں ہے وحکمہ وقوع الطلاق البائن۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۸ر شوال المکرم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عرصہ ۳ سال اس کو اس کے خاوند نے طلاق دیدی ہے بعدہ اس کے وارثوں سے پوچھا گیا ہے کہ اس کو تین حیض آئے ہیں یا نہیں؟ (اس لئے کہ وہ حاملہ نہیں تھی) انہوں نے کہا تین حیض آگئے ہیں اور وہ عورت بدمعاش ہے اور دو ماہ کے بعد استفسار کے بعد اس کا نکاح پڑھا گیا ہے کہ اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ جواب دیں، ثواب پائیں۔

السائل: علم الدین ولد حاجی غلام فرید قوم رنگریز منڈی سٹیشن وساوے والا
ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہمارے امام عالی مقام امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک دو ماہ اقل مدت عدت بحیض ثلاثہ ہے، درالمختار طبع مع الشامی ج ۲ ص ۸۴۰ میں ہے واقل مدۃ عدۃ عندہ بحیض شہران، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱۱ میں ہے لا تصدق فی اقل من ستین یوما الخ اور جب دو ماہ کے بعد ورثاء کہتے ہیں کہ تین حیض آگئے ہیں اور عورت نے نکاح کرلیا ہے تو یہ نکاح بلا شبہ جائز ہے، درالمختار ج ۲ ص ۸۴۰ میں ہے ان اقدامہا علی التزوج دلیل الحل۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۰ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ جنت دختر صادق محمد کو مورخہ ۳۱/۸/۵۸ کو طلاق حاصل ہوئی جس سے مورخہ ۲۹/۱۱/۵۸ کو جان محمد ولد صوبہ امام مسجد پاکپتن نے نکاح کرلیا، مسماۃ جنت کو اس کے حقیقی چچا مولوی اللہ بخش ولد اللہ دین نے نکاح پڑھایا اور جان محمد کو مولوی سید محمد ولد سردار محمد نے نکاح پڑھایا

جان محمد بیان کرتا ہے کہ اس کو آج سے زائد از ایک ماہ قبل معلوم ہوا کہ مسماۃ جنت اس کی منکوحہ بیوی کو حمل ہے مگر مؤرخہ ۳/۹/۵۹ کو اس کا لڑکا بھی پیدا ہو چکا ہے اور مؤرخہ ۲۰/۳/۵۹ سے ایک ماہ تیرہ دن قبل تک یعنی کہ بچہ پیدا ہونے سے ایک ماہ قبل تک وہ مسماۃ جنت سے مباشرت بھی کرتا رہا ہے، اس سے قبل اس کو شبہ پڑتا تھا کہ مسماۃ جنت کا پیٹ کیوں بڑھا ہوا ہے اور مسماۃ جنت سے اس کی وجہ دریافت کی، وہ کہتی تھی کہ اس کو تپ طلا ہے، بچہ پیدا ہونے کی تاریخ سے قبل مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ جنت حاملہ ہے کہ اس کے پیٹ سے بچہ ہلتا جلتا معلوم ہوا، میں نے اس کو کہا کہ یہ تو بچہ ہے، تم مجھے پہلے کیوں جھوٹ بولتی رہی ہو؟ مسماۃ جنت نے جواب دیا کہ پہلے اگر سچ بتا دیتی تو تم مجھ سے نکاح نہ کرتے۔ جب سے مجھے اس حمل کا علم ہوا میں نے مسماۃ جنت سے قطع تعلق ہر قسم کر لیا یعنی کہ اس کے ہاتھ کا روٹی یا پانی نہیں کھایا پیا مگر مسماۃ جنت رہی میرے گھر میں ہی ہے اور اب تک اسی گھر موجود ہے۔

مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اب مسماۃ جنت کو بطور جائز بیوی رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

مستفتی: جان محمد بقلم خود از پاکپتن شریف ۲۰/۳/۵۹ بروز جمعۃ المبارک

میرے روبرو جان محمد نے تحریر لکھائی ہے۔ سید الطاف حسین شاہ بقلم خود۔

فیض محمد بقلم خود ، عبد المجید بقلم خود

ہم اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ مولوی جان محمد بہت سیدھا سادھا آدمی ہے جو دھوکہ میں آسکتا ہے۔ فیض محمد بقلم خود ، عبد المجید بقلم خود ،

سید الطاف حسین بقلم خود

نیز سائل نے زبانی بیان کیا کہ جب حمل کا علم ہوا تو میں نے عورت کو گھر سے

نکالنا چاہا مگر عورت نے مجھے ڈرایا کہ تمہارے خلاف کچہریوں میں بیان دوں گی
کہ اسی کا حمل ہے اور تو ذلیل ہوگا لہذا میں ڈر کے مارے چپ رہا مگر علم کے بعد نزدیکی
دیگرہ نہیں کی نیز سائل یہ بھی کہتا ہے کہ بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ تم اس عورت کے
ساتھ اب جائز نکاح نہیں کر سکتے" مگر پہلے گھر سے نکال دو اور عورت اپنے چچا یا بہنوئی
کے گھر چلی جائے بعدازاں تمہیں اور ان کو سزا لگائی جائیگی پھر نکاح کر دیں گے اور
صدقِ دل سے سائل و عورت تائب ہو کر نکاح کرنا چاہتے ہیں۔

العبد سائل: جان محمد بقلم خود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

مساۃ جنت اور ہر اس شخص نے جس کو حمل کا علم تھا اور نکاح میں کوشاں یا گواہ و
حاضر ہوا، بڑے سنگین جرموں کا ارتکاب کیا، وہ سب مستوجب غضبِ جبار و قہار اور
مستحق عذابِ نار بنے اور اگر حلال بھی جانا تو اسلام سے خارج ہوئے اور کافر و
بے ایمان بن گئے، دونوں صورتوں میں شرعاً مستحقِ سزا ہیں اور ان پہ لازم کہ صدقِ
دل سے توبہ کریں اور صدقِ دل سے توبہ ہر گناہ اور کفر و شرک سے شرعاً مقبول
ہے قرآنِ کریم میں ہے انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوٓ
بجھالۃ الآیۃ اور سزا لگانے سے پہلے بھی مقبول ہے، قرآنِ کریم میں ہے الا
الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم فاعلموا ان اللہ
غفور رحیم نیز قرآنِ کریم میں ہے فان تابا واصلحا فاعرضوا
عنھما ان اللہ کان توابا رحیما اور سائل اور عورت کا تائب ہونا اپنے

فرض کی ادائیگی ہے، ضرور تائب ہوں اور توبہ بھی ظاہر کریں اور بعد از توبہ بلا کسی شک و شبہ کے نکاح ہو سکتا ہے، قرآنِ کریم میں ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء، نیز قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور یونہی احادیثِ پاک اور مذہبِ مہذبِ حنفیہ سے صراحۃً صاف صاف جواز ثابت ہے بلکہ زانیہ تک کا جوازِ نکاح منصوص ہے، فتاوئے عالمگیر ج ۲ ص ۶ وغیرہا میں ہے وقال ابو حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالٰی یجوزان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا نیز اسی میں ہے اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بہا وظہر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل نیز ج ۲ ص ۸ میں ہے واذا رأی امرأۃ تزنی فتزوجہا حل وطئہا تو ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی طرح واضح و ہویدا ہوا کہ مساۃ جنت کا نکاحِ جدید مسمی جان محمد سے صورتِ مذکورہ میں یقیناً ہو سکتا ہے اور بلا شبہ جائز ہے، جو نکاح ناجائز بتائے وہ کوئی آیت یا حدیث یا جزئیہ فقہیہ دکھلائے وانّٰی لہ ذٰلک ہاں گنہگاروں کو حسبِ قواعدِ شریعتِ پاک طاقت کے مطابق سزا دی جائے اور توبہ کرائی جائے مگر یہ نہیں کہ اگر گنہگار خود بخود اپنی رضا و رغبت سے توبہ اور کوئی جائز کام شریعت کی اجازت کے مطابق کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائے اور ناجائز بتایا جائے، ہمیں تو تعاونوا علی البر والتقوٰی کا حکم دیا گیا ہے کہ نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کا تعاون کرو۔ توبہ و نکاح بھی نیکی اور پرہیزگاری کا سبب ہیں اور مستحقِ تعاون ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ رمضان المبارک ۷۸ھ / ۵۹/۳/۲۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ ایک عورت جوان مدخولہا غیر حامل کو تین طلاقیں دی گئیں، وہ کہتی ہے کہ مجھے ایک حیض آیا اور اس کے بعد غیر مطلق حامل ہوا اور وقوعِ طلاق سے تین ماہ گزرنے پر عدت کا پورا ہونا سمجھ کر غیر مطلق مذکورہ کے ساتھ نکاح کیا گیا وضعِ حمل سے پہلے، آیا یہ نکاح درست ہے؟ بینوا اماجورین۔

المستفتی: غلام محمد بصیر پوری عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب

نکاح مذکور غیر صحیح ہے کہ مطلقہ مذکورہ کی عدت اولاً تین حیض تھی کہ قرآن کریم میں فرمان عظیم ہے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء اور تین ماہ گزرنے سے مطلقہ جوان حائضہ کی عدت تین حیضوں کے سوا ہرگز ہرگز پوری نہیں ہوسکتی، یہ جہلائے زمانہ کا محض خیالِ خام ہے اور تین ماہ میں حیضِ ثلاثہ کا پایا جانا گو ممکن مگر یہ نہیں کہ یقیناً پائے جاتے ہیں کہ اکثر طہر کی مدت غیر معین ہے اور جب ایک حیض کے بعد اسے حمل ہوا تو اس کی عدت وضعِ حمل ہوگئی۔ شامی ج۲ص۸۳۹، فتاوے عالمگیر ج۲ص۱۳۵ والنظم منہا وعدۃ الحامل ان تضع حملہا کذا فی الکافی سواء کانت حاملا وقت وجوب العدۃ او حبلت بعد الوجوب کذا فی فتاوی قاضیخان۔ بحرالرائق ج۴

ص ۱۴۲ میں ہے وان حبلت معتدۃ عن ثلاث فعدتہا بالوضع
قرآنِ کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن توجب وضع
حمل سے پہلے نکاح کیا گیا تو یہ نکاح یقیناً عدت میں واقع ہوا اور جو نکاح عدت کے اندر ہو
وہ نکاح صحیح ہرگز نہیں ہو سکتا کہ عدت بھی محرمات سے ہے بلکہ فاسد ہوتا ہے، درالمختار
مطبوع مع الشامی ج ۲ ص ۳۸۰، بحرالرائق ج ۳ ص ۹۲، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۷
والنظم منہا لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا
المعتدۃ کذا فی السراج الوہاج، قرآنِ کریم میں ہے ولا تعزموا عقدۃ
النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ، شامی ج ۲ ص ۴۸۲، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۶۹
وغیرہ میں ہے والنظم من البحر والمراد بالنکاح الفاسد النکاح
الذی لم تجتمع شرائط کتزوج الاختین معا والنکاح بغیر شہود
ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت ونکاح المعتدۃ والخامسۃ
فی عدۃ الرابعۃ والامۃ علی الحرۃ اور نکاحِ فاسد کا حکم یہ ہے کہ اس کا فسخ
نہایت ضروری ہے کہ گناہ سے بچیں، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۶۹، درالمختار شامی ج ۲ ص ۴۰۳
عالمگیری ج ۲ ص ۳۵ والنظم منہا اذا وقع النکاح فاسدا فرق القاضی
بین الزوج والمرأۃ، شامی میں ہے ای ان لم یتفرقا عورت مرد دونوں
میں سے جو چاہے اس نکاح کو فسخ کر سکتا ہے، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۳۵، فتح القدیر
مصری ج ۳ ص ۲۴۵، درالمختار ردالمحتار ج ۲ ص ۴۸۳، بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲ میں ہے
والنظم للزین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولکل واحد من الزوجین
فسخ ھذا النکاح، قبل دخول مطلقاً اتفاقاً اختیارِ فسخ ہے اور بعد از دخول بھی
اصح یہی ہے کہ مطلقاً اختیار ہے کہ عورت مرد جو چاہے تنہا یا دوسرے کے رُو برو
اس نکاحِ فاسد کو فسخ کرے۔

بحرالرائق میں ہے بغیر محضر من صاحبہ عند بعض المشائخ وعند بعضهم ان لم يدخل بها فكذلك وان دخل بها فليس لواحد منهما حق الفسخ الا بمحضر من صاحبه الخ هكذا في الخلاصة وهذا يدل ان للمرأة فسخه بمحضر الزوج اتفاقا ولا شك ان الفسخ متاركة الا ان يفرق بينهما وهو بعيد والله سبحانه وتعالىٰ اعلم۔

درالمختار میں ہے ولو بغير محضر من صاحبه دخل بها او لا في الاصح خروجا عن المعصية، شامی میں ہے وقيل بعد الدخول ليس لاحدهما فسخه الا بمحضر الآخر كما في النهر وغيره اور ایسے ہی فتح القدیر کے ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے۔ والتعبير بقيل يفيد الضعف كما هو منصوص في كتب القوم۔ ہاں جو فسخ کرے دوسرے کو جتنا دے کہ دوسرے کا علم شرطِ صحت ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۵ و بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲ میں ہے والنظم من البحر واما علم غير المتارك بالمتاركة نقل في القنية قولين صحيحين الاول انه شرط لصحة المتاركة هو الصحيح حتى لو لم يعلمها لا تنقضي عدتها ثانيهما ان علم المرأة في المتاركة ليس بشرط في الاصح كما في الصحيح الخ ولا فرق بين المتاركة والفسخ۔ شامی جلد ثانی ص ۴۸۴ میں ہے فالحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسي في شرح نظم الكنز۔ نیز شامی ج ۲ ص ۴۸۰ میں ہے قال في البحر ورجحنا في باب المهر انها تكون من المرأة ايضا ولذا ذكر مسكين من صورها ان تقول فارقتك اھ ورجحه باتفاقهم على ان لكل منهما فسخ

هٰذا النکاح والفسخ متارکۃ الخ بعد از فسخ عدت پوری کر کے زوج اول کے
سوا جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے یہ جبکہ نکاحِ مذکور میں دخول ہوا ہو اور اگر نہیں
تو عدت بھی نہیں، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۵ وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے فان
لم یکن دخل بہا فلا مہر لہا ولا عدۃ وان کان قد دخل بہا
فلہا الاقل مما سمی لہا ومن مہر مثلہا ان کان ثمہ مسمی
وان لم یکن ثمہ مسمی فلہا مہر المثل بالغا ما بلغ
وتجب العدۃ اور زوج اول سے اس لئے نکاح نہیں کر سکتی کہ اس کی مطلقہ
مغلظہ ہے جب تک نکاح صحیح سے دخول متحقق نہ ہو، اس پر حلال نہیں ہو سکتی کما
فی اسفار الفقہ بل القرآن الکریم واحادیث الرؤف الرحیم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم اور حکم فساد نکاح جب ہے کہ اسے عدم انصرامِ عدت کا علم
نہ ہو اور اگر ہو تو یہ نکاح محض باطل ہے، تفریق و فسخ کے بغیر ہی نکاح کر سکتی ہے
بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۴، شامی ج ۲ ص ۴۸۲ میں ہے اما نکاح منکوحۃ الغیر
ومعتدتہ فالدخول فیہ لا یوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ
لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا وفی فتح القدیر ج ۵ ص ۴۰ فی
الکافی لحافظ الدین منکوحۃ الغیر ومعتدتہ ومطلقۃ الثلاث
بعد التزوج کالمحرم انتہی، ویحرر انہ اذا کان عالما بعدم انصرام
حیض ثلاث واعتقد ان العدۃ تمت بمضی ثلاثۃ اشہر
خصوصا اذا افتاہ بہٰذا من اعتقدہ عالما من الجہلۃ ہل یعد
الناکح عالما بعدم مضی العدۃ باعتبار علمہ بعدم وجود الحیض
الثلاث ام غیر عالم لاعتقادہ ان العدۃ ثلاثۃ اشہر وہل یعتبر
ھٰذا الجہل مخالفا للقرآن والاحادیث وجمیع الائمۃ فی

دار الاسلام ولیحرر ایضاً ان حکم المرأۃ فی ھٰذا ماذا او الظاھر ان لھا حکم الرجل فی الاٰخر واما العدۃ فحق الرجل فلیحفظ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں بعدازاں عدت گزرنے سے پہلے وہ عورت کسی ناجائز طریقہ سے حاملہ ہوگئی۔ اب اس کا نکاح وضع حمل سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

السائل: محمد سبحان از سوجیکے ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہ وریب وضع حمل سے پہلے نکاح کسی صورت میں نہیں ہوسکتا۔ مولیٰ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (ترجمہ) حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ اپنے حملوں کو جن لیں۔ فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۵، فتاوے قاضیخان ج ۲ ص ۲۶۳،

خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۱۱۸، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۰، در المختار و شامی ج ۲ ص ۸۰۰، بحر ج ۴ ص ۱۴۲ میں ہے والنظم من البحر وان حبلت معتدۃ من الثلاث فعدتها بالوضع یعنی اگر تین طلاقوں سے معتدہ حاملہ ہو جائے تو اس کی عدت وضع حمل ہے تو روزِ روشن کی طرح ثابت ہوا کہ وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح ہرگز ہرگز جائز نہیں ہے، جو شخص جائز بتائے تو وہ قرآنِ کریم کے خلاف چلنے والا ہے، سن چکے کہ قرآنِ کریم نے صاف فیصلہ کر دیا کہ عدت والیوں کو حمل ہو تو عدت وضع حمل ہے، اب قرآنِ کریم کا حکم کسی کی غلط اٹکلوں سے نہیں بدل سکتا، جاہل لوگ حمل من زنا کے مسئلہ سے دھوکے میں پڑ جاتے ہیں حالانکہ وہ حکم غیر معتدہ کا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ پانچ چھ سال اپنے والدین کے گھر جدا از خاوند خود رہی اور اس ہندہ کو ایک شخص اغوا کر کے لے گیا، بعرصہ ایک سال حرام خوری و مقدمہ بازی رہے، سال کے بعد مغویہ کو وہ کر خاوند طلاق دے اور مغویہ حاملہ بوجہ حرام خوری یا اصل خاوند کے ہو گیا عدت وضع حمل سے پہلے خاوند ثانی سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں اور اگر کسی نے نکاح کیا تو نکاح کیا

نکاح خواں اور گواہوں کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل : غلام حسین خادم الفقرا، چک نمبر ۱۸/۱-آر
تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری
۸ ربیع الثانی ۶۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک و شبہ و ریب عورت مذکورہ وضع حمل سے پہلے قطعاً یقیناً کسی اور سے نکاح کی مجاز نہیں ہو سکتی کہ حضرتِ رب العالمین کا فرمان مبین قرآنِ کریم میں مصرح طور پر موجود ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن (ترجمہ) اور حمل والیوں کی عدت یہ ہے کہ اپنے حمل جنیں۔ مبسوط جلد ثالث ص ۱۵، فتاویٰ سراجیہ ص ۴۴، فتاوے قاضیخان ج ۲ ص ۲۶۳، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۱، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۳۳ میں ہے والنظم من الدرو فی حق الحامل مطلقا ولو امۃ اوکتابیۃ اومن زنی (الی ان قال) وضع جمیع حملھا ائمہ عظام نے یہاں تک تشریح فرمائی کہ اگر بعد از طلاق بھی حمل ہو جائے یا قبل از نکاح حمل از زنا ہو تب بھی عدت وضع حمل ہی ہو گی بموجب ارشاد قرآنِ کریم، در المختار شامی ج ۲ ص ۸۳۱، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۰، خلاصۃ الفتاوے ج ۲ ص ۱۱۸، فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۶۳، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۲ والنظم من البحر وان حبلت معتدۃ عن ثلاث فعدتھا بالوضع۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۳۵، شامی ج ۲ ص ۸۳۱، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۱۳۵ والنظم من

الهندية سواء كان الحمل ثابت النسب ام لا و يتصور ذلك فيمن تزوج حاملا بالزنا كذا فی السراج الوهاج۔ نور روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ عورت مذکورہ صورتِ مسئولہ میں قطعاً نکاح نہیں کر سکتی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ ربیع الثانی ۶۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں' میری لڑکی مطلقہ حاملہ کا نکاح ثانی وضع حمل سے پہلے دھوکہ فریب سے کر دیا گیا ہے، از روئے شرع شریف اس کے جواز وعدم جواز کے متعلق روشنی ڈالیں اور ایسے نکاح کرنے والوں اور شریک ہونے والوں کا حکم بھی بیان فرماویں۔ بینوا توجروا۔

السائل: حلیم قوم شیخ از کندووال کلاں تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

حمل والی مطلقہ کا نکاح وضع حمل سے پہلے نہیں ہو سکتا کہ اس کی عدت ہے ہی

دفع حمل قرآنِ کریم میں ہے واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔ فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۳۵ میں ہے عدۃ الحامل ان تضع حملھا لہٰذا دیدہ دانستہ ایسا نکاح کرنے والے اور شرکاءِ مجلس سب گنہگار اور بدکار مستحقِ عذابِ نار ہیں، ان پر لازم کہ فوراً توبہ کریں اور اس عورت اور مرد کو علیحدہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک عورت کو یونین کونسل کی وساطت سے طلاقیں دی گئیں، بعد ازاں اس کے نکاح کی تجویز ہوئی تو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ آیا عدت گزر چکی ہے؟ تو ورثاء نے کہا کہ عدت گزر چکی ہے اور یونین کونسل کا تحریری اجازت نامہ بھی پیش کیا تو نکاح خواں نے نکاح پڑھا دیا مگر دوسرے دن ظاہر ہوا کہ عورت کو طلاق کے بعد صرف دو حیض آئے ہیں، پھر زنا کا حمل ہو گیا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس نکاح خواں اور گواہان کا کیا حکم ہے جبکہ وہ محض غلط فہمی بلکہ ورثاء کے غلط بیان سے دھوکہ میں آ کر نکاح پڑھایا ہے کہ وہ سب لوگ ایمان اور اسلام سے خارج ہو گئے اور ان کے نکاح ٹوٹ گئے ہیں یا نہیں؟

السائل: غلام محمد عفی عنہ امام مسجد منڈی ہیرا سنگھ مسجد تھانے والی ضلع منٹگمری ۲۲/۵/۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے کہ غلط فہمی اور دھوکہ سے نکاح خواں اور گواہاں یہ سمجھ گئے کہ عدت پوری ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں نکاح کرنا یا گواہ بننا موجبِ کفر و ارتداد نہیں اور نہ ہی کسی کا نکاح فاسد کرتا ہے کہ انسان غلطی اور بھول کا پُتلا ہے ہاں اگر دیدہ دانستہ جانتے ہوئے کہ عدت ختم نہیں ہوئی، نکاح کر دیں تو یہ بڑا سنگین جرم ہوگا اور اگر عدت کے اندر نکاح کرنا حلال جانتے ہوئے کر دیں تو پھر ایمان و اسلام سے خارج اور سب کے نکاح فاسد ہو جائیں گے کہ حرام کو حلال جاننا کفر ہے جبکہ حرمت قطعیہ ہو۔ امامِ اہل السنت والجماعت مجددِ مأۃِ حاضرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الملفوظ کے ج ا ص ۴۲ میں ارشادِ پاک ہے "جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا، اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زنا کا دلال ہوا مگر اس سے اس کا اپنا نکاح نہ گیا اور اگر عدت میں نکاح حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔"

بہر حال یہ مسئلہ آفتاب و ماہتاب سے بھی زیادہ واضح ہے کہ اگر صورتِ سوال صحیح ہے تو وہ لوگ حسبِ سابق ایماندار اور مسلمان اور اپنے نکاحوں پر قائم ہیں اور کسی اس قسم کے طعن و تشنیع کے قابل نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ اس قسم کی دھوکہ بازی عام ہو رہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲/۵/۶۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا خاوند فوت ہو چکا ہے جس کو چار سال تقریباً ہو چکے ہیں، اب ہندہ مذکورہ زنا میں مبتلا ہو گئی اور زنا سے حمل ہو گیا، ابھی حمل وضع نہیں ہوا تھا کہ ہندہ کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ ہو گیا ہے، چند روز کے بعد وہی زانی اس زانیہ عورت کو لے گیا، اب نکاح جو حمل کے اندر ہو چکا ہے، یہ نکاح شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وہ زانی بغیر طلاق عدت نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: عبد الواحد بمقام موملاں، ۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

سائل زبانی مظہر کہ انقضائے عدت وفات کے بعد ہندہ کا حمل زنا ہوتے ہوئے نکاح ہوا، شریعت غراء کے رو سے ایسے حمل کی صورت میں نکاح صحیح ہو جاتا ہے گو غیر زانی قربت وضع حمل تک نہیں کر سکتا، جب نکاح صحیح ہو گیا تو منکوحہ کا نکاح ثانی قیام نکاح تک نہیں ہو سکتا۔ بدائع الصنائع، فتاوے عالمگیر، در المختار شامی وغیرہ اسفار مذہب مہذب میں ہے والنظم من الدر وصح نکاح حبلیٰ من زنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ

و بارك و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ رجب المرجب ۶۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک بیوہ جس کی عدت عرصہ سے گزر چکی اور اب اس کو زنا کا حمل ہو گیا ہے تو کیا اس زانی کے ساتھ جس کے زنا سے حمل ہوا ہے، نکاح جائز ہے یا کہ نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: قطبا ولد احمد الدین قوم شاری سکنہ ہر بیکے ڈاکخانہ حویلی ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

یہ نکاح ہمارے ائمۂ کرام کے اتفاق سے شرعاً جائز ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ، فی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل، قرآن کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ
۶ صفر المظفر

الاستفتاء

کیا علمائے کرام فرماتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق اور کیا فتوے دیتے ہیں، ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور دو سال تک منکوحہ عورت اس کے گھر میں آباد رہی، بعدہ ان کی مخالفت پڑگئی اور اس شخص نے اپنی عورت کو مورخہ ۲۷ ذیقعدہ کو ایک طلاق بائن دے دی، اس عورت کی عدت بھی ختم ہوچکی ہے اور تین حیض بھی آچکے ہیں، اس کے بعد ایک اور شخص اس مطلقہ عورت سے زناکاری کرتا رہا، اس عورت کو اب حمل ہوگیا ہے اور جس شخص نے زناکاری کی ہے وہ اس عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، کیا اب وہ شخص اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا کہ نہیں کرسکتا؟ اب اس کا نکاح کرنا جائز ہے یا کہ جائز نہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جب مطلقہ کی عدت تین حیضوں سے پوری ہونے کے بعد حملِ زنا ہوا تو اس

عورت سے زانی کا نکاح ہمارے ائمہ عظام کے نزدیک بالاتفاق جائز و روا ہے
اور بعد از نکاح مجامعت بھی جائز ہے، فتاوےٰ ہندیہ مجیدیہ ج ۲ ص ۷، میں ہے
وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا
حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأھا عند الکل وتستحق
النفقة عند الکل کذا فی الذخیرة۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ
تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ رجب المرجب ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

قبلہ مولوی نور اللہ صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ ایک عورت طلاق شدہ جس کی عدت طلاق
پوری ہو چکی ہے اور اب اپنے ایک رشتہ دار کے ساتھ ناجائز تعلق سے حاملہ
تقریباً پانچ چھ ماہ کی ہے اور ایک مولوی صاحب نے اسی آدمی کے ساتھ نکاح
کر دیا ہے، اس کے متعلق آپ فیصلہ فرما دیں کہ جائز ہے یا کہ نہیں، فیصلہ تحریری
مع فتوے لکھیں، زیادہ آداب۔

خیر اندیش : غلام محمد خاں از نقشہ تحصیل پاکپتن شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی عدت پوری ہوچکی ہے اور حمل عدت پوری ہونے کے بعد ہوا تو نکاح جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوا بینھم بالمعروف فتاوٰے عالمگیری ج ۲ ص ۷ میں ہے وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل، فالنکاح جائز عند الکل مگر یہ تسلی کرلیں کہ واقعی حمل سے پہلے عدت پوری ہوچکی تھی اور یہ بھی سمجھ لیں کہ جوان عورت کی عدت یہ ہے کہ اگر بوقتِ طلاق حمل ہو یا طلاق کے بعد تین حیض پورے ہونے سے پہلے حمل ہوجائے تو بچہ پیدا ہونے سے عدت پوری ہوتی ہے اور اگر حمل نہ ہو تو بعد از طلاق تین حیض پورے ہونے سے عدت پوری ہوتی ہے کما فی القرآن الکریم وکتب المذھب المھذب۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ صفر المظفر ۷۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ عورت حاملہ

بالزنا کا نکاح کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کے علاوہ جو کہتا ہے کہ ایسا نکاح کرنیوالے کا نکاح فاسد ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اور جو اس مجلس میں حاضر ہوں ان کا نکاح بھی فاسد ہو جاتا ہے، کیا یہ واقع صادق ہے یا لائق سزا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

نکاح مذکور جائز ہے کہ حمل زنا غیر ثابت النسب ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں اور وہ عورت عموم احل لکم ما وراء ذلکم اور فانکحوا ما طاب لکم من النساء میں داخل ہے، ہمارے امام اعظم علیہ الرحمہ کا یہی مذہب ہے، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ ج ۳ ص ۲۴۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۹، در المختار ردالمحتار ج ۲ ص ۱۴۱، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۷، وغیرہا کتب مذہب مہذب میں ہے و النظم من الدر (و) صح نکاح (حبلی من زنا) البتہ اگر غیر زانی سے نکاح ہوا تو وضع حمل تک جماع نہیں کر سکتا کما فی کتب المذہب اور وہ شخص جو دعوی کرتا ہے کہ ایسا نکاح کرنے والے کا نکاح فاسد ہو جاتا ہے اور گواہوں کا اور حاضرین مجلس کا تو وہ شخص مفتری کذاب سراسر باطل پر ہے اور مستحق سزائے سخت ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے اس سخت ترین افتراء سے توبہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ والہ وصحبہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ بصیر پوری

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک کنواری عورت کا نکاح کیا گیا، بعد میں معلوم ہوا کہ اس کو زنا کا حمل ہے تو کیا وہ نکاح درست ہو گیا؟ بعض لوگ جو بے علم ہیں کہتے ہیں کہ وہ نکاح درست نہیں ہوا اور نکاح خواں اور گواہوں کے نکاح بھی ٹوٹ گئے، کیا ان کا قول درست ہے؟

السائل: محمد شریف از جلال کوٹ مورخہ ۲۴ ذلیقعدہ ۱۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وہ نکاح حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب مہذب میں بالکل درست ہے اگرچہ نکاح کے وقت بھی حمل زنا کا علم ہو۔ قرآن کریم کا فرمان ہے واحل لکم ما وراء ذلکم. فانکحوا ماطاب لکم، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ ج ۳ ص ۱۴۵، ۱۴۶، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۹، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۶، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۱۴۱. فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ، میں ہے والنظم من الھدایۃ فان تزوج حبلی من زنا جاز النکاح۔ البتہ اگر غیر زانی نکاح کرے وہ مجامعت و بوس و کنار سے بچہ پیدا ہونے تک پرہیز رکھے۔ اور یہیں سے واضح ہو گیا

کہ وہ لوگ جو نکاح کو درست نہیں کہتے غلطی پر ہیں اور نکاح خواں اور گواہوں کو تنگ کرنا شرعاً حرام ہے اور اس پر یہ کہنا کہ ان کے نکاح ٹوٹ گئے یہ سخت جرم ہے۔ ایسا کہنے والوں پر توبہ لازم ہے ومن ادعی الخلاف فعلیہ البیان بالبرھان والانصاف۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محمد الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و بزرگان دین اس مسئلہ کے بارہ میں، خالد کی ایک عورت سے محبت تھی، محبت کے دوران میں عورت مذکورہ کو خالد کا حمل پڑ گیا، حمل کے وضع ہونے سے قبل عورت کے والدین نے اس کا نکاح خالد سے ہی کر دیا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟

سائل: محمد صدیق بجشار چک ۳۰ش/۴ تحصیل اوکاڑہ ضلع منٹگمری ۲/۶/۵۳

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورت مذکورہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح صحیح اور درست ہے، فتاویٰ عالمگیری ص ۲۸۰ میں ہے اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بھا وظھر بھا حبل فالنکاح جائز عند الکل وله ان یطأھا عند الکل۔ واللہ تعالیٰ

علم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه و آله وصحبه وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنواری لڑکی حاملہ ہے اور حمل زنا کا ہے، غیر زانی کے ساتھ نکاح پڑھا گیا ہے، اب نکاح خواں پیش امام مسجد ہے لوگ چرچا کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے اگرچہ منع ہے تو کس صورت سے اس کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے یا یہ کہ نکاح درست ہے اور نکاح خواں کو شریعت کوئی جرمانہ یا کفارہ صادر نہیں ہے۔ جب نکاح پڑھایا گیا ہے تو لڑکی اپنے خاوند کے ساتھ صحبت بھی باقاعدہ کرتی رہی ہے۔ ساتھ سند کے تحریر فرماویں، حاملہ ہونے کی خبر نکاح پڑھنے سے پہلے مشہور تھی، تھانے تک یہ واقعہ گزر چکا تھا، نکاح پڑھنے بعد اس کو منع کیا ہے کہ وطی نہ کرنا۔

السائل: حافظ محمد خلیل مہاجر شاہ پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم الله الرحمن الرحيم

الجواب

اللهم اجعل لي النور والصواب

صورت مذکورہ میں نکاح جائز ہے، قرآن کریم میں ہے و احل لکم ما وراء

ذلکم حمل زنا کا شرعاً لحاظ نہیں، صحیح حدیث مشہور میں تصریح ہے وللعاهر الحجر فتاوی قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۸، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۹، فتاوی عالمگیر ج ۱ ص درالمختار و شامی ج ۲ ص ۱۰۴ میں ہے والنظم من الدر وحرم نکاح حبلی من زنا اور اسی طرح تمام کتب مذہب مہذب میں مصرح و مشرح ہے البتہ پیدائش بچہ سے پہلے وطی جائز نہیں، نکاح والوں کا کام منع کرنا تھا آگے ان کا نہ رکنا صرف ان کا گناہ ہے، امام مسجد بیچارے پر طعنہ و تشنیع حرام اور سخت حرام ہے یہ شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے کہ بلا وجہ شرعی مسلمان کو ذلیل کرنا حرام ہے و الذین یؤذون المؤمنین و المؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا و اثما مبینا اور مروی مشہور ہے کل المسلم علی المسلم حرام تو امام مسجد کو ذلیل کرنا زیادہ سنگین جرم ہے جس سے توبہ لازم ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بیانِ سائل مظہر کہ ہندہ کا زوج فوت ہوا اور اس وقت اسے حمل نہیں تھا، تقریباً دو سال بعد وفات سے اس کا نکاح کیا گیا اور نکاح سے پہلے بھی اس سے حلفیہ بیان لیا گیا اور اس نے یہی حلفاً بیان دیا کہ مجھے حمل نہیں

اور یہ بیان اس لئے لیا گیا ہے کہ اس عورت کا اس مرد کے ساتھ جس کے ساتھ اب نکاح کیا گیا، ناجائز تعلقات کا اشتباہ قوی تھا لہٰذا وہم پڑا تھا شاید اس مرد کا حمل ہو گیا ہو مگر جب اس نے اطمینان دلایا کہ حمل نہیں تو نکاح کیا گیا اب نکاح سے ساتویں ماہ میں بچہ پیدا ہوا تو اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کا حمل تھا، عموماً مدۃ حمل نو ماہ ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ صورت مذکورہ میں نکاح جائز و صحیح ہوا یا غلط اور اس کے پڑھانے والے اور حاضرین مجلس کے نکاح بھی فسخ ہو گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر بیانِ سائل صحیح و واقعی ہے تو نکاحِ مذکور بلاشک و شبہ صحیح و درست ہے، عورت اپنے معاملہ کے بارہ میں امین ہے اور امین کا قول شرعاً معتبر ہے۔ حمل کی اقل مدت چھ ماہ ہے، جب نکاح کے بعد چھ ماہ کو پیدا ہو تو شرعاً وہ بچہ نکاح ہی کا ہوگا۔ یہ وہم کہ عموماً مدۃِ حمل نو ماہ ہے محض بے جا اور جہالت اور شرعِ مطہر کے خلاف ہے لہٰذا نکاحِ مذکور بلاشبہ جائز ہے اور جو انکار کرے وہ یا جاہل ہے یا متجاہل۔ فعلیہ البیان بالبرہان۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ محبوبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

قبلہ جناب مولوی صاحب

السلام علیکم : ایک مسئلہ کے متعلق دریافت طلب باتیں ہیں جس کا جواب اب
جھی طرح تحریر فرمادیں :

ایک شخص کا تعلق ایک عورت سے تھا، عورت کو حمل ہو گیا، تقریباً چار ماہ
کے حمل میں اس کا نکاح اسی شخص سے ہو گیا۔

(۱) کیا نکاح جائز ہے یا ناجائز ؟

(۲) کیا پیدا ہونے والی اولاد حرام ہو گی یا حلال ؟

(۳) پیدائش ہونے سے پیشتر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۴) اگر نکاح ناجائز ہے تو نکاح پڑھانے والا یا گواہان کو کیا سزا کے مستحق ہونگے ؟

(۵) اور نکاح کے وقت جو مرد مان اس مجلس میں موجود ہوں گے ان کے متعلق لا
ہے ؟

اور کتاب یا حدیث کا پتہ تحریر فرمادیں تاکہ کتاب منگوا کر دوسرے اشخاص کو
دکھلائی جاسکے لہذا امورات کا پتہ تحریر فرمادیں۔ نہایت مہربانی ہو گی۔

جواب کا منتظر : امام مسجد محمد خلیل چک ۱۸۰/۹-ل ڈاک خانہ خاص
براستہ ہڑپہ تحصیل وضلع ساہیوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱. جائز ہے، قرآن کریم میں ہے احل لکم ما وراء ذٰلکم. فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ، میں ہے وفی مجموع النوازل اذا تزوج امرأۃ قد زنی ھو بہا وظھر بہا حبل فالنکاح جائز عند الکل، اور یہیں سے ۳ کا جواب بھی ظاہر ہوگیا اور ۴ اور ۵ ساقط ہوگئے۔

۲. اگر نکاح کے چھٹے ماہ یا زیادہ پر پیدا ہو تو حلال اور اگر چھٹے ماہ سے پہلے پیدا ہو تو حرام، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۴۰، فتاوٰے قاضی خان ج ۱ ص ۱۷۰، شامی ج ۲ ص ۱۰۴ والنظم من الھندیۃ ولو زنی بامرأۃ فحملت ثم تزوجھا فولدت ان جاءت بہ لستۃ اشھر فصاعدا ثبت نسبہ وان جاءت بہ لاقل من ستۃ اشھر لم یثبت نسبہ الا ان یدعیہ ولم یقل انہ من الزنا اور حلال ہونے کی صورت میں حلال اس وجہ سے ہے کہ جسے حمل زنا سمجھا گیا تھا، احتمال ہے کہ وہ نفخ بطن ہو اور حمل بعد از نکاح ہوا ہو. شامی ج ۲ ص ۱۰۴ میں ہے لاحتمال علوق بعد العقد وان ما قبل العقد کان انتفاخا لا حملا. اور یہ اگرچہ احتمال ہے مگر شرعاً احتیاطاً حکم اسی پر ہے کہ اثباتِ نسب میں حتی الامکان احتیاط کی جاتی ہے، اسی میں ہے ویحتاط فی اثبات النسب ما امکن، یہ جواب جب ہے کہ تعلق سے مراد ناجائز تعلق یعنی زنا ہو اور مرد ناکح اقراری ہو کہ حمل زنا ہے اور یہی طرزِ سوال سے ظاہر ہے لہٰذا اسی پر بنائے جواب ہے اور اگر تعلق سے مراد زنا نہ ہو یا مرد نسب کا دعوٰی کرے اور

زنا کا حمل نہ کہے تو جواب بدل جائے گا۔ چھ ماہ سے قبل پیدا ہونے کی صورت میں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

جناب محدث صاحب حضرت مولانا مولوی نور اللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم، مزاج شریف! احوال آنکہ،

ایک عورت کنواری کو حمل ہو گیا ہے جو زنا سے ہے اور زانی کا پتہ بھی نہیں اور اس عورت کا زانی کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتے ہیں کیا یہ نکاح حمل کی حالت میں جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فتوے لکھ کر بدست حامل رقعہ ہذا ارسال کریں، عین نوازش ہو گی۔

المستفتی: خادم الفقراء عبد العزیز امام مسجد ارسکھالا دھو کا ضلع منٹگمری بتاریخ ۱۲ ربیع الاول

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ، مزاج شریف! ہاں جائز ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۸ میں ہے یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا

البتہ جماع اور بوس وکنار سے وضع حمل تک پرہیز رکھے، اسی میں ہے و کما لا يباح وطئها لايباح دواعيه ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ ربیع الاول شریف ۸۷ھ

الاستفتاء

مکرم ومعظم جناب مولانا مولوی صاحب دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ :- مزاج اقدس : مندرجہ ذیل مسئلہ کو پورے ثبوت سے حل فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

بکر نے ایک کنواری لڑکی سے شادی کی، نکاح کرنے کے تیسرے ماہ بعد اس لڑکی کو لڑکی پیدا ہوئی، یعنی جس وقت نکاح کیا گیا تھا اس وقت وہ لڑکی حاملہ تھی :

سوال نمبر ۱ : کیا حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے؟

سوال نمبر ۲ : اگر وہ نکاح ناجائز ہے تو کیا مولوی صاحب نکاح خواں یا گواہ جو موجود تھے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ پورا ثبوت تحریر فرمائیں۔

سوال نمبر ۳ : اگر لڑکی کو جو پہلے حمل تھا اگر وہ حمل بکر کا ہو جس کے ساتھ اس کا نکاح ہوا ہے وہ جائز ہے یا کہ نہیں؟

سوال نمبر ۴ : اگر وہ حمل کسی اور مرد کا ہو تو کیا یہ نکاح جائز ہوگا، مکمل ثبوت تحریر فرمائیں۔

السائل : چوہدری برکت اللہ خاں ممبر یونین کونسل جسو کے دھون

تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

(۱) غیر منکوحہ حاملہ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ ہو جس کا حمل بلاشبہ زنا سے ہی ہو کہ شرعاً اس حمل والے بچے کا کوئی باپ نہ بن سکے تو ایسی حاملہ کا نکاح ہمارے امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بلاشبہ جائز ہے، کسی آیت یا مستند صحیح حدیث میں ایسے نکاح کو حرام نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآنِ کریم میں محرمات کے ذکر کے بعد فرمایا واحل لکم ما وراء ذٰلکم (ترجمہ) اور حلال کی گئی ہیں واسطے تمہارے وہ عورتیں جو محرماتِ مذکورہ کے علاوہ ہیں؛ حالانکہ حاملۂ زنا کا پہلے ذکر نہیں تو یہ بھی حلال عورتوں میں داخل ہوئی۔ ہدایہ، فتح القدیر، کفایہ، عنایہ شروحِ ہدایہ طبع مصر ج ۳ ص ۱۴۶ میں بالفاظِ متقاربہ ہے انہا من المحللات بالنص وھو قولہ تعالیٰ واحل لکم ما وراء ذٰلکم اور یونہی تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۱۳ وغیرہا میں ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۷ میں ہے وقال ابوحنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالیٰ یجوز ان یتزوج امرأۃ حاملا من الزنا اور حاملہ مندرجہ بالا کے سوا دوسری کسی حاملہ کا نکاح جائز نہیں بلکہ حرام ہے، فتاویٰ عالمگیر وغیرہا میں ہے وحبلیٰ ثابت النسب لا یجوز نکاحہا یعنی ایسی حاملہ جس کے حمل والے بچے کی نسب ثابت ہو اور شرعاً اس کا باپ معین ہو تو اس کا نکاح جب تک حمل رہے، حرام ہے، یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لیں، لوگوں کو اس میں طرح طرح کی غلط فہمیاں لگ جاتی ہیں۔

۲۔ ظاہر صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ وہ نکاح جائز ہے اور جب جائز ہوا تو نکاح

والی اور گواہوں کا کیا قصور؟

۳۔ اور ہم کے جواب مل یہیں ہی آ گئے ہیں، کوئی نئی چیز نہیں کہ نئے جواب ہوں
ہاں نکاح جائز ہونے کے بعد اتنا فرق ہے کہ اگر وہ حمل بکر کا ہو تو جس طرح نکاح جائز
ہے اسی طرح بکر کے لئے ہم بستری اور بوس و کنار بھی جائز ہے اور اگر وہ حمل بکر
کا نہیں تو نکاح جائز ہونے کے باوجود بھی بچہ پیدا ہونے تک بکر کے لئے
ہم بستری اور بوس و کنار نا جائز ہے کما فی الفتاوی الھندیۃ وغیرھا۔
واللّٰہ تعالیٰ اعلم وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و
اصحابہ و بارک وسلم

محمد الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۶/۱۱/۶۲

الاستفتاء

بخدمت اقدس حضرت العلام مفتی الاسلام مفتی اعظم پاکستان محدث اعظم دامت برکاتہم العالیہ
السلام علیکم و رحمۃ و برکاتہ! حضور اکرم فرماتے ہوئے مسئلہ درج ذیل پر فتوے
درست فرمائیں:۔

۱۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اندریں مسئلہ کہ کنواری حاملہ کے ساتھ حالتِ حمل میں نکاح
درست ہے؟

۲۔ جس شخص سے حاملہ ہوئی گیا اس کے ساتھ نکاح صحیح ہو سکتا ہے؟

۳۔ جس سے حاملہ ہوئی اس کے سوا دوسرا شخص نکاح (عقد) کرے تو اس کا
نکاح (عقد) درست ہو گا؟

۵۔ اگر کنواری حاملہ کے ساتھ نکاح درست نہ ہو تو نکاح خواں اور گواہوں کے بارے شریعتِ مطہرہ کا کیا فیصلہ ہے؟ نیز نکاح خواں اور گواہ اس کے حمل سے علم نہیں رکھتے تھے مگر بعد میں پتہ چلا کہ یہ حاملہ تھی تو اس صورت میں ان پر حکمِ شرع کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد منشا تابش قصوری غفرلہ خطیب جامع مسجد حنفیہ اتحاد کالونی تاجپورہ روڈ مغل پورہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ یقیناً درست ہے۔

۲۔ ہاں ہو سکتا ہے۔

۳۔ ہاں درست ہو گا مگر وضعِ حمل تک ہم بستری نہیں کر سکتا، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص، وغیرہ میں ہے اذا تزوج امرأة قد زنى هو بها و ظهر بها حمل فالنكاح جائز عند الكل وله ان يطأها عند الكل، نیز اسی میں ہے يجوز ان يتزوج امرأة حاملا من الزنا ولا يطأها حتى تضع، مگر یہ جواب ایسی کنواری حاملہ کے متعلق ہے جو واقعی کنواری یعنی اس کا نکاح کسی سے نہیں ہوا، یہ اس لئے کہ محاورات میں ایسی لڑکی کو بھی کنواری کہا جاتا ہے جس کا نکاح ہو چکا ہو مگر رخصتی نہ ہوئی ہو، اگر ایسی ہو اور اس کو حمل ہو گیا اور زوج نے طلاق دے دی تو اس کا نکاح اس زوج کے ساتھ تو جائز ہے مگر کسی اور کے ساتھ وضع

حمل سے پہلے ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ اسی میں ہے وحبلى ثابت النسب لا يجوز نكاحها اجماعا، نیز اسی میں ہے ويجوز لصاحب العدة ان يتزوجها۔

والله تعالى اعلم وصلى الله تعالى على سيدنا ومحبوبنا الاعظم وعلى آله وصحبه وبارك وسلم۔

فقیر ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی غفرلہٗ

۲۱ شوال المکرم ۱۳۸۶ھ ، یکم فروری ۱۹۶۷ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ ناجائز حمل سے حاملہ کنواری عورت کا نکاح بعد از وضع حمل ایام نفاس میں روا ہے یا نہیں؟

سائل :۔ میاں اللہ بخش ساکن چک ۴۳/ 5.P کھرپہ ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ہاں روا ہے، قرآن کریم میں ہے واحل لكم ما وراء ذلكم

کسی ایک فقہی کتاب میں بھی یہ نہیں لکھا کہ نفاس میں نکاح جائز نہیں، جو ناجائز بتاتا ہے، غلط بتاتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وسلم۔

عبدہ المذنب ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۲۰/۱۲/۹۰

باب المصاهرة

بَابُ المُصَاهَرَة

الاستفتاء

سائل مظہر کہ زید نے ہندہ کے ساتھ زنا کیا، زید و ہندہ دونوں اقراری ہیں، بعدازاں زید نے ہندہ کی لڑکی سے نکاح کیا، آیا یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

کتبِ مذہبِ مہذب میں متوناً و شروحاً و فتاویٰ صراحۃً روزِ روشن کی طرح مصرح ہے کہ زانی پر مزنیہ کی لڑکی ہمیشہ کے لیے حرام ہے تو نکاح صحیح کیسے ہو سکے لہذا یہ نکاح واجب الرفع ہے، عورت یا مرد بلا رضا و حضور دوسرے کے ہر ایک فسخ کر سکتا ہے مثلاً کہے کہ میں نے اس نکاح کو اٹھا دیا یا چھوڑ دیا یا اس مرد یا عورت کو چھوڑ دیا

وغیرہ الفاظ باین معنی در المختار میں ہے "ویثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها او لا فی الاصح خروجا عن المعصیة" اور اگر وہ نہ کریں تو صاحبِ طاقت پر لازم کہ تفریق کرا دے۔ حدیث شریف میں ہے من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، الحدیث رواہ مسلم وتجب العدة بعد التفريق ان كان بعد الدخول وايضا شيئ كالمهر كما صرح به فی مظانه.

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد ایک عورت سے ناجائز تعلقات سے بدکاری کرتا رہا، اس بات کے چار گواہ چشم دید ہیں، بعد ازاں اس مرد نے اس عورت کی لڑکی سے جبراً نکاح کر لیا ہے حالانکہ وہ لڑکی بیوہ اولاد والی ہے اور اس نے ایجاب و قبول بالکل نہیں کیا بلکہ زبردستی اس کا انگوٹھا لگوا دیا گیا ہے اور اسی رات موقع پا کر بھاگ کر اپنے میکے چلی گئی تو کیا یہ نکاح شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

سائل: حسن احمد از میکے نارو۔ سائل: بشیر محمد از گدائی شاہ ۳۰/۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا۔ انگوٹھے لگانا ایک رسمی چیز ہے تو جب ایجاب وقبول نہیں ہوا تو نکاح نہیں ہوا اور اس صورت میں تو اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا، تب بھی نکاح صحیح نہ ہوتا کہ مزنیہ کی لڑکی زانی پر ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو جاتی ہے فتاوے عالمگیریہ ج ۲ ص ۱ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول نیز ج ۲ ص ۲ میں ہے فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم ومجد وکرم۔

العبد الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۰ جمادی الاخریٰ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ زید ہندہ کو بھگا کر لے بدکاری کرتا رہا مگر حکومت مارشل لا نے خاوند کو واپس کرادی تو کیا ہندہ کی لڑکی زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حرمت مصاہرت زنا اور شہوت سے بوس وکنار کے ساتھ بھی حاصل ہو جاتی ہے، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۰، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۴، ۲۰۷ میں ہے والنظم من البدائع وتثبت حرمۃ المصاھرۃ بالزنا والمس الخ تو ہندہ کی لڑکی زید پر حرام ہے فتاوے عالمگیری میں ہے فمن زنی بامرأۃ حرمت علیہ امھا وان علت وابنتھا وان سفلت یعنی جو کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو زانی پر اس عورت کی ماں اور لڑکی حرام ہو جاتی ہے؛ نیز اسی میں ہے تثبت بالمس والتقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کہ یہ حرمت چھونے اور بوسہ دینے وغیرہ سے جبکہ شہوت سے ہو، ثابت ہو جاتی ہے لہذا زید کے ساتھ اس کا نکاح جائز صحیح نہیں؛ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بخدمت جناب حضور فیض گنجور جناب حضرت مولانا نور اللہ صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: کے بعد گزارش ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک شخص بنام خوشی محمد ہے جس کا واقعہ یوں ہوا کہ ایک عورت میراں بی بی کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات رہے جس سے ایک لڑکی بنام حمیدہ بی بی پیدا ہوئی جب اس لڑکی کی عمر پانچ چھ سال ہوئی تو اس کا نکاح اسی خوشی محمد کے ساتھ کرنے لگے جس سے تمام گاؤں والوں جنکو حالات معلوم تھے انہوں نے شور کرنا شروع کر دیا کہ یہ تو اس کی بیٹی ہے اس کا نکاح کسی لحاظ سے بھی نہیں ہو سکتا لیکن اس کنبہ والوں نے چوری چھپے نکاح کر دیا، جب لڑکی سمجھدار ہوئی تو ان کے آپس میں اختلافات پیدا ہو گئے جس سے لڑکی اپنے چشم دیدہ واقعہ کا ثبوت دیتی ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے تو میں خود دیکھ رہی ہوں کہ ہماری ماں کے ساتھ ناجائز تعلق ہیں اب میں اپنی ماں کی جگہ پر نہیں رہ سکتی، ایک تو ہمارا باپ، دوسرا ہمارا خاوند، میں ہرگز نہیں رہوں گی، اس وجہ سے شرارت بازی ہے، جس کے حالات کے واقف لوگ بدستور گواہی دے سکتے ہیں۔

اب گزارش ہے کہ برائے مہربانی شریعت نبوی کے مطابق فتویٰ تحریر فرماویں کہ مطابق اسلام محمدی ہونا چاہیئے۔

تابعدار: نواب ولد بجیدہ قوم راجپوت

گواہ شد العبد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا مند ولد فتح محمد قوم راجپوت	غلام محمد ولد لنگر راجپوت نشان انگوٹھا
العبد گواہ شد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا شیر محمد راجپوت	نشان انگوٹھا دینا راجپوت
العبد گواہ شد	العبد گواہ شد
نشان انگوٹھا کرم بخش راجپوت	نشان انگوٹھا احمد حسن راجپوت

العبد گواہ شد
فقیر محمد دستخط

(نوٹ) سائل نے زبانی بیان کیا جب حمیدہ بی بی پیدا ہوئی ہے تو اس وقت اس کی ماں کا خاوند نکاح والا موجود تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً حمیدہ بی بی کا باپ اس کی ماں کا جائز نکاح والا خاوند ہی ہے اور زانی باپ نہیں، حدیث پاک میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر، ہاں اگر یہ صحیح اور واقعی ہے کہ خوشی محمد کے میراں بی بی کے ساتھ ناجائز تعلقات رہے ہیں تو خوشی محمد پر حمیدہ بی بی حرام ہے ان کا نکاح جائز و صحیح نہیں ہو سکتا، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۴ میں ہے و اذا وطی الرجل امرأۃ بملک یمین او نکاح او فجور یحرم علیہ امھا و بنتھا تو اگر بعد از نکاح خوشی محمد نے حمیدہ بی بی کے ساتھ ہم بستری کی ہے تو حمیدہ بی بی پر عدت واجب ہے یعنی جس وقت اس نے خوشی محمد کے حق میں رہنے سے انکار کیا ہے اگر اس وقت حمل تھا تو بچہ پیدا ہو جائے ورنہ اس وقت کے بعد تین حیض پورے ہو جائیں، بعد ازاں حسبِ دستورِ شرع جس سے چاہے جائز نکاح کر سکتی ہے اور اگر ہم بستری نہیں ہوئی تو عدت بھی نہیں مگر یہ صحیح ہو کہ خوشی محمد کے میراں بی بی کے ساتھ ناجائز تعلقات رہ چکے ہیں تب یہ جواب ہے ورنہ جواب بدل جائے گا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۴ رجمادی الاولیٰ ۷۹ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم جناب عالم دین صاحب دام اقبالہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ واجباً عرض ہے سائل جوانی میں اپنی پھوپھی کی لڑکی سے بوس وکنار یا ہاتھ درازی کر چکا ہے۔ سائل کو یہ لاعلمی تھی کہ ایسی کوتاہی کرنے سے آئندہ شادیوں میں بھی حرج ہوتا ہے۔ سوائے اس کوتاہی سے صحبت بالکل نہیں کی ہے یعنی دخول وغیرہ نہیں کیا ہے۔ اب یہ مسئلہ درپیش ہے کہ اب سائل کو شادی کی ضرورت ہے، برادری نے کہا ہے پھوپھی کی لڑکی کی لڑکی سے شادی کر لے مگر سائل کو یہ شبہ پڑا ہے کہ یہ شادی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ برادری کو ابھی کوئی جواب نہیں دیا۔ برادری کا معاملہ عجیب ہوتا ہے کہ مسئلہ خلوت صحیحہ جو پوچھا جاتا ہے وہ گھروں میں بے تکلف آنا جانا ہوتا ہے اس لئے یہ واقعہ خلوت والا ہو جاتا ہے۔ سائل یہ شادی کرنا چاہتا ہے، اگر غلطی کی وجہ سے کفارہ وغیرہ یا کوئی اور صورت ہو تو بتائیں جب تک یہ مسئلہ صحیح نہ ہو جائے تب تک سائل برادری کو کوئی جواب نہ دے گا۔

فقط السلام مسنون۔

المستفتی: محمد بشیر احمد مستری ساکن میانوالی خاص ۲۰ صفر المظفر ۷۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الجواب

اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِيَ النُّوْرَ وَالصَّوَابَ

سائل نے زبانی بتایا کہ وہ لڑکی اس وقت تقریباً چودہ سال کی تھی اور ظاہر سوال تحریری یہ کہ بوسہ منہ پر دیا اور یہ سارے افعال بوس وکنار یا ہاتھ درازی شہوت سے ہی تھے اور خلوت میں تھے تو گو صحبت یعنی دخول بالکل نہیں کیا مگر حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی لہذا اس لڑکی کی لڑکی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے شادی نہیں کر سکتا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مذہب ہے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۴ میں ہے وکما تثبت ھٰذہ الحرمۃ بالوطیٔ تثبت باللمس و التقبیل و النظر الی الفرج بشہوۃ کذا فی الذخیرۃ سواء کان بنکاح او ملك او فجور عندنا کذا فی الملتقط، نیز اسی میں ہے و المباشرۃ عن شہوۃ بمنزلۃ القبلۃ وکذا المعانقۃ ھٰکذا فی فتاویٰ قاضیخان وکذا لوعضھا بشہوۃ ھٰکذا فی الخلاصۃ۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۰ میں ہے اذا قبّلھا منتشرا فانہ لایصدق فی دعوی عدم الشہوۃ، نیز اسی میں ہے وفی المباشرۃ اذا قال بلاشہوۃ لایصدق اور جب ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو کفارہ وغیرہ کی کوئی صورت نہیں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۱ صفر المظفر ۱۳۷۸ھ

عہ ومثلہ فی الخانیۃ ص ۱۶۶ ۱۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمّٰی زید عاقل و بالغ ہے، اس کا بیان خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان ہے :

ایک عورت جو کہ بالغ ہے اور کنواری ہے، زید مذکور اس عورت مذکور کو گلے لگا کر ملتا رہا ہے، منہ چومتا رہا ہے۔ پستان پکڑتا رہا ہے لیکن وطی نہیں کر سکا اب عورت مذکور کو زید اپنے پسرِ حقیقی کے لئے لینا چاہتا ہے، آیا وہ شرع محمدی کے نزدیک اپنے پسر کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نکاح نہیں کر سکتا تو کون چیز مانع ہے جب کہ زید نے وطی نہ کی ؟ جواب سے از راہِ کرم ہفتہ کے اندر مستفیض فرماویں، خدا آپ کو اجر دے گا۔

المستفتی : خان محمد دوکاندار چک ۴۳/۴-ایل، رحمان آباد
ڈاک خانہ خاص براستہ و ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

مذہب مہذب احناف کی رو سے ایسی عورت کے ساتھ زید کا لڑکا نکاح نہیں کر سکتا کہ جس طرح زنا کے ساتھ یہ حرمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح منہ چومنے باشہوت سے ہاتھ لگانے یا ملنے کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتی ہے فتاوی عالمگیر ج ۲

ص ۲۷ میں ہے کما تثبت ھذہ الحرمۃ بالوطیٔ تثبت بالمس و التقبیل والنظر الی الفرج بشھوۃ کذا فی الذخیرۃ نیز اسی میں ہے والمباشرۃ عن شھوۃ بمنزلۃ القبلۃ وکذا المعانقۃ ھکذا فی فتاوٰی قاضیخان، نیز ص ۸ میں ہے یفتی بالحرمۃ فی القبلۃ فی الفم والخد والراس وان کان علی مقنعۃ نیز اسی میں ہے ولو اخذ ثدیہا وقال ما کان عن شھوۃ لا یصدق لان الغالب خلافہ۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۷، ۱۰ رمضان المبارک ۸۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک بالغہ عورت نے نابالغ لڑکے سے بوس وکنار کیا، اس چھونے اور دست اندازی سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ اب اس لڑکے کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: مستری عبدالمجید، گگومنڈی

سائل نے بعد ازاں لکھا کہ اس عورت نے دس یا نو سالہ لڑکے سے بوس وکنار کیا اور گلے لگایا اور وہ عورت شہوت والی بالغہ تھی۔

عبدالحق بقلم خود ۲۳/۵/۶۸

الجواب

اللّٰهم اجعل لی النور والصواب

اگر لڑکا واقعی نو یا دس سالہ تھا اور عام لڑکوں جیسا تھا تو حرمتِ مصاہرت حسبِ تصریحِ مشائخِ کرام ثابت نہیں ہوتی تو اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

شامی ج ۲ ص ۲۸۷ میں ہے فتحصل من ھذا انہ لابد فی کل منہما من سن المراھقۃ واقلہ للانثی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلک اقل مدۃ یمکن فیھا البلوغ کما صرحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھذا یوافق مامر ان العلۃ ھی الوطئ الذی یکون سببا للولد او المس الذی یکون سببا لھذا الوطئ ولا یخفی ان غیر المراھق منہما لا یتاتی منہ الولد۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ الاعظم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

بانی دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیرپور

۲۳ محرم الحرام ۸۸ھ 23.5/68

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زینب بنت نور احمد نے

اپنی چھ سالہ لڑکی حلیما اپنے بھائی احمد الدین حاملِ رقعہ ہذا کو خدا واسطے بخش دی ۔ جب احمد الدین کے زیرِ پرورش جوان ہوگئی تو احمد الدین ولد نورا نے بشیر ولد احمد الدین ولد کندا کے ساتھ عقدِ نکاح کر دیا ، اب زینب بنت نورا جو ہمشیرہ احمد الدین ولد نورا ہے ، نے شور مچایا کہ بشیر کے ساتھ نکاح ناجائز ہے ، وجہ یہ ہے کہ والدہ بشیر کے ساتھ میرے والد نورا کے ناجائز تعلق تھے لہٰذا بشیر میرا بھائی اور میری لڑکی کا ماموں ہے ، جب ناجائز تعلق کا شبہ کیا جاتا ہے ، اس وقت بشیر کا والد زندہ تھا ، اب پرورش کرنے والا احمد الدین ولد نورا کو فکر لاحق ہوا اور اہلِ شرع سے دریافت کرنا شروع کیا ، ملّاؤں نے فتوےٰ دیا کہ نکاح حرام ہے ، اب آپ جناب کی خدمت سگِ در نے روانہ کیا کہ وہاں سے حق ثابت ہوگا ۔

عرض ہے کہ قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہ سے ثابت کریں کہ نکاح جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

خدا ومصطفےٰ کے واسطے آپ اپنی خاص نظرِ کرم فرمادیں ، سگِ در غیر حاضری اور روضہ نہ حاضر کرنے کی وجہ سے سخت پریشان ہے ۔

مستفتی : مولانا ابوالوفا محمد اسمٰعیل از ٹھٹھہ سید علی داخلی کماں اسلام پور ڈاکخانہ کماں اسلام پور ضلع منٹگمری ۲۸ ذی القعدہ المبارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھمّ اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح ہے یعنی حلیمہ کے نانے نے بشیر کی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہے تب بھی حلیما اور بشیر کا نکاح صحیح ہے ، زنا کے ساتھ بھائی اور ماموں نہیں بن سکتا

اور یونہی ایسی حرمت ثابت ہوتی ہے، شامی ص ۴۸ ۳ بحر الرائق سے ہے وحل اصول الزانی وفروعہ اصول المزنی بہا وفروعہا یعنی زانی کے اصول (باپ، دادا، نانا، ماں، دادی، نانی) اور زانی کے فروع (لڑکا، پوتا، دوہتا، لڑکی، پوتی، دوہتی) ہذا نیہ عورت کے اصول وفروع کے لئے حلال ہے در صورت سوال میں حلیمہ نورے کی فرع ہے اور بشیر اپنی والدہ کی فرع ہے تو نکاح جائز ہوگا اور قرآن کریم میں تو صاف فرمایا احل لکم ما وراء ذٰلکم اور حدیث پاک میں ہے للعاهر الحجر یعنی زانی کے لئے پتھر ہے، اور نسب ثابت نہیں ہوتی تو ماموں کیسے بنا، بدکاری ثابت ہونے کی صورت میں نکاح جائز ہے اور اگر ثابت ہی نہیں تو بطریق اولیٰ جائز ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوا کہ ان ملاؤں کا فتوے محض غلط ہے ان پر تو یہ فرض ہے کہ وہ شریعت مطہرہ پر جھوٹ اور افتراء باندھ کر سخت مجرم وگنہگار، مستوجب عذاب نار بن چکے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیانِ شرعِ متین کہ اگر کوئی شخص اپنی عورت منکوحہ کی سگی ماں سے بدفعلی کا مرتکب ہو تو کیا اس لڑکی کا نکاح قائم رہے گا یا فسخ متصور

ہوگا جبکہ لڑکی خود اپنی والدہ کی اس جرم کی عینی شہادت پیش کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی کوئی ایسا فعلِ بد کرے تو عورت ہمیشہ ہمیشہ اس پر حرام ہو جاتی ہے مبسوطِ سرخسی ج ۴ ص ۲۰۴ میں ہے واذا وطی الرجل امرأۃ بملک یمین او نکاح او فجور یحرم علیہ امھا وبنتھا مگر یہ چیز ضروری ہے کہ وہ فعلِ بد ثابت ہو جائے، خواہ اقرارِ فاعل سے ہی ثابت ہو۔ یہ فتوے ہے سوالِ مذکور کا فیصلہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷ رجمادی الاولیٰ ۶۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی اپنی

عینی شہادت سے مراد لڑکی کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے فقط جیسے سائل نے زبانی بیان کیا ۱۲ منہ غفرلہٗ

بیوی کی والدہ کے ساتھ زنا کرتا ہے اور ایک گواہ نہیں بلکہ دس گواہ گواہی زنا کی دیتے ہیں کہ اس نے تین سال تک اپنی بیوی کی طرح بسایا ہے۔ آیا اس کا نکاح باقی رہا یا کہ فاسد ہو گیا۔ بحوالہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف اور فقہ شریف کے بمعہ صفحہ ممبر مشکور فرما دیں۔ بینوا توجروا۔ اور عدت زنا کرنے سے شروع ہوتی ہے یا جدائی سے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ فعلِ شنیع فی الواقع قابلِ اعتبار شہادتوں سے ثابت ہو گیا تو اس کی بیوی ہمیشہ ہمیشہ اس پر حرام ہو گئی اور نکاح فاسد ہو گیا وذا مبین برھن علیہ فی عامۃ اسفار المذہب المہذب مگر متارکہ کے بغیر دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی، درالمختار، شامی ج۲ ص ۳۸۹، بحرالرائق ج۳ ص ۲۳۰ میں ہے والنظم من الدر وبحرمۃ المصاھرۃ لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لہا التزوج باخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ اور مدخول بہا کے حق میں متارکت قول سے ہوا کرتا ہے مثلاً کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، شامی میں ہے ان المتارکۃ لا تتحقق الا بالقول ان کانت مدخولا بہا کترکتک الخ اور حسبِ تحقیقِ صاحبِ تنویرالابصار و درالمختار عورت بھی متارکت کی اہل ہے کہ ج۲ ص ۴۸۳ درالمختار علی الشامی جلد دوم میں ہے یثبت لکل واحد منہما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینہما۔ اور عدت بعد از تفریق یا متارکت شروع ہوتی ہے

بحرالرائق ج ۳ ص ۱۷۲، در المختار شامی ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہے والنظیمن البحر والصحیح انه من وقت التفریق لخ شامی ج ۲ ص ۸۳۷ میں ہے ثلاث حیض ان کن من ذوات الحیض والا فالاشهر او وضع الحمل وهذا ان کانت المنکوحة نکاحا فاسدا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ البصیر پوری
۱۸ ذی القعدۃ المبارکہ ۱۳۶۹ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص شادی شدہ نے اپنی بیوی کی ماں کے ساتھ زنا کیا چنانچہ اس کی ساس بھی اس بدکاری کا اقرار کرتی ہے اور وہ خود بھی اقراری ہو کر فرار ہو گیا اور ایک معتبر عینی گواہ بھی ہے تو اب اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کی بیوی کسی اور جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ اس زنا سے پہلے میاں بیوی باہم راضی خوشی میاں بیوی بن کر رہا کرتے تھے اور اسے حمل نہیں ہے، بینوا توجروا۔

السائل: کریم ولد روشن قوم ماچھی سکنہ چک نور محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال واقعی اور صحیح ہے تو اس کا نکاح فاسد ہو گیا اور بیوی حرام ہو گئی کما

فی عامۃ المعتبرات اور اس نکاح کا فسخ کرنا ضروری ہے اگر وہ نہیں بلتا یا مانتا نہیں تو بیوی بھی فسخ کر سکتی ہے، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۸۴۳ وغیرہا میں ہے و النظم من الدر و متنہ و یثبت لکل واحد منھما فسخہ و لو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا او لا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ تو بیوی روبرو گواہوں کے اس خاوند کے اس عیب کو بیان کر کے کہہ دے کہ میں نے وہ نکاح فسخ کر دیا اور بعد ازاں تین حیض پورے ہو جانے کے بعد جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے؛ انہیں کتابوں میں ہے و تجب العدۃ بعد الوطئ لا الخلوۃ للطلاق لا للموت من وقت التفریق شامی میں ہے و مثلہ التفریق و ھو فسخھما او فسخ احدھما۔ اور اگر سوال غلط ہو تو پھر یہ فتویٰ نہیں۔ اچھی طرح غور سے سمجھا جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی القادری الحنفی

مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ

بصیر پور ضلع منٹگمری

۲۶ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ بروز جمعۃ المبارکہ

حرمة المصاهرة ترفع المناكحة

حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحۃ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کی ماں نے اس کی رضیعہ بیوی کو اپنا دودھ پلادیا یا زید نے بیوی کی ماں سے زنا کیا تو کیا اس کا نکاح زائل و باطل مرتفع و منفسخ ہوگیا یا باقی ہے؟ اگر باقی ہے تو طلاق یا تفریق قاضی یا متارکہ کی ضرورت ہے یا کیا کریں؛ اور زوجہ بھی متارکہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ کچھ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ گو زید کی بیوی زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی، مگر جب تک تفریق قاضی یا متارکہ و فسخ بالقول نہ ہو نکاح بیشک باقی ہے، قائم ہے، زائل نہیں ہوا، یہ ہرگز نہیں کہ ٹوٹ گیا، فسخ نہیں ہوا عورت نکاح سے نہیں نکلی اور کسی سے نکاح نہیں کر سکتی کہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے ذکر فرمایا ان النکاح لایرتفع بحرمۃ المصاھرۃ والرضاع بل یفسد الخ بحرالرائق و درالمختار و ردالمحتار میں عبارتِ مندرجہ بالا کی بنا پر ایسے نکاحوں کو صرف فاسد بتایا کہ بلا تفریق و متارکہ زائل نہیں ہوتے اور عورت کسی اور سے نکاح نہیں کر سکتی اور بعد از تفریق و متارکہ عدت بھی پوری کرے۔ فحققوا الحق عند الاحناف بالدلائل والانصاف من غیر اعتساف ماجورین من رب العٰلمین۔

الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و

آلہ واصحابہ اجمعین وسلم فی کل حین۔

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بلاشک وشبہہ وریب از روئے مذہب مہذب حنفیہ صورت مذکورہ میں نکاح ٹوٹ گیا، اس کا بطلان آفتابِ نصف النہار سے بھی زیادہ عیاں اور اس کے ارتفاع وانفساخ کی تصریحاتِ جلیلہ وجزئیاتِ جلیہ سے اسفارِ معتمدۂ مذہب متوناً وشروحاً وحواشی وفتاوےٰ گونج رہے ہیں حتی کہ یہی بحر ودر مع حواشی شامی بھی ان سے پُر ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ حرمتِ رضاع یا حرمت مصاہرت (جن میں[1] عموم وخصوص من وجہ ہے) اگر قبل از نکاح موجود ہو تو مانع[2] انعقادِ نکاح صحیح ہے اور اگر صحیح وثابت شدہ پر طاری ہو جائے تو باقی[3] نہیں چھوڑتی۔

---

[1] لتصادقہما فی ام الزوجۃ وابنہا رضاعا وتفارق المصاھرۃ فی امہا وابنتہا نسبا ۱۲

[2] بدائع ج ۲ ص ۲۵۶ میں ہے فان کانت محرمۃ علی التابید لایجوز نکاحہا لان الانکاح احلال واحلال المحرم علی التابید محال والمحرمات علی التابید ثلاثۃ انواع محرمات بالقرابۃ ومحرمات بالمصاھرۃ ومحرمات بالرضاع انتہی ومثلہ بالمعنی فی عامۃ الکتب ۱۲

[3] مبسوط ج ۴ ص ۲۰۸ میں صورت مسئلہ کی شق ثانی میں حکم حرمت کی توجیہ میں فرماتے ہیں ان الحرمۃ بسبب المصاھرۃ مثل الحرمۃ بالرضاع والنسب وذلک کما یمنع ابتداء النکاح یمنع بقاء النکاح فکذلک ھذا یمنع بقاء النکاح کما یمنع ابتداءہ۔ نیز اس کے ج ۵ ص ۱۴۱ میں ہے ان المحرمیۃ کما تنافی ابتداء النکاح تنافی البقاء بعد ما انعقد صحیحا کما لو اعترضت المحرمیۃ فی نکاح المسلمین برضاع او مصاھرۃ۔ نیز ج ۵ ص ۱۴۱ میں مسئلہ کی پہلی شق کے متعلق ہے لان المحرمیۃ تمنع النکاح بعلۃ المنافاۃ فان بین الحل والحرمۃ فی المحل منافاۃ والمنافی کما یؤثر اذا اقترن یؤثر اذا طرأ علیہ۔ نیز ج ۶ ص ۱۵۶ میں ہے بعد ثبوت حرمۃ المحل اما بالطلقات الثلاث

نکاح کو سرے سے زائل کردیتی ہے حکمِ متعلق میں ہے اس سے جو ارتفاعِ نکاح ہوتا ہے وہ
بہ نسبت اس ارتفاع کے جو طلقاتِ ثلاثہ یا خلع و لعان سے ثابت ہو، بہت ہی زیادہ سخت
ہوتا ہے کہ یہ حرمتِ مؤبدہ منکوحہ کو محلِ نکاح ہی باقی نہیں رہنے دیتی اور ابتداءً و بقاءً
نکاح کی مطلقاً منافی ہے اور طلقاتِ ثلاثہ وغیرہا منافی ابتدائے نکاح نہیں ولو بعد تحلیل
او تکذیب کہ محلیت باقی رہتی ہے اور یہ تو نہایت ہی پر زور طور پر ثابت کہ رضاعِ سابق
از نکاح وطاری بر نکاح دونوں تحریم میں برابر ہیں[1] اور قواعدِ مذہبیہ سے

او بالمصاهرة يتعذر ابقاء النكاح حكما، مبسوط ج ۶ ص ۸۸ وكذلك المرأة يجامعها ابو
زوجها او ابنه او جامع الزوج امها او ابنتها فقد وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق لان
المحرمية بالمصاهرة تنافى النكاح ابتداء وبقاء كالمحرمية بالرضاع والنسب وعليها
العدة ان كان قد دخل بها، نیز ج ۶ ص ۸۸ میں ہے اذا حرمت المرأة على زوجها بردتها او مطاوعتها
لابنه او جماعه مع امها (الى ان قال) ان ارتفاع النكاح بهذه الاسباب ابلغ منه
بالخلع الا ترى انها صارت محرمة على التابيد انتهى اقول والتعليل بصيرورتها محرمة
التابيد فى المصاهرة وعدمها فى الخلع يجئ فى الرضاع والطلقات الثلاث واللعان
وغيرها كما لا يخفى۔ بدائع ج ۲ ص ۳۳۰ میں ہے ومنها اى ما يرفع حكم النكاح المصاهرة الطارئة
بان وطئ ام امرأة او ابنتها والفرقة فرقة بغير طلاق لانها حرمة مؤبدة كحرمة الرضاع
والفرق فى هذه الوجوه بائنة، نیز ج ۲ ص ۲۹۵ میں ہے ان الفرقة بغير طلاق تكون فسخا للعقد
نیز وہیں ہے ان فسخ العقد رفعه من الاصل وجعله كان لم يكن، اور یہی مضمون آئندہ عباراتِ کثیرہ سے بھی ثابت ہے ۱۲

[1] بدائع ج ۴ ص ۱۰، فتاوٰی امام قاضیخان ص ۱۹۰، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۱، ہندیہ عن المحیط ج ۲ ص ۳۴۳، شامی ج ۲ ص ۵۶۴ میں
ہے والنظم لملك العلماء يستوى فى تحريم الرضاع الرضاع المقارن بالنكاح والطارئ عليه لان
دلائل التحريم لا توجب الفصل بينهما وبيان هذا الاصل فى مسائل، اور اسی ضمن کے مسائل کا بیان جو آگے بینونت وغیرہا
کے آتے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ

[2] قال فى فتح القدير ج ۳ ص ۳۲۴ ان ثبوت الحرمة (اى من الرضاع) لا يقبل الفصل عن زوال الملك
فى باب النكاح لانها مؤبدة بخلاف الحرمة بالحيض ونحوه ۱۲ منہ غفرلہ

[3] للعدة كما سيأتى بيانه فى ذكر العدة باذنه تعالى مفصلا ۱۲ منہ غفرلہ

حرمت[1] مصاہرت کا رضاع و زنا و تقبیل وغیرہ سے ثابت ہوجانا بھی نہایت نمایاں طور پر ثابت ہے۔ تعجب ہے کہ ایسا واضح وظاہر و عیاں امر بعض حضرات اکابر علمائے تقلیین سے کیسے نہاں رہا حالانکہ اصول و مسائل رضاع کتب معتمدۂ فقہیہ[2] کا سرسری مطالعہ بھی اس وقوع[3] بینونت کی صدہا صاف تصریحیں ہویدا کردیتا ہے اور ایسے ہی وقوع فرقت

---

[1] کما فی عامۃ المعتبرات یہاں چند کلمے بطور تبرک درج ہیں، قاضی خان ص ۱۶۵ تثبت بالعقد الجائز و بالوطئ حلالا کان او عن شبھۃ او زنا، بدائع ج ۲ ص ۲۶۰ میں ہے بالزنا والمس والنظر بدون النکاح والملک وشبھۃ ۱۲ منہ۔

[2] اکثر بصیغۂ ماضی ثبت اور بعض مضارع تثبت و مصدر بینونت اور اسم مفعول اثبات ہیں، ان تمام عبارات کا احصاء نہایت ہی متعسر، تو صرف چند کتب معتمدہ کی رضاع سے متعلق اجمالی اشارے کئے جاتے ہیں کہ باعث تنبیہ ہیں۔ مبسوط ج ۵ ص ۱۳۲ تا ۱۳۳ میں دس مرتبہ اور ج ۳۰ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ گیارہ مرتبہ، فتاوے امام قاضی خان ص ۱۹۰، ۱۹۱ سات مرتبہ، بدائع ج ۴ ص ۱۱ تا ۱۳ دس مرتبہ، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ اٹھارہ مرتبہ، عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ نو مرتبہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۳ تین مرتبہ، شامی ایک دفعہ تبرکاً امام سرخسی علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سنئے اذا تزوج صبیتین رضیعتین فارضعتھما امرأۃ معا او احدٰھما بعد الاخرٰی بانتا جمیعا لانھما صارتا اختین حین ارضعت الثانیۃ منھما فتقرر الجمع المنافی ولیست احدٰھما ببطلان نکاحھا باولٰی من الاخرٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔

[3] مبسوط ج ۵ ص ۱۴۰ تا ۱۴۳ سات مرتبہ اور ج ۳۰ ص ۲۹۷ تا ۳۰۰ سات مرتبہ، فتاوے قاضی خان ج ۱ میں ایک مرتبہ، بدائع الصنائع ج ۴ ص ۱۱، ۱۳ چودہ مرتبہ، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۳ دو مرتبہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۰، ۳۲۱ چار مرتبہ، در المختار و شامی ج ۲ ص ۵۶۵ ایک ایک مرتبہ ہے، بطور تبرک ہدایہ کے ایک سطر پر کتفا ہے لان الفرقۃ جاءت من قبلھا ۱۲

منہ غفرلہ

محو[۱] و رفع[۲] و دفع[۳] نکاح یعنی نکاح کا اصل سے اٹھا کر یوں مٹا دینا کہ گویا تھا ہی نہیں، پھر انفسار و انفساخ[۴] و ارتفاع[۵] نکاح کے جھلکتے جملاتِ تعلیلیہ و تفریعیہ سے شکوک و شبہاتِ طاریہ

---

[۱] اس کی تصریحات بھی بکثرت ہیں مگر اختصاراً صرف چند کا ذکر کیا جاتا ہے، مبسوط ج ۵ ص ۱۴۲ میں ہے ایک شخص نے تین شیرخوار لڑکیوں سے نکاح کیا اور کسی عورت نے ان تینوں کو یکے بعد دیگرے دودھ پلا دیا تو پہلی دونوں نکاح سے جدا ہوگئیں اور تیسری بدستور بیوی ہے کیونکہ جب دوسری کو دودھ پلایا تو پہلی اور دوسری کا بہن ہونا ثابت ہوگیا فتقع الفرقۃ بینہ و بینہما ثم ارضعت الثالثۃ ولیس فی نکاحہ غیرھا فبقی نکاحہا، اسی طرح یہی ج ۵ ص ۱۳۱، ۱۳۳ اور ج ۳۰ ص ۲۹۹ میں بھی متفرد و مکرر ہے۔ فتاوٰی قاضی خان ج ۱ ص ۹۰ میں ہے لو تزوج رضیعتین فارضعتہما امرأۃ واحدۃ معا او واحدۃ بعد واحدۃ بطل نکاحہما نیز یکے بعد دیگرے میں لکھتے ہیں، و یبطل نکاحہا و الصغیرۃ الثالثۃ امرأتہ (الی ان قال) ولیس فی نکاحہ غیرھا۔ بدائع ج ۴ ص ۲، ارضعتہا (ای الزوجۃ الکبیرۃ التی حرمت) وھی اجنبیۃ او بعد الفرقۃ ج ۴ ص ۳۳ من شرط بطلان النکاح و قد وجد۔ در ج ۳ ص ۲۲۳ میں ہے بانت الاولیان والثالثۃ امرأتہ لانہن حین ارضعتا حرمتا فحین ارضعت الثالثۃ لم یکن فی عصمتہ سواھا نیز فرماتے ہیں لم یکن فی نکاحہ غیرھا، بحر ج ۳ ص ۲۲۳ میں ہے لم یکن فی نکاحہ غیرھا ۱۲ منہ۔

[۲] تبینا مما سبق و قد مر من البدائع تنصیصا فتذکر ۱۲ منہ

[۳] یستلزم السابق و صرح بہ الشامی ج ۲ ص ۵۶۳ و انفسخ النکاح فی الاولیین مکررا، نیز ص ۵۶۵ انفسخ نکاحہا ۱۲ منہ

[۴] یستلزم السابق و قد مر النص من المبسوط اور بدائع ج ۴ ص ۱۱ میں ہے لان اقدامہا علی الارضاع دلالۃ الرضا بارتفاع النکاح و سیأتی من ابتداء بعض باذن اللہ تعالٰی ۱۲ منہ

کو کافور بنا دیتا ہے جس سے پوری پوری وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس حرمت کے طاری ہوتے ہی نکاح اٹھ گیا[1] اور تفریق[2] و متارکہ وغیرہ پر انفساخ موقوف نہیں رہا اور عدت[3] دخول یا خلوت کی صورت میں شروع ہو گی ورنہ لازم ہی نہیں اور مبانہ کی بنت[4] و اخت سے حسبِ دستور نکاح جائز ہو گیا اور پانچویں سے عقد کر سکتا ہے لبطلان نکاح السابقات او بعضھا و عدم العدۃ فی صورۃ عدم الدخول حقیقۃ و حکما

---

[1] لان الاصل ھو الحقیقۃ ولا یصار الی المجاز الا لمانع ولیس ھٰھنا ۱۲ منہ

[2] مبسوط ج ۵ ص ۴۷ میں ہے ان الفرقۃ بالردۃ کانت لفوات صفۃ الحل و ذٰلک مناف للنکاح الا تری ان الفرقۃ لا تتوقف علی قضاء القاضی فانہ ینافی النکاح ابتداء و بقاء فیکون نظیر المحرمیۃ و الملک نیز فرماتے ہیں لما لم تتوقف الفرقۃ علی القضاء اشبہ الفرقۃ بسبب المحرمیۃ، درالمختار مطبوع مع الشامی ج ۲ ص ۴۲۴، شرح الحموی للاشباہ والنظائر ص ۲۶۶ تقبیل سبی مع الایلاء یا اصلی اور اسی وقت سے ابتدائے عدت جس کے صریح دلائل بفضلہ و کرمہ تعالٰی آگے آرہے ہیں وہ اس عدم توقف کے دلائل صریح ہیں کہ اگر یہ توقف ہوتا تو عدت تفریق و متارکہ کے بعد شروع ہوتی کما فی الفاسد ۱۲ منہ غفرلہ

[3] صرح بہ فی الرضاع ایضا ولکن یکتفی بما ینقل عن ابواب العدۃ عن قریب باذنہ تعالٰی ان شاء اللہ تعالٰی عنہ غما ملحوظ ۱۲ منہ غفرلہ

[4] کما فی عامۃ المعتبرات اور تبرکاً امام قاضی خان ص ۱۹۰ و لہ ان یتزوج الصغیرۃ بعد ذٰلک لانھا صارت ابنۃ امرأتہ ولم یدخل بھا، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۴۳ میں ہے ولہ ان یتزوج واحدۃ منھن ایتھن شاء ۱۲ منہ غفرلہ

اور وہ بھی غیر[1] سے نکاح کر سکتی ہے نیز مہر[2] کا بصورت تسمیہ تفصیل معروف سے لزوم نصف و کل یا سقوط ثابت ہوگیا ورنہ متعہ و مہر المثل کا واجب الاداء ہونا نفیاً یا اثباتاً یہ سب وجوہ اسی ارتفاعِ نکاح کا بیّن ثبوت دے رہے ہیں اور ایسے ہی

---

[1] فی صورۃ عدم الدخول الحقیقی لانعدام العدۃ وکذا بعد انقضاء العدۃ عند الدخول وذا ظاھر جدا مما مضی ولتسمع عبارۃ المبسوط ج ۳ ص ۲۹۸ ولہ ان یتزوج الکبیرۃ فی الحال لان الصغیرۃ لیست فی عدتہ والکبیرۃ تعتد منہ وعدتہ لا تمنع نکاحہ وبعد انقضاء عدۃ الکبیرۃ لہ ان یتزوج ایتھما شاء اقول ولا فرق فی التزوج بینہ وبین غیرہ الا فی الکبیرۃ اذا کانت معتدۃ منہ ولفظۃ فی الحال نص علی المطلوب لان اعتداء الکبیرۃ فی الحال ینفی التفریق او المتارکۃ بعد الحرمۃ فاحفظ ۱۲ منہ

[2] ھذا الامر مامر وجاء مصرحا فی الجامع الصغیر ص ۴۰، مبسوط ج ۵ ص ۱۴۱ الی ۱۴۳، ج ۳۰ ص ۲۹۷ الی ۳۰۰۔ فتاوی قاضیخان ص ۱۹۰ الی ۱۹۲، بدائع صنائع ج ۴ ص الی ۱۲، ھدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۲ الی ۳۲۳، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ۲۳۱ الی ۲۳۳، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۵۶۵، ھندیہ ج ۲ ص ۳۴، ۳۴۴ فی اکثرھا مع التفصیل والتعلیل ولکن یکتفی بالکلمات الموجزۃ من الجامع الصغیر لمحرر المذھب علیہ الرحمۃ لامامتہ واصالتھا قال رضی اللہ تعالٰی عنہ رجل تزوج صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ ولم یدخل بالکبیرۃ وقد علمت الکبیرۃ ان الصغیرۃ امرأتہ فعلیہ للصغیرۃ نصف المھر ولا یرجع بہ علی الکبیرۃ الا ان تکون تعمدت الفساد ولا شیئ للکبیرۃ فی الوجھین اقول لا شک ان ھذہ فی صورۃ التسمیۃ وعند عدم التسمیۃ تکون المتعۃ وھو مھر المثل کالمھر وذا مقرر عندھم وسیأتی التصریح بہ باذنہ تعالٰی ۱۲ منہ

ابوابُ المہر کے قواعد و جزئیات بینونت و فرقت ارتفاعِ مذکور کی روشن ترین نشاندہی

له ہندیہ ج ۲ ص ۲۱ میں ہے واذا تأكد المهر لم يسقط وان جاءت الفرقة من قبلها بان ارتدت او طاوعت ابن زوجها بعد ما دخل بها او خلا بها وقبل ذلك يسقط جميع المهر لمجيئ الفرقة من قبلها كذا في المحيط۔ نیز مبسوط ج ۶ ص ۶۲، قاضیخان ص ۱۷۵، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۷ میں ہے والنظم من القاضيخان اذا وقعت الفرقة بين الزوجين قبل الدخول بها بفعل من قبل المرأة كالردة وتقبيل ابن الزوج وخيار البلوغ (الى ان قال) يسقط كل المهر ولا يجب شيئ۔ نیز تنویر و در میں ہے ويجب نصفه بطلاق قبل وطئ او خلوة۔ اس پر علامہ شامی نے ج ۲ ص ۵۶۳ میں فرمایا ولو قال بكل فرقة من قبله لشمل مثل ردته وزناه وتقبيله ومعانقته لام امرأته وبنتها قبل الخلوة قستانی من النظم، نیز قول در و تنویر ويتأكد عند وطئ او خلوة کے تحت فرماتے ہیں ج ۲ ص ۵۴۳ افاد ان المهر وجب بنفس العقد لكن مع احتمال سقوطه بردتها او تقبيلها ابنه او تنصفه بطلاقها قبل الدخول، نیز وہیں فرماتے ہیں قال في البدائع واذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك وان كانت الفرقة من قبلها لان البدل بعد تأكده لا يحتمل السقوط۔ نیز سقوط و غرم مہر کے مسائلِ کثیرہ مبسوط ج ۳۰ ص ۳۰۴ سے ۳۰۹ تک بھی ہیں جن پر کتاب کا اختتام ہے۔ نیز مرد کی طرف سے فرقت قبل از دخول ہو تو وجوبِ متعہ ہوتا ہے۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۰، شامی ج ۲ ص ۶۱۴، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۱۳ والنظم من الفتح لا تجب المتعة الا اذا كانت الفرقة من جهته كالفرقة بالطلاق والايلاء واللعان والجب والعنة وردته واباءه وتقبيله امها او ابنتها بشهوة۔ اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو ساقط ہو جاتا ہے، انہیں کتابوں سے ہے والنظم له وان جاءت الفرقة من جهتها فلا تجب كردتها واباءها الاسلام وتقبيلها ابنه بشهوة والرضاع الخ وكذا عبارات اخر تركت اختصارا وطلوعها بمجيئ الفرقة في جميع الصور مع التفصيل ۱۲ منہ

سے البنہ محررہ مذہب کی ایک عبارت ہر گز لکھی جاتی ہے امرأة قالت ان تزوجت فمهري صدقة فتزوجت على الف او شيئ من المكيل والموزون بغير عينه ثم ارتدت ولم يدخل بها او قبلت ابن الزوج بشهوة بطلبها الزوج وقد قبضت المهر ردته على الزوج او ردت نصفه في الطلاق تصدقت بمثل جميع المهر الا ولا يهمه

کر رہے ہیں پھر ابواب طلاق مریض و وراثت

؎ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر زوج کی مرض الموت میں بوجہ تقبیل المرأۃ ابن زوجہا وغیرہ صورتوں سے ہو تو عورت وارث نہیں ہوتی، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۵، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰، ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶، شامی ج ۲ ص ۷۱۸، ہدایہ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۳، قاضی خان ص ۲۶۷، مبسوط ج ۶ ص ۱۶۴ میں ہے والنظم من البحر ان الفرقۃ لو وقعت بتقبیل ابن زوجہا لا ترث مطاوعۃ او مکرہۃ اور اگر باپ نے لڑکے کو کہا کہ عورت کو مجبور کر کے بدکاری کرے تو اس بدکاری سے عورت کا حق ساقط نہیں ہوتا کہ فرقت زوج کی طرف سے ہے۔ مبسوط و بدائع کے انہیں صفحات میں ہے و النظم من المبسوط فان کان الزوج امر ابنہ بذٰلک کان لہا المیراث لانہ قاصد الی ابطال حقہا الخ بلکہ ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶ میں محیط سے ہے کہ اصل میں محرر مذہب علیہ الرحمہ کی یہ نص ہے اذا جامعہا ابن المریض مکرہۃ لم ترث قال فی الاصل الا ان یکون الاب امر الابن بذٰلک فینتقل فعل الابن الی الاب فی حق الفرقۃ کانہ باشر بنفسہ فیصیر فارا کذا فی المحیط اور جامع الفصولین ج ۲ ص ۱۷۴ میں بحوالہ اصل اسی طرح ہے اور شامی نے ج ۲ ص ۷۱۸ پر اسے نقل کر کے فرمایا ومثلہ فی الذخیرۃ معزیا للاصل وکذا فی الولوالجیۃ والہندیۃ اور اگر مطلقہ رجعی مطاوعت و تقبیل مذکورہ کرے تو وارث نہیں ہوتی کہ جدائی اسی کی طرف سے آئی۔ تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۷۲۰، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۹، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۱ میں ہے والنظم من الفتح اذا طاوعتہ بعد الرجعی لا ترث کما لو طاوعتہ حال قیام النکاح اور ایسے ہی اگر عورت اپنے مرض میں ایسے افعال سے جدائی کرے تو مرد وارث ہوتا ہے۔ جامع کبیر ص ۱۰۷، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰، فتح القدیر ج ۴ ص ۵، تنویر الابصار، در، شامی ج ۲ ص ۷۲۶، بحر الرائق ج ۴ ص ۴۴ میں ہے والنظم لمحرر المذہب فی باب من الفرقۃ فی المرض وکذٰلک امرأۃ ارتدت فی مرضہا او قبلت ابن زوجہا او دعتہ او اباہ الی جماعتہا ففعل اور ایسے ہی اور کئی مسائل وقوعِ فرقت پر دلالت کرتے ہیں صرف ایک پر اختصار کیا جاتا ہے ہدایہ میں فرمایا بخلاف ما اذا طاوعت فی حال قیام النکاح لانہا تثبت الفرقۃ فتکون راضیۃ ببطلان السبب عنایہ شرح الہدایہ اور فتح القدیر ج ۴ ص ۲ میں فرمایا وھو النکاح، بدائع ج ۳ ص ۲۲۰ میں ہے واد [illegible] البینونۃ من قبل المرأۃ کما اذا قبلت ابن زوجہا او اباہ بشہوۃ طائعۃ او [illegible] او اختارت نفسہا فی خیار الادراک او العتاق او عدم الکفاءۃ فان کان ذٰلک فی حالۃ الصحۃ فانہما لا یتوارثان بالاجماع کما اذا کانت البینونۃ من قبل الزوج ۱۲ منہ

اور کتبِ[1] حدود سے بھی اس بینونتِ کبریٰ کا پتہ چلتا ہے، پھر ضوابط و فروعِ کثیرہ ابوابِ عدت نے تو صریح فیصلہ ہی کر دیا کہ یہ فرقت طلاقِ بائن کا حکم رکھتی ہے کہ قبلِ[2] دخول و خلوت ہو تو عدت سرے سے ہی نہیں ورنہ لازم اور وقتِ[3] فرقت ہی سے شروع ہو جاتی

---

[1] ایسی فرقت میں حد نہیں لگتی اگرچہ حرام جانتا ہو، مبسوط ج ۹ ص ۸۸، قاضی خان ص ۸۲۰ میں ہے و النظم من قاضیخان وکذا لو ارتدت وحرمت علیہ او حرمت بجماع امہا او ابنتہا او بمطاوعتہا ابن الزوج ثم جامعہا و ان قال علمت انہا علی حرام لاحد علیہ وکذا فی البحر ج ۵ ص ۱۲ والفتح ج ۵ ص ۳۵ والدر وحاشیۃ الشامی ج ۳ ص ۲۰۹ فذکروا معہ الردۃ وفی المبسوط ففی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انہا صارت محرمۃ علی التابید و لکنہ استحسن فنفی عنہ الحد الخ ۱۲

[2] عدۃ الحرۃ للطلاق والفسخ الخ یہ تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۲۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۲۸، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۴۴ میں ہے اور ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۲، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے او وقعت الفرقۃ بغیر طلاق، ہدایہ میں ہے والفرقۃ اذا کانت بغیر طلاق فہی فی معنی الطلاق، در المختار میں ہے و منہ الفرقۃ بتقبیل ابن الزوج وکررہ الشامی بتقریر حسن و نحوہ فی شرح الوقایۃ بحر الرائق میں ہے لوجوبہا اسباب منہا الفرقۃ فی النکاح الصحیح سواء کانت بطلاق او بغیر طلاق بعد وطئ او خلوۃ نیز ص ۱۲۹ میں ہے وشمل جمیع اسبابہ من الفسخ (الی ان قال) والفرقۃ بتقبیل ابن الزوج ونحوہ، منحۃ الخالق میں نہر الفائق سے ہے ان الفرقۃ بالتقبیل من الفسخ ۱۲ منہ

[3] ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۵، در، تنویر، شامی ج ۲ ص ۸۳۹، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۰، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۷، کنز، بحر ج ۴ ص ۱۴۴ میں بالفاظِ متقاربہ ہے و مبدأ العدۃ بعد الطلاق او الموت، بحر الرائق میں ہے من وقتہ وکذا فی الھدایۃ وغیرھا، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۴۵ میں ہے فیکون مبدأ العدۃ من غیر فصل بالضرورۃ اور اسی الطلاق میں یقیناً فرقت بوجہ رضاع و مصاہرتِ طاریہ بھی داخل ہے لما مر قریبا و بعیدا نیز ایسے مسائل میں علماء نے اس شمول کی تصریح بھی فرمائی۔ بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۰ میں تحت قول الکنز تحد معتدۃ البت ہے اطلقہ فشملت الطلاق واحدۃ او اکثر والفرقۃ کما فی الخانیۃ نیز ص ۱۵۲ تحت قول الکنز ولا تخرج معتدۃ الطلاق من بیتہا ہے والمراد معتدۃ الفرقۃ

جس میں بشروط معتبرہ عورت پر عدّت اور رجعت فرقت میں رہنا لازم اور مرد پر نان و نفقہ

سواء کانت بطلاق او بغیرہ ولو کانت بمعصیۃ کما فی البدائع بر شامی ج ۲ ص ۱۰۴ تحت قول تمتن طلقت قبل الوطئ ہے والمراد بالطلاق فرقۃ جاءت من قبل الزوج (الی ان قال) وتقبیل ابنتھا او امھا بشھوۃ نیز ج ۲ ص ۷۰ قال ط والطلاق لیس بقید بل کذالک لو اباناھا بخیار بلوغ او تقبیل امھا او بنتھا او ردۃ کما فی البدائع وکانہ کنی بہ عن فرقۃ الخ ۱۲ منہ

لہ من الاسلام والعقل ونحوھما فی الحداد والنفقۃ والسکنی ونحوھما ۱۲ منہ

سلہ مبسوط ج ۶ ص ۱۰۹ ، قاضی خان ص ۳۶۶ ، ہدایہ ج ۲ ص ۴۲۷ ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۶۱ ، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۳۵ ، کرمانی بحرالرائق ج ۴ ص ۱۵۰ ، بدائع ج ۳ ص ۲۰۹ ، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۳۳ ، تنویر و در و شامی ج ۲ ص ۶۲۵ میں ہے والنظم من المبسوط والعدۃ بعد الفرقۃ من نکاح صحیح یجب فیھا الحداد و تدخل فیھا المبتوتۃ بطلاق عن الرضاع والمصاھرۃ وذا ظاھر جدا منہ ۱۲ منہ غفرلہ

سلہ قاضی خان ص ۴۵۲ ، مبسوط ج ۵ ص ۲۰۳ ، ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۴ ، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۲۵ ، کنز الدقائق ، بحرالرائق ج ۴ ص ۱۵۲ ، تنویر و در و شامی ص ۶۵۲ ، ۶۳۰ ، ۶۵۸ ، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۵ ، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۳۰ میں ہے و النظم من البحر تحت قول الکنز ولا تخرج معتدۃ الطلاق من بیتھا والمراد معتدۃ الفرقۃ سواء کانت بطلاق او بغیرہ ولو کانت بمعصیۃ کتقبیلھا ابن الزوج کما فی البدائع نیز بدائع میں ہے لو قبلت المسلمۃ ابن الزوج حتی وقعت الفرقۃ لوجبت العدۃ اذا کان بعد الدخول فلیس لھا ان تخرج من منزلھا کذا فی البدائع ، نیز اسی میں ہے علی المعتدۃ ان تعتد فی المنزل الذی یضاف الیھا بالسکنی حال وقوع الفرقۃ والموت کذا فی الکافی انتھی وکذا فی الھدایۃ

تکہ مبسوط ج ۵ ص ۲۰۳ ، ۲۰۴ ، بدائع صنائع ج ۴ ص ۱۶ ، ۱۵ و ج ۳ ص ۲۱۱ ، فتاوی قاضیخان ج ۳ ص ۳۰۰ ، فتح القدیر ج ۴ ص ۲۱۵ ، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۶۹ ، بحرالرائق ج ۴ ص ۲۰۰ ، تنویر در ، شامی ج ۲ ص ۹۲۹ تا ۹۳۲ میں بالفاظ متقاربہ ہے و النظم من الفتح ان الفرقۃ اما من قبلہ او قبلھا ففی الاول لھا النفقۃ مطلقا سواء کانت بغیر معصیۃ مثل الفرقۃ بطلاق او لعان او جب او عنۃ بعد الخلوۃ (الی ان قال) او بمعصیۃ مثل الفرقۃ بتقبیلہ بنت زوجتہ (الی ان قال) واما الثانی فاما بمعصیۃ مثل تمکینھا ابن الزوج

اور سکنیٰ و کسوت کونسی صورتوں میں ضروری اور کہاں ضروری نہیں اور اسی بیان سے فرید روشن

اوابانہا اذا اسلم ہو وہی وثنیۃ او مجوسیۃ وردتہا فلا تجب لہا نفقۃ لانہا والحالۃ ہذہ حابسۃ

نفسہا بغیر حق فکانت کالناشزۃ واما بغیر معصیۃ مثل الفرقۃ بخیار البلوغ والعتق وعدم الکفاءۃ

ووطئ ابن الزوج لہا مکرہۃ تجب لانہا حبست نفسہا بحق لہا او عذرت شرعا فیہ ولہا السکنی

فی جمیع الصور لان القرار فی منزل الزوج حق علیہا فلا یسقط بمعصیتہا اما النفقۃ فحق لہا فتجاری

بسقوط بمعصیتہا۔ محرر مذہب علیہ الرحمۃ کے جامع کلمات جامع کبیر ص ۱۹۳ کے یہ ہیں جو بطور تبرک درج ہیں وکل

بینونۃ جاءت من قبل الزوج بمعصیۃ او غیرہا او جاءت من قبل المرأۃ من غیر معصیۃ فلہا

السکنی والنفقۃ فی العدۃ وکل بینونۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ فلا نفقۃ لہا، پھر اس کے تحت

فرمایا امرأۃ ارتدت ثم اسلمت او لم تسلم فلا نفقۃ لہا ولہا السکنی وکذلک لو قبلت ابن الزوج۔ ہدایہ

ج۲ ص ۴۲۴، عنایہ ج۳ ص ۲۱۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج۴ ص ۲۰۰ نیز ج۴ ص ۱۵۳، در المختار، شامی ج۲ ص ۸۵۶ نیز

ج۲ ص ۸۸۹ میں ہے والنظم من الہدایۃ وکل فرقۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ مثل الردۃ

وتقبیل ابن الزوج فلا نفقۃ لہا الخ ویفہم من ہذا باعتبار المفہوم کما مر الآن مفصلا۔ بدائع

صنائع ج۴ ص ۱۷، بحر الرائق ج۴ ص ۲۰۰، شامی ج۲ ص ۹۲۳، کفایہ، عنایہ، فتح القدیر ج۴ ص ۲۱۲، ہندیہ ج۲ ص ۱۴۸

میں ہے والنظم من البدائع ولو طاوعت ابن زوجہا او اباہ فی العدۃ او لمستہ بشہوۃ فان

کانت معتدۃ من طلاق وہو رجعی فلا نفقۃ لہا، ہندیہ کے ماسوا سب نے بالفاظ متقاربہ ایک ہی علت

بیان فرمائی والنظم من العنایۃ لان الطلاق الرجعی لا یقع بہ الفرقۃ وکان وقوع الفرقۃ

بسبب وجد منہا وہو معصیۃ فیوجب ذلک سقوط النفقۃ، نیز فتاویٰ قاضی خان ص ۱۹۴ میں

بلاتعلیل ہے وکذا اذا طاوعت ابن الزوج او قبلتہ اذا فعلت ذلک فی العدۃ عن طلاق

رجعی سقطت النفقۃ، جامع کبیر ص ۹۴ میں ہے امرأۃ طلقہا زوجہا ثلاثا او واحدۃ بائنۃ

(الی ان قال) ثم قبلت فی العدۃ ابن الزوج او لمستہ لم تبطل نفقتہا، اور اس کی مثل اور

بہت سی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی اپنے مفہوم مخالف سے مسئلۂ سابقہ پر بھی دال ہے ومفہوم الکتب

معتبر، کنز، بحر الرائق ج۴ ص ۱۹۸، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج۲ ص ۹۲۱ میں ہے والنظم من البحر

والمنقول فی الذخیرۃ والخانیۃ والعنایۃ والمجتبی ان المعتدۃ تستحق الکسوۃ ۲

فتاویٰ نوریہ جلد دوم

کی طرح روشن ہوا کہ ایسی صورت میں نکاح صحیح فاسد بن کر بھی باقی نہیں رہ سکتا
نکاح فاسد میں فرقت[5] پائی نہیں جاتی بلکہ تفریق[1] قاضی یا متارکہ دفسخ سے
لائی جاتی ہے پھر اس میں عدت[2] کا ابتدا بھی تفریق وغیرہ کے قبل نہیں ہو سکتا
اور وہ بھی صرف خلوت[3] سے نہیں بلکہ بشرطِ دخول ہے اور صورت پر عداد[4]

---

[1] کما فی عامۃ المعتبرات صرف فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ کی عبارت پر اکتفاء کیا جاتا ہے ورفع ھذہ الشبھۃ بالتفریق او بالافتراق اذ لا یتحقق الطلاق فی النکاح الفاسد فلا یرتفع الا بما قلنا الخ ۱۲ منہ عفرلہ

[2] ہدایہ ج ۲ ص ۴۰۵، شرح الوقایہ ج ۲ ص ۱۵۰، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۰، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ و ج ۴ ص ۱۵۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، و ج ۴ ص ۱۵۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۶ میں ہے والعدۃ فی النکاح الفاسد عقیب التفریق نیز فتاوٰے قاضی خان ص ۲۶۳، خلاصۃ الفتاوٰے ج ۲ ص ۱۱۸، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے والنظم من الھندیۃ کان علیھا الاعتداد من وقت التفریق وکذا لو کانت الفرقۃ بغیر قضاء کذا فی الظھیریۃ، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۴۱، ۸۴۲، فتح القدیر ص ۱۵۵ وعنایہ ج ۴ ص ۱۵۵ میں ہے والنظم من الدر ومتنہ وسبدأھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق (الی ان قال) او المتارکۃ ای اظھار العزم من الزوج علی ترک وطئھا بان یقول بلسانہ ترکتک الخ ۱۲

[3] فتاوٰے قاضی خان ص ۲۶۳، فتح القدیر، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، شامی ج ۲ ص ۸۳۵ نیز تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۳۴، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۴ میں ہے والنظم من التنویر مع الدر وتجب العدۃ بعد الوطئ لا الخلوۃ الخ ۱۲

[4] مبسوط ج ۶ ص ۵۸، ۵۹، ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۷، ہدایہ، فتح القدیر، عنایہ ج ۴ ص ۱۶۴، قاضی خان ص ۲۶۶، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۲، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۱، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۹، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۵۰ میں ہے والنظم لقاضیخان والمعتدۃ عن النکاح الفاسد تخرج ولا حداد علیھا ۱۲

[5] الفرقۃ زوال النکاح او شبھتہ شامی ج ۲ ص ۸۰۵ ۱۲

اور بیت فرقت میں رہنا لازم نہیں اور نہ ہی مرد پر نان و نفقہ و سکنیٰ و کسوت رہا عبارت مذکورۂ فی الاستفتاء سے استدلال تو وہ بھی خالی از اختلال نہیں کہ اس کا تعلق درء الحد کے ساتھ ہے جس کے لئے نکاح کا وجود کیا شبہ بھی ضروری نہیں جیسے استئجار علی الزنا وغیرہ بکثرت ایسی صورتیں ہیں کہ جن میں نکاح یا شبہ نکاح کا قطعاً نام و نشان تک نہیں اور حد بھی لازم نہیں تو اصطلاحاً ان میں مجامعت پر لفظِ زنا کا اطلاق نہ ہوگا ہندیہ ج ۲ ص ۲۲۷ میں ہے الوطئ الموجب للحد هو الزنا كذا فى الكافى حالانکہ معنوی طور پر زنا ہی ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ حکم ان النکاح لا یرتفع بوجه بقاء العدة وغيرها ہو کہ آثارِ نکاح ہیں جیسے معتدہ طلاق بائن کی وطی مستلزم حد نہیں

ل ہندیہ ج ۲ ص ۱۳۸، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۳، ج ۴ ص ۱۴۶، در المختار، شامی ج ۲ ص ۸۵۶، ج ۲ ص ۸۵۷، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۰۷، قاضی خان ص ۲۶۶، خلاصۃ الفتاوے ص ۱۱۸ میں ہے و النظم من البدائع واما المعتدة فى النكاح الفاسد فلها ان تخرج لان احكام العدة مرتبة على احكام النكاح بل هى احكام النكاح السابق فى الحقيقة بقيت بعد الطلاق والوفاة والنكاح الفاسد لا يفيد المنع من الخروج فكذا العدة ۱۲ منہ غفرلہ

ﷺ فتاوےٰ قاضی خان ص ۲۰۱، بدائع صنائع ج ۳ ص ۲۱۱، شامی ج ۲ ص ۹۲۱ میں ہے والنظم للشامی تحت قول المتن و لمطلقة الرجعى والبائن والفرقة بلا معصية كخيار عتق النفقة والسكنى والكسوة وقيد بالرجعى والبائن احترازا عما لو اعتق ام ولده فلا نفقة لها فى العدة كما فى الحاكم وعما لو كان النكاح فاسدا (الى ان قال) وفى المجتبى و نفقة العدة كنفقة النكاح ۱۲ منہ غفرلہ

ﷺ بالتفصيل بين مبانة الثلاث و الخلع بين مبانة الالف من الثلاث كما فى حدود عامة الكتب ۱۲

منہ غفرلہ

اور فساد بمعنی بطلان بھی شائع ذائع ہے[1] تو حاصل یہ ہوا کہ حکم نکاح انعدام حد الواطی بوجہ بقائے عدت[2] مرتفع نہیں ہوتا اور نفس نکاح باطل ہوجاتا ہے یا لا یرتفع کا یہ معنی ہو کہ لا یرتفع عند جمیع الائمۃ[3]

---

[1] کما فی فساد الوضوء والصلوٰۃ بل وفی النکاح ایضا یرد بمعنی البطلان کما لایخفی علی من طالع کتب المذھب ففی احکام القرآن ج ۲ ص ۱۴۳ للامام ابی بکر الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ فی بیان المناظرۃ فی ثبوت المصاھرۃ بالزنا مام الزوجۃ وغیرھا ان احدا لایمتنع من اطلاق القول بفساد صلوٰتہ اذا فعل فیھا مایوجب بطلانھا کما لایمتنع من اطلاق القول بفساد النکاح اذا وجد فیہ مایبطلہ فان کان الذی اوجب الفرق بینھما انہ لایطلق اسم الفساد علی الصلوٰۃ مع بطلانھا مع اطلاق الناس کلھم ذلک فیھا فانہ لایعوز خصمہ ان یقول مثل ذلک فی النکاح انی لا اقول ان نکاحہ یفسد والنکاح لایکون فاسدا فاسدا بعد وھوان ناھوالفاسد فاما النکاح فلم یفسد ولکن المرأۃ بانت منہ وخرجت من حبلہ فھما سواء من ھذا الوجہ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] اقول ھذا ھو المعتمد وصرح بہ فی تعلیل عدم حد الواطیٔ بعد حرمۃ المصاھرۃ فی مبسوط ج ۹ ص ۸۸، فتح القدیر ج ۵ ص ۳۵، بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲، در المختار والشامی ج ۳ ص ۲۰۹ والنظم من المبسوط قال واذا حرمت المرأۃ علی زوجھا بردتھا او مطاوعتھا لابنہ او جماعہ مع امھا ثم جامعھا وھو یعلم انھا علیہ حرام ففی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انھا صارت محرمۃ علی التابید ولکنا استحسن فدرء عنہ الحد لان العلماء یختلفون فی عدتھا ومنھم من یقول یتوقف زوال الملک بالردۃ علی انقضاء العدۃ وکذلک یختلفون فی ثبوت حرمۃ المصاھرۃ بالوطی الحرام بل الشامی قال لخلاف الشافعی رحمہ اللہ تعالی اھ وقد صرحوا بعدم الحد فی وطی المبانۃ بالکنایات ولو بنیۃ الثلاث للاختلاف کما فی الھدایۃ والعنایۃ ج ۵ ص ۳۵ وفتح القدیر ج ۵ ص ۳۴ والبحر الرائق ج ۵ ص ۹ والدر المختار ورد المحتار ج ۳ ص ۲۰۸ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے وبسبب العدۃ لہ علیھا ملک الید وقد بینا ان ملک الید معتبر فی الاشتباہ بالیمین، ج ۳ ص ۲۰۸ میں ہے ان بعض احکام النکاح حالۃ العدۃ قائم فکان النکاح قائما من وجہ الثابت من وجہ کالثابت من کل وجہ۔ ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۲ ان نکاح الاولی قائم لبقاء بعض احکامہ اور ایسے ہی اور دوسری کتابوں میں بھی ہے ۱۲ منہ غفرلہ

فی جمیع الصور کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک زنا وغیرہ حرام کاری سے مصاہرت ثابت ہی نہیں ہوتی اور ایسے ہی رضاع قلیل سے بھی حرمت نہیں مانتے تو ان کے نزدیک بعض مواد میں نکاح باقی رہیگا اور بعض ائمہ کے نزدیک نکاح کا ہونا درء الحد کیلئے کافی ہے اور قبل التفریق کی قید اس لئے کہ تفریق قاضی اختلاف اٹھا دیتی ہے کما صرحوا بہ فی حکم القاضی فی المجتہد فیہ، میرے خیال میں بعض متاخرین حضرات کو اسی قبل التفریق سے زیادہ دھوکا لگا کہ[1]

---

[1] ثلاثین شامی ج ۱ ص ۱۳ میں ہے قلت فحیث علمت وجوب اتباع الراجح من الاقوال وحال المرجح لہ تعلم انہ لاثقۃ بما یفتی بہ اکثر اھل زماننا بمجرد مراجعۃ کتاب من الکتب المتأخرۃ خصوصا غیر المحررۃ کشرح النقایۃ للقھستانی والدر المختار والاشباہ والنظائر ونحوھا فانھا لشدۃ الاختصار والایجاز کادت تلحق بالالغاز مع ما اشتملت علیہ من السقط فی النقل فی مواضع کثیرۃ وترجیح ما ھو خلاف الراجح بل ترجیح ما ھو مذھب الغیر مما لم یقل بہ احد من اھل المذھب در المختار نے مسئلہ احصان میں وطی بنکاح فاسد وملک فاسد کو برابر فرمایا۔ اس پر شامی فرماتے ہیں[2] کذا فی شرح الوھبانیۃ عن المنتقی وتبعھا المصنف فی المنح وھو خلاف نص المذھب ففی کافی الحاکم رجل اشتری جاریۃ شراء فاسدا فوطئھا ثم قذفہ انسان قال علی قاذفہ الحد الخ شامی ج ۲ ص ۱۴۱ میں قول در وقیدہ فی البحر بحثا بکونہ بعد العدۃ لعدم الحد بوطئ المعتدۃ کے تحت ہے قد ردہ السائحانی بان ھذا البحث وان تابعہ علیہ غیر واحد فیہ غفلۃ عن فھم تعلیل المسئلۃ الخ نیز امرأۃ الفار کے ایک مسئلہ میں در المختار میں توریث فرمایا، شامی میں ہے صوابہ لم ترث نیز اسی صفحہ میں ہے وللمحقق ھنا کلام مصادم للمنقول فھو غیر مقبول اور اس کی نظائر بے شمار ہیں، شامی علیہ الرحمۃ ثلاثین ج ۱ ص ۱۳ میں فرماتے ہیں وقد یتفق نقل قول فی نحو عشرین کتابا من کتب المتأخرین ویکون القول خطأ اخطأ بہ اول واضع لہ فیأتی من بعدہ وینقلہ عنہ وھکذا ینقل بعضھم عن بعض کما وقع ذلک فی بعض مسائل مما یصح تعلیقہ ومالا یصح کما نبہ علی ذلک العلامۃ ابن نجیم فی البحر الرائق الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[2] ج ۳ ص ۲۳۲

نکاح فاسد میں بھی تفریقِ قاضی ہوتی ہے پھر بل یفسد کو جس سے اصل شبہ پیدا ہوا تھا نکاح فاسد اصطلاحی پر محمول کر کے وان مضی علیہ السنون وغیرہ احکامِ نکاحِ فاسد چسپاں کر دئے یا اس نکاح سے مراد ہی نکاحِ فاسد ہو تو مطلب یہ بنا کہ نکاحِ فاسد حرمتِ طارئہ سے مرتفع نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہی رہتا ہے کما فی طہارۃ المعذور مع الناقض الطاری فی الوقت اور اس میں بھی حد نہیں ان توجیہوں سے تضادِ اقوال اٹھ گیا اور اتفاقُ القیام عبارات ثابت ہو گیا اور یہی بہتر ہے، عباراتِ ائمہ و مشائخ میں اس کی نظائر بکثرت ہیں کہ تقییدات[1] سے تطابق پیدا کیا جاتا ہے بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ اطلاقاتِ[2] فقہاء غالباً ایسی قیدوں سے مقید ہوتے ہیں جنہیں فہمِ مستقیم والے پہچانتے ہیں اور[3] ان اطلاقات سے ان کا ایک خاص مقصد بھی ہوتا ہے اور اگر کسی صاحب کو اصرار ہی ہو کہ

---

[1] مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے قال الرجل طلق امرأتہ ثلاثا او خالعہا ثم وقع علیہا فی عدتہا فان قال ظننت انہا تحل لی فلاحد علیہ وان قال علمت انہا علی حرام فعلیہ الحد و فی الاصل او طلقہا واحدۃ بائنۃ والمراد الخلع فاما ما یکون بلفظ البینونۃ فقد ذکر بعد ھذا انہ لاحد علیہ علی کل حال اور اس کے بے شمار نظائر خادم کتب پر مخفی نہیں ۱۲ منہ غفرلہ

[2] شامی ج ۱ ص ۲۳۵، بحر الرائق ج ۱ ص ۴۷ میں ہے ان اطلاقات الفقہاء فی الغالب مقیدۃ بقیود یعرفہا صاحب الفہم المستقیم الممارس للاصول والفروع و انما یسکتون عنہا اعتمادا علی صحۃ فہم الطالب ۱۲

[3] شامی، رد المحتار ص ۳۰۴ جلد اول میں فرماتے ہیں قال الرحمتی واطلق اعتمادا علی ما تقدم و یاتی کما ھو عادتہم فی الاطلاق اعتمادا علی التقیید فی محل قال فی البحر و قصدہم بذلک ان لا یدعی علمہم الا من زاحمہم علیہ بالرکب ولیعلم انہ لا یحصل الا بکثرۃ المراجعۃ وتتبع عباراتہم والاخذ عن الاشیاخ الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[4] شامی جلد دوم ص ۳۰۹ میں فرماتے ہیں وان کان فاسدا یسمی نکاحا کما شاع فی عباراتہم ۱۲ منہ غفرلہ

یہ عبارت اپنے اطلاق پر ہی ہے تو معروض کہ چونکہ یہ عبارت مبسوط کی ہے جسے اصل کہا جاتا ہے وہ درا صل اولِ تصانیفِ ظاہر الروایہ ہے اور ثالثِ تصنیفات[عہ] جامع کبیر[1] میں متعدد جزئیات صریحہ وقوعِ بینونت بہ حرمتِ مصاہرت ورضاع موجود ہیں اور جامع صغیر[2] ثانی تصانیف میں بھی ہیں حالانکہ ماخوذ ومعمول بہ قولِ آخر ہی ہوتا ہے کہ سابق ومتاخر میں تعارض نہیں ہو سکتا تو وہی مذہب بنا اور پہلا رجوع عنہ قرار پایا لہٰذا مبسوط سرخسی[3] میں حرمتِ مصاہرت میں صاف صاف فرمادیا لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب۔

---

[1] جامع کبیر ص ۱۰۰ باب من الفرقۃ فی المرض میں ہے او قبلت ابن زوجھا او دعتہ او اباہ الی مجامعتہا فصل ص ۷۷ میں ہے او قبلت ابن الزوج بشہوۃ نیز باب من الوکالۃ والنقض من الوکالۃ ص ۹۹ میں ہے او زوجہ اختہا فقد انتقض نکاح الاولی اور اسی طرح دو اور مسئلوں میں بھی فرمایا، نیز ص ۱۰۱ میں ہے ثم زوجہ الاخری اختہا انتقض النکاح فی الاولی، نیز ص ۱۹۳ میں ہے وکل بینونۃ جاءت من قبل المرأۃ بمعصیۃ فلا نفقۃ لہا نیز اس کے تحت فرماتے ہیں امرأۃ ارتدت ثم اسلمت ولم تسلم فلا نفقۃ لہا وکذلک لو قبلت ابن الزوج ۱۲

[2] جامع صغیر مطبع علوی ص ۴۰ رجل تزوج صغیرۃ وکبیرۃ فارضعت الکبیرۃ الصغیرۃ ولم یدخل بالکبیرۃ وقد علمت الکبیرۃ ان الصغیرۃ امرأتہ فعلیہ للصغیرۃ نصف المہر ولا یرجع بہ علی الکبیرۃ الا ان تکون تعمدت الفساد ولا شیئ للکبیرۃ فی الوجہین ۱۲ منہ غفرلہ

[عہ] بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۸، شامی ج ۱ ص ۶۵، ثلٰثین ج ۱ ص ۱۹ میں ہے والنظم للشامی وفی باب العیدین من البحر والنہر ان الجامع الصغیر صنفہ محمد بعد الاصل فما فیہ ھو المعول علیہ ثم قال فی النہر سمی الاصل اصلا لانہ صنف اولا ثم الجامع الصغیر ثم الکبیر ثم الزیادات کذا فی غایۃ البیان انتہٰی اقول ولذا بعینہ اقول ما فی الجامع الکبیر ھو المعول علیہ ایضا بالنسبۃ الی الاصل ۱۲ ابو الخیر نعیم غفرلہ

[3] شامی ج ۱ ص ۶۴ میں ہے واعلم ان من کتب مسائل الاصول کتاب الکافی للحاکم الشہید وھو کتاب معتمد فی نقل المذہب شرحہ جماعۃ من المشائخ منھم الامام شمس الائمۃ السرخسی وھو المشہور بمبسوط السرخسی قال العلامۃ الطرسوسی مبسوط السرخسی لا یعمل بما یخالفہ ولا یرکن الا الیہ ولا یفتی ولا یعول الا علیہ کذا فی ثلاثین للشامی علیہ رحمۃ ج ۲ ص ۲۰ وفیہ زیادۃ من النظم ۱۲ منہ غفرلہ

ایلمومنہ بالخلع ج ۹ ص ۸۸ بلکہ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ اصل سے ہی امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص مل گئی ہے جامع الفصولین ج ۲ ص ۴۷، ابرمز اصل ہندیہ ج ۲ ص ۱۰۶ المحیط سے شامی ج ۲ ص ۷۱۸ میں ذخیرہ سے بالفاظ متقاربہ ہے والنظم من الهندية اذا جامعها ابن المريض مكرهة لم ترث قال فى الاصل الا ان يكون الاب امر الابن بذلك فينتقل فعل الابن الى الاب فى حق الفرقة كانه باشر بنفسه فيصير فاراً تو صاف صاف حکم فرقت ہے اور ایسے ہی فار ہونے کا حکم بھی لگا دیا حالانکہ فار فرقت وبینونت میں ہی بنتا ہے حتی کہ طلاقِ رجعی سے فار نہیں بنتا کما ھو معقد اور اس جزئیہ پر سوال میں جو اصل سے منقول ہوا حتی غایۂ سے نفی حد کا صاف صاف ذکر ہے جو قرینۂ اختصاص حکم عدم ارتفاع بنفی الحد ہے، تحقیق مسائل وتنقیح حق کے لئے یہ ضروری ہے کہ صرف ظاہری اطلاق پر نظر نہ رہے بلکہ تقییدِ خفی کا بھی لحاظ رکھا جائے اور وجہ الحکم پر نظر رکھی جائے ورنہ اشتباہ وحیرت کا ہونا لزومی ہے، بحر الرائق ج ۱ ص ۳۰ میں ہے ان فهم المسائل على وجه التحقيق يحتاج الى معرفة اصلين احدهما ان اطلاقات الفقهاء فى الغالب مقيدة بقيود يعرفها صاحب الفهم المستقيم الممارس للاصول والفروع وانما يسكتون عنها اعتماداً على صحة فهم الطالب والثانى ان هذه المسائل اجتهادية معقولة المعنى لا يعرف الحكم فيها على الوجه التام الا بمعرفة وجه الحكم الذى بنى عليه وتفرع عنه والا فتشتبه المسائل على الطالب ويحار ذهنه فيها لعدم معرفة الوجه والمبنى ومن اهمل ما ذكرناه حار فى الخطأ او الغلط.

بیانِ سابق بادنیٰ غور صاف صاف بتا دیتا ہے کہ یہی صورت یہاں پیش آئی کہ ان النکاح لا یرتفع؟ الی آخرہ میں ظاہری اطلاق پر نظر رہی اور مبنائے حکم کا خیال بھی نہ کیا گیا تو حیرت وخطا وغلطی سے واسطہ پڑ گیا۔

کے شامی ج ۲ ص ۷۱۸ میں کذا فی الولوالجیۃ والہندیۃ ۱۲ ابو الخیر غفرلہ

بہر حال حضرتِ امام محمد علیہ الرحمہ کے ارشاداتِ عالیہ سے ہی ثابت ہو گیا کہ بینونت ہو گئی، پھر صدہا ضوابط و اصول و فروع جن کی جانب اجمالی اشارے ہو چکے نہایت پُرزور منادی کر رہے ہیں کہ مذہب یہی ہے کہ نکاح بالکل باقی نہ رہا تو وہ استدلال بھی ہباءً منثوراً ہو گیا تو اس کو کالعدم تصور کیا جائے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے صدہا نصوصِ اصول و ضوابط و جزئیات مذہبیہ صریحہ کو پامال کر دیا جائے۔

للہ الحمد کہ بتوفیقہ تعالیٰ ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیم روز کی طرح واضح و ہویدا ہو گیا کہ صورتِ مذکورہ کی دونوں شقوں میں نکاح اصلاً باقی نہ رہا، زائل و باطل و منفسخ ہو گیا اور عورت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی اور یہ نہیں کہ بصورتِ فاسد باقی رہ گیا کہ صحیح تو اٹھ گیا اور فاسد تھا ہی نہیں اور نہ ہی نئے سرے سے منعقد کیا گیا تو رہا کیا؟

رہا یہ شبہ کہ اگر حرمت سابقہ ہو اور قصداً نکاح کیا جائے تو بصورتِ فاسد منعقد ہو جاتا ہے لہٰذا حرمتِ طارئہ میں بھی بصورتِ فاسد باقی رہ جانا چاہئے، تو یہ محض دھوکا ہے، اگر یہ قیاس صحیح ہوتا تو جن جن چیزوں کے ہوتے ہوئے نکاح صحیح منعقد ہو جایا کرتا ہے، ان کے طاری ہونے کی صورت میں صحیح ہی رہتا حالانکہ کئی ایسی چیزیں ہیں کہ طاری ہو جائیں تو صحیح کیا فاسد کی شکل میں بھی نہیں رہنے دیتیں جیسے طلاقِ بائن و خلع وغیرہ کے بعد مطلقہ و مخلوعہ سے نکاح صحیح ہو جاتا ہے مگر نکاح صحیح پر طلاقِ بائن یا خلع طاری ہو جائے تو بالکل زائل ہو جاتا ہے۔

صورتِ مسئول عنہا کی دونوں شقوں کے صریح جزئیے بھی بکثرت کتب فقہیہ میں موجود ہیں بطورِ مثال صرف ایک پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے۔ بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۴۰ وجہ ما یرفع حکم النکاح کے بیان میں ہے ومنها الرضاع الطارئ على النكاح كمن تزوج صغيرة فارضعتها امه بانت منه لانها صارت اخته من جهة الرضاع نیز اسی میں ہے ومنها المصاهرة الطارئة

بان وطی امرأة او ابنتها والفرقة بها فرقة بغیر طلاق لانها حرمة مؤبدة کحرمة الرضاع والفرق فی هذه الوجوہ کلها بائنة نیز اسی کے ج ۲ ص ۲۹۵ میں ہے ان الفرقة بغیر طلاق تکون فسخا للعقد نیز اسی میں ہے ان فسخ العقد رفعه من الاصل وجعله کان لم یکن اور اس وضاحتِ حق کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ ان اکابر حضرات (جو بقاء نکاح مع الفساد کا حکم دے کر نکاح فاسد کے احکام ضرورت تفریق و متارکہ وغیرہ ثابت کرتے ہیں) اسے سہو و نسیان ہوگیا ہے اور انسان پر سہو و نسیان کا طاری ہو جانا کوئی نئی چیز نہیں، پھر یہ سہو در سہو بھی ہوگیا کہ مطلقاً تفریق و متارکہ ضروری قرار دیتے ہوئے متارکہ و فسخ کو مختص بہ زوج اور وہ بھی مقید بہ قول کر دیا حالانکہ اگر بالفرض نکاح فاسد بن کر باقی رہ بھی جاتا جب بھی حق جواب ہرگز ہرگز یہ نہ ہوتا بلکہ یوں ہوتا تھا کہ اگر دخولِ حقیقی[1] فسادِ نکاح سے قبل اور بعد مطلقاً نہیں پایا گیا تو صرف متارکہ ہی کافی ہے گو بہ نیتِ عدمِ عود[2] تفرق ابدان

---

[1] قاضی خان ص ۲۶۳، بدائع ج ۳ ص ۱۹۲، کنز و بحر ج ۳ ص ۱۷۲، ہندیہ ج ۲ ص ۴ ۱۳، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم من الدر مع المتن وتجب العدة بعد الوطی لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکة الزوج الخ وکذا فی الکتب المعتبرة الاخر ۱۲ منہ

[2] ہدایہ، عنایہ، فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۵، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۶، ہندیہ ج ۲ ص ۷ ۱۳، تنویر، در، شامی ج ۲ ص ۴۸۱، ۴۸۲ و ج ۲ ص ۵۶۹ میں ہے والنظم من التنویر مع الدر مبدأها فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینهما (الی ان قال) او المتارکة ای اظهار العزم من الزوج علی ترک وطئها (الی ان قال) لو مدخولة والا فیکفی تفرق الابدان فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے ولا تتحقق المتارکة الا بالقول (الی ان قال) قال الشیخ الامام فخر الدین قاضیخان هذا فی المدخول بها اما فی غیرها فبتفرق الابدان بان لا یعود علیها۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۲۰۳ میں ہے او المتارکة بالقول فی المدخولة و فی غیرها یکتفی بتفرق الابدان ۱۲

سے ہی ہو اور عدت ہرگز ہرگز نہیں کما مر اور فسادِ نکاح سے پہلے ہی دخول ہوا تھا بعد میں نہ ہوا تو چونکہ فاسد من حیث ہو فاسد میں دخول نہ پایا گیا لہٰذا اس صورت میں بھی وہی تفرقِ ابدان ہی کافی ہے کہ نکاحِ فاسد کا قبل از دخول کوئی حکم ہی نہیں[1] اور نکاحِ صحیح میں دخول حکماً بھی دخول فی الفاسد نہیں بنتا[2] اگرچہ انعقادِ فاسد استقلالاً ہو البتہ نکاح اول کے دخول بلکہ خلوت کی بھی عدت من حیث ہی حکم الاول لازم ہوگی اور اگر فاسد ہونے کے بعد دخول ہوا تو متارکہ بالقول ضروری ہے[3] اور سب صورتوں میں عورت بھی حق متارکہ رکھتی ہے[4] کہ نکاح فاسد واجب

---

[1] خانیہ ص ۱۶۰، ہندیہ ج ۲ ص ۳۵، ۳۶، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۱، بدائع صنائع ص ۳۳۵ میں ہے والنظم من البدائع واما النکاح الفاسد فلا حکم لہ قبل الدخول وکذا فی الکتب الاخر ۱۲ منہ غفرلہ

[2] فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۸، قاضی خان ص ۱۶۲، بحر الرائق ج ۴ ص ۱۴۹، شامی ص ۳۴۸ میں ہے والنظم من الفتح ولو کان علی القلب بان تزوجہا صحیحا اولا ثم طلقہا بعد الدخول ثم تزوجہا فی العدۃ فاسدا لا یجب علیہ مہر ولا علیہا استقبال العدۃ ویجب علیہا تمام العدۃ الاولی بالاتفاق والفرق لہما انہ لا یتمکن من الوطیٔ فی الفاسد فلا یجعل واطئا حکما لعدم الامکان حقیقۃ ولہذا لا یجعل واطئا بالخلوۃ فی الفاسد حتی لا یجب علیہا العدۃ بہا ولا علیہا المہر ۱۲

[3] فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵، ج ۴ ص ۱۵۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۰، شامی و در ج ۲ ص ۵۶۹ شامی ج ۲ ص ۵۶۷ وغیرہ میں ہے والنظم من الفتح الرابع وفی الخلاصۃ والنصاب المتارکۃ فی النکاح الفاسد بعد الدخول لا تکون الا بالقول الخ ۱۲ منہ غفرلہ

[4] تنویر، در، ہش ج ۲ ص ۴۸۳، شامی ج ۲ ص ۴۸۳، خلاصہ ج ۲ ص ۱۴۱، ہندیہ ج ۲ ص ۳۵، فتح القدیر ج ۳ ص ۲۴۵، عنایہ ج ۳ ص ۲۴۵، بحر عن الذخیرۃ ج ۳ ص ۱۷۲ والنظم من التنویر مع الدر فان اتم وانقن ویثبت لکل واحد منہما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلا ینافی وجوبہ ۱۲ منہ غفرلہ

زنا اور مرد کی طرح عورت بھی مکلف ہے، اس پر بھی گناہ سے فرار لازم ہے۔ ہاں بعض
حضرات لفظِ متارکہ میں مناقشہ کرتے ہیں کہ مختص بفسخ مرد ہے تو یہ لفظی بحث ہے، فسخ المرأۃ
سے تعبیر کر لیا جائے تو وہ مناقشہ بھی نہیں رہا تعمدِ فساد کا عذر لوجہ نقصانِ عقل تو وہ
بھی غیر مسموع کہ فقہائے کرام نے تعمدِ فساد بصورت ارضاع و تقبیل وغیرہ میں بھی صرف حکمِ
بینونت ہی مقرر رکھا فضلاً عن حق الفسخ اور اگر یہ عذر بالفرض مسموع بھی ہوتا
تو یہ بھی مختص بمعصیۃ المرأۃ ہی رہتا نہ یہ کہ مطلقاً وہ حکم جبروتی لگا دیا جائے کہ حرمتِ طاریہ
میں عورت حقِ فسخ نہیں رکھتی گو زوج یا کسی اور کے فعلِ مباح یا ظلمِ صراح سے ہی ہو حالانکہ
ایسے مسائل میں المرأۃ کالقاضی ماموریۃ باتباع الظاہر فرامین فقہائے کرام سے ثابت ہے۔
اور اگر مرد و زن متارکہ نہ کریں تو قاضی پر تفریق لازم ہے کما لا یخفی علی من
طالع الاسفار المذہبیۃ۔

بہر حال بفضلہ و کرمہ تعالیٰ حق نہایت ہی واضح ہے اور یہ بھی واضح کہ سہواً خطا
اگرچہ کسی نمایاں شخصیت سے سرزد ہو، قابلِ اقتدا نہیں اور نہ ہی قابلِ مواخذہ و طعن و تشنیع
والحق احق بالاخذ والاقتفاء۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعلیٰ و آلہ واصحابہ اولی
الصدق والصفا وبارک وسلم فی الآخرۃ والاولیٰ۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۷ شہر رمضان ۷۵ھ

تنبیہ

ابتدائے عدت نکاح فاسد میں جو اختلاف ہے کہ عند الائمۃ الثلاثۃ من التفریق

؎ کما فی تقبیل ابن الزوج بشہوۃ ونحوہ ۱۲ منہ غفرلہ

او المتارکہ ہے وعند زفر من آخر الوطآت ہے فتح القدیر میں ہے کہ یہ قضاءً ہے اور دیانۃً نہیں ج ۳ ص ۲۴۵، ج ۴ ص ۱۵۶ میں ہے و النظر من الثالث وجب ان یکون ھٰذا کلہ فی القضاء اما فیما بینھما وبین اللّٰہ تعالیٰ فاذا علمت انھا حاضت بعد آخر وطی ثلثا ینبغی ان یحل لھا التزوج فیما بینھا وبین اللّٰہ تعالیٰ علی قیاس ما قدمناہ من نقل العتابی اور جلد رابع میں فرماتے ہیں و مقتضی ما قدمناہ فی باب المھر من قول طائفۃ من المشائخ وھو الوجہ انھا لو تزوجت عالمۃ بانھا حاضت ثلاث حیض بعد وطئہ کان صحیحا فیما بینھا وبین اللّٰہ تعالیٰ انما اشترط کونھا بعد الترک فی القضاء۔ بحر الرائق ج ۳ ص ۲، ثالثِ فتح القدیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ومحلہ فیما اذا فرق بینھما اور جلد رابع ص ۱۴۶ میں اس نقل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان وجوبھا فیہ انما ھو فی القضاء اما فی الدیانۃ لو علمت انھا حاضت بعد آخر وطی ثلاثا حل التزوج من غیر تفریق ونحوہ اور شامی علیہ الرحمۃ نے ثالثِ بحر الرائق کی نقل مع ومحلہ فیما اذا فرق بینھما ج ۲ ص ۴۸۳ میں برقرار رکھی اور اسی طرح عبارت رابع بحر کی ج ۲ ص ۴۸۲ میں برقرار رکھی اور بحر کی ان دونوں عبارتوں کے آخری جملوں میں تعارض ہے البتہ اگر من غیر تفریق ونحوہ کو حاضت کے متعلق کیا جائے اور ومحلہ فیما اذا فرق بینھما کو تزوجت عالمۃ کی قید بنایا جائے تو بن سکتا ہے وھٰذا ھو الظاھر اور فتح القدیر میں ابو القاسم صفار علیہ الرحمۃ سے اختیار قولِ زفر علیہ الرحمۃ نقل فرمایا، دونوں جلدوں کے صفحاتِ مذکورہ میں اور توجیہ قولِ زفر علیہ الرحمۃ ج ۴ ص ۱۵۵ میں تحقیقاً ذکر فرمائی۔

ابو الخیر النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک شخص اپنی ساس کو بدمعاشی کے ارادے سے لے کر چلا گیا اور سال بھر تک اس سے فعلِ حرام کا مرتکب رہا۔ اس کے بعد وارثان عورت بدمعاشہ مذکورہ کو واپس لائے تو آیا اب اس کی بیوی جو اسی ساس کی لڑکی ہے اس پر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من رب العالمین۔

سائل: مہربان از موضع سابا ضلع منٹگمری ۱۵/۸/۵۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال صحیح اور واقعی ہے تو شخصِ مذکور پر اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔ بدائع ج ۲ ص ۳۳۰ میں ہے ومنها ای مایرفع حکم النکاح المصاهرة الطارئة بان وطئ ام امرأته او ابنتها والفرقة بها فرقة بغیر طلاق لانها حرمة مؤبدة کحرمة الرضاع والفرق فی هذه الوجوه، مبسوط ج ۴ ص ۲۰۸ میں ہے ان الحرمة بسبب المصاهرة مثل الحرمة بالرضاع والنسب وذلک کما یمنع ابتداء النکاح یمنع بقاء النکاح فکذلک هذا یمنع بقاء النکاح اور ایسے ہی کتبِ مذہبِ مہذب

حنفیہ میں متوناً و شروحاً و فتاوی و حواشی صراحۃً مذکور و منصوص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و اصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ ۱/۵۸

الاستفتاء

بخدمت جناب مولوی محمد نور اللہ صاحب جی دام اقبالہ

جناب عالی

عرض یہ ہے کہ مسمّی شاہ محمد قوم رنگریز سکنہ چک ۴۲/ڈ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے اور سائل سے زبانی بھی دریافت کر لیا ہے اور میں تحریر کرتا ہوں کہ ایک شخص جس کا نام مسمّی ظہور احمد ہے وہ اپنی عورت نکاحی ہوئی چھوڑ کر اپنی سس کے ساتھ برا کرتا ہے، آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کو لے کر کہیں بھاگ گیا۔ اس بات کو دس ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں عرض یہ کہ بطور شریعت کے اس کی نکاحی ہوئی عورت کا نکاح خارج ہوا یا کہ نہیں؟ اس لئے آپ جناب مہربانی فرما کر شریعت پر مدِ نظر رکھتے ہوئے فتویٰ مشکور فرما دیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔

تحریر کنندہ محمد زبیر بقلم خود ، شاہ محمد سکنہ چک نمبر ۴۲/ڈ

محمد صدیق امام مسجد بقلم خود گواہ شد نوشیر

گواہ شد عطیدار خان محمد قوم گنپال ، نشان انگوٹھا نمبردار موکھا چک نمبر ۴۲/ڈ

نوٹ: سائل نے زبانی بیان کیا کہ مسمّی ظہور احمد کی ساس اس کی بیوی کی حقیقی ماں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو جس دن سے پہلی مرتبہ مسمّی ظہور احمد نے اپنی ساس یعنی بیوی کی حقیقی ماں کے ساتھ بدکاری کی، اسی دن سے اس کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور وہ نکاح بالکل باطل ہوگیا، عدت پوری ہونے کے بعد حسبِ دستورِ شرع جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ مبسوط سرخسی ج ۴ ص ۲۰۸، بدائع صنائع ج ۲ ص ۳۴۰ میں ہے (و النظم لملك العلماء عليه الرحمة) ومنها (ای من اسباب وقوع الفرقة) المصاهرة الطارئة بان وطئ ام امرأته او ابنتها والفرقة بها فرقة بغير طلاق لانها حرمة مؤبدة. نیز مبسوط ج ۹ ص ۸۸ میں ہے ان ارتفاع النكاح بهذه الاسباب ابلغ منه بالخلع الا ترى انها صارت محرمة على التابيد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الجواب صحیح

ابو الیسر محمد اسمٰعیل الفریدی الفاکفتنی، ۲۳ ذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۶ھ

الاستفتاء

حضرت محترم علامۂ زماں شیخ الحدیث و الفقہ دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ : مزاج عالی!

قبل ازیں چند مسائل کے استفسار پر مشتمل عریضہ پیشِ خدمت ہوا ہو گا جس کا جواب اب تک نہیں آیا، امید کہ آپ جناب تکلیف محسوس نہیں فرمائیں گے کہ یوں اتفاق سے راہِ حق متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ جزیل نصیب فرمائے۔ آمین۔ چند اور صورتیں درپیش ہیں، جواب باصواب سے نوازیں:۔

۱۔ اگر کوئی عورت کچھ عرصہ سے غیر آباد ہو اور عرصہ غیر آبادی اس قدر ہو کہ اس کا غیر حاملہ ہونا متیقن ہو مثلاً تین سال اور اس کو اب اسی حالت میں طلاق ہو جائے سو کیا اب بھی بوجہ احترامِ نکاح سابق عدت لازم ہو گی یا کہ فوری نکاح کرنا جائز ہو گا۔

۲۔ اگر کسی شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا ہو تو بقاعدہ وطی الامہات یحرم البنات (قاضی خان) اس کی بیوی تو اس پر حرام ہو جائے گی تو کیا اب وہ (بیوی) عورت دوسری جگہ پر نکاح کروا سکتی ہے اور اب اس صورت میں مزید شوہر سے طلاق کہلوانا تو ضروری نہیں ہو گا یا ہو گا؟ اور کیا زانی کے اقرار سے زنا ثابت ہو جائے گا جبکہ اس کے اقرار کے دو گواہ موجود ہوں۔ بینوا توجروا۔

السائل: قاضی غلام محمود خطیب جامع مسجد عید گاہ نیا محلہ جہلم شہر

(تقریباً ۱۵ رجب ۸۵ھ کے بعد کا لکھا ہوا ہے مگر سائل نے تاریخ نہیں لکھی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

١- ایسی مطلقہ جس کا نکاح دخول سے متاکد ہو چکا ہو اس پر عدت بحکم قرآن کریم لازم ہے اگرچہ طلاق سے پہلے کئی سال غیر آباد رہ چکی ہو، ارشاد ہے والمطلقات یتربصن الآیۃ۔ فتاوےٰ ہندیہ ج ٢ ص ٢٤ میں ہے ھی انتظار مدۃ معلومۃ یلزم المرأۃ بعد زوال النکاح حقیقۃ او شبھۃ المتاکد بالدخول او الموت الخ وکذا فی سائر اسفار المذھب المھذب وھذا مما لا اعتبار علیہ۔

٢- اگر قبل از نکاح زنا کیا ہو تو نکاح منعقد ہی نہیں اور بعد از نکاح واقع ہو تو فاسد یعنی باطل و زائل ہو جاتا ہے اور یہ بطلان متارکہ یا قضائے قاضی پر موقوف نہیں، اگر عورت مدخول بہا نہ ہو تو فوراً کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے اور مدخول بہا ہو تو بعد از انقضائے عدت، یہ ہے ہمارا مذہب جو فقہائے متقدمین نے متفقہ طور پر بیان فرمایا اور متاخرین نے بھی۔ مبسوط امام سرخسی ج ٦ ص ١٥٦ میں ہے بعد ثبوت حرمۃ المحل اما بالطلقات الثلاث او بالمصاھرۃ یتعذر ابقاء النکاح حکما وکذلک (اور مبسوط ج ٩ میں ہے) المرأۃ یجامعھا ابو زوجھا او ابنہ او جامع الزوج امھا او بنتھا فقد وقعت الفرقۃ بینھما بغیر طلاق لان المحرمیۃ (بالمصاھرۃ) تنافی النکاح ابتداء وبقاء کالمحرمیۃ بالرضاع و النسب وعلیھا العدۃ ان کان دخل بھا۔ بدائع صنائع ج ٢ ص ٣٠٤ میں ہے (وجوہ ما یرفع النکاح) بعد از ان فرمایا ومنھا المصاھرۃ الطارئۃ

بان وطئ ام امرأتہ او بنتہا والفرقۃ بہا فرقۃ بغیر طلاق لانہا حرمۃ مؤبدۃ نیز اسی کے ص ۲۹۵ میں فرمایا ان الفرقۃ بغیر طلاق تکون فسخا للعقد، نیز اسی میں ہے ان فسخ العقد رفعہ من الاصل وجعلہ کان لم یکن مگر متاخرین میں سے بعض حضرات کو حضرت محرر المذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سے اشتباہ لگا تو حکم لگا دیا کہ نکاح مرتفع نہیں ہوتا جب تک کہ متارکہ نہ کرے یا قاضی کی تفریق نہ ہو کما فی البحر والدر والھندیۃ والشامیۃ اور زمانہ حال کے مفتی حضرات یہی فتوے دے رہے ہیں مگر فقیر کی نظرِ قاصر میں حق وہی ہے کہ نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے اور اس اشتباہ کا ردِ بلیغ خود حضرت محرر المذہب کی تصریحاتِ جلیلہ اور مشائخ و فقہائے متقدمین کی صدہا توضیحات و نصوصِ جلیہ سے روزِ روشن کی طرح روشن ہے جس کی قدرے تفصیل فقیر کے فتاوٰئے نوریہ[1] جلد ثانی کے ص ۲۳۸ سے ۲۵۸ تک ہے اور چونکہ اس دور میں تقلید جامد عروج پر ہے لہٰذا بہتر و مناسب یہ کہ متارکہ کرا لیا جائے۔

۳۔ ہاں زانی کے اقرار سے زنا ثابت ہو جاتا ہے جبکہ قاضئ اسلام کے سامنے چار مرتبہ چار مجلسوں میں اقرار کرے اور غیر قاضی کے پاس اقرار سے ثابت نہیں ہو سکتا، یہ اس زنا کے متعلق ہے جو موجبِ حد ہے کما فی الھندیۃ ج ۲ ص ۲۳۵، البتہ حرمتِ مصاہرہ اس سے ثابت ہو سکتی ہے، فتاوٰئے ہندیہ ج ۲ ص ۵ میں ہے لو اقر بحرمۃ المصاھرۃ یؤاخذ بہ ویفرق بینہما نیز اسی میں ہے وتقبل الشھادۃ علی الاقرار بالمس و

---

[1] فتاوٰی نوریہ کے قلمی نسخے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ محولہ بالا فتوٰی "حرمۃ المصاہرۃ ترفع المناکحۃ" کے نام سے رسالہ کی صورت میں فتاوٰی نوریہ کی زیر نظر جلد ص ۵۵۱ تا ۵۷۰ شامل کر دیا گیا ہے (مجتب)

التقبيل بشهوة، اور یونہی در المختار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم
وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۱۹ ر رجب المرجب ۸۵ھ ۱۴ ۱۱/۶۵

الاستفتاء

(خط میں لکھا)

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب نے آپ کے فتوے کے خلاف فتوے دیاہے۔ آپ کا فتوے آپ کے نام سے ظاہر نہیں کیا گیا البتہ حوالے دکھانے پر موصوف نے فرمایا کہ یہ فتوے غلط ہے، کیا خیال ہے کہ جناب کا فتوے جناب کے اسم گرامی سے ظاہر کر دیا جائے، آپ کا مشورہ تو یہ تھا کہ متارکہ کرالیا جائے مگر مصیبت یہ ہے کہ وہ سابق شوہر اس پر کسی صورت راضی نہیں ہے۔ اب اس کی رضامندی کے بغیر یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے اور عورت عرصہ تقریباً تین سال سے لٹکی ہوئی ہے۔ اگر طبیعت ٹھیک ہو تو کسی وقت مزید حوالے اور مفصل بیان لکھ بھیجیں، ممکن ہے کہ ضرورت پڑ جائے۔ والسلام

دعا جو و دعا گو: ناچیز غلام محمود خاں از جامع مسجد عید گاہ جہلم ۶۵-۱۱-۲۹

ے علالتِ طبع کی بنا پر یہ لکھا ۱۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاحب الکریم الرحیم العلیم وعلیٰ آلہ وصحبہ باللطف العمیم۔

حضرت محترم المقام لازالت شموس فضلہم بازغۃ

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ: مزاج سامی! عنایت نامہ ملا، تفصیلی اطلاعات سے سرور ہوا۔ رسالہ مکبر الصوت پوسٹ کر دیا ہے، امید کہ مل چکا ہوگا، پورا پڑھنے کے بعد اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں، اس کے علاوہ بھی مسئلہ کے متعلق تحقیقی مضامین فتاوےٰ نوریہ میں ہیں، دل چاہتا ہے کہ مکمل چھپ جائے مگر سر دست کوئی خاص صورت نہیں، اس سال کوئی خاص کاتب بھی نہیں کہ موثوق بہ نقل کر سکے، کیا ہی اچھا ہو کہ رمضان المبارک کی رخصتوں میں پہلے اطلاع دے کر تشریف لائیں تو مفصل مکالمہ ہو سکتا ہے۔

مسئلہ مصاہرۃ کے متعلق فقیر کے پاس کتب معتمدہ کی اتنی نقول و جزئیات ہیں کہ ان کا احصاء متعذر اور بالفرض جمع کئے جائیں تو ضخیم کتاب بن جائے۔ بفضلہ وکرمہ تعالیٰ یہ مسئلہ آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہے۔ اصل اشتباہ کا موجب حضرت محرر المذہب امام محمد علیہ الرحمۃ کے ایک مسئلہ اصل (مبسوط) کے نہ سمجھنے بلکہ غیر محمل پر حمل کرنے سے پیدا ہوا، شامی ج ۲ ص ۳۸۹ سے ہی سنئے ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لا یرتفع بحرمۃ المصاہرۃ و الرضاع بل یفسد حتی لو

فتاویٰ نوریہ جلد دوم

وطيها الزوج قبل التفريق لا يجب عليه الحد۔

یہ جزئیہ حدِ زنا کے متعلق ہے کہ اختلافِ ائمہ کے سبب حد لازم نہیں ہوتی جیسے طلاقِ کنایہ میں بھی یہی صورت ہے اگرچہ اس سے طلاق بائن واقع ہو چکی ہو اور لا یرتفع کا معنی ہے لا یرتفع حکمہ من کل وجہ۔ (طحطاوی علی الدر) اور یہ درء الحد بوجہ شبہ للاختلاف ہے کما فی الطحطاوی ایضا اور شامی میں ہے والوطی فیہا لا یکون زنا لانہ مختلف فیہ۔ اور یہ تو واضح ہی ہے کہ اصطلاحِ فقہاء میں زنا اس وطی کا نام ہے جس پر حد لگتی ہے کما فی الھندیۃ وغیرھا اور یہ معنی ہرگز ہرگز نہیں کہ نکاح باقی رہتا ہے اور منارکہ ضروری، نکاح بالکل نہیں رہتا حتیٰ کہ غیر مدخول بہا ہو تو اسی وقت اور سے نکاح کر سکتی ہے۔

آپ دیکھ چکے ہیں عبارتِ اصل میں مصاہرت اور رضاع کو ایک ہی حکم دیا ہے، اب کتبِ فقہیہ کی معتبرات سے رضاع بعد از نکاح کا حکم دیکھیں نیز مہر، عدت، طلاق الفار، وراثت وغیرہا کے جزئیات سے یہ مسئلہ بڑا واضح ہو جاتا ہے۔ مبسوطِ سرخسی ج۹ ص ۸۸، فتح القدیر ج۵ ص ۳۵، بحر الرائق ج۵ ص ۱۲، در المختار، شامی ج۳ ص ۲۰۹ میں ہے والنظم من المبسوط واذا حرمت المرأۃ علی زوجہا بردتہا او مطاوعتہا لابنہ او جماعہ معہا ثم جامعہا وھو یعلم انہا علیہ حرام ففی القیاس انہ یلزمہ الحد لان ارتفاع النکاح بھذہ الاسباب ابلغ منہ بالخلع الا تری انہا صارت محرمۃ علی التابید ولکنہ استحسن فدرء عنہ الحد الخ فتاوے قاضی خاں ج۱ ص ۱۹۰ میں ہے لو تزوج رضیعتین فارضعتہما امرأۃ واحدۃ معا او

؎ تفریقِ قاضی خلاف انشاء دیتی ہے تو بعد از تفریق حد لازم ہو گی ۱۲

واحدة بعد واحدة بطل نکاحهما۔ نیز ایک اور جزئیہ میں وبطل نکاحها ہے، آگے فرماتے ہیں ولیس فی نکاحه غیرها (کتاب نکال کر دیکھئے خوب واضح ہے)۔

غرضیکہ بکثرت جزئیات بینونت وبطلان ہیں، بطور تنبیہ اختصاراً عرض کہ مبسوط ج۵ ص ۱۴۲ ۱۴۳۰ میں دس مرتبہ اور ج۳ ص ۲۹۸ تا ۳۰۰ گیارہ مرتبہ، قاضی خان ص ۱۹۰، ۱۹۱ سات مرتبہ، بدائع ج۴ ص ۱۱ تا ۱۳ دس مرتبہ، بحر الرائق ج۳ ص ۲۳۰ تا ۲۳۱ اٹھارہ مرتبہ، عالمگیر ج۲ ص ۴۴ نو مرتبہ، فتح القدیر ج۳ ص ۳۲۳ تین مرتبہ ہے، کلمات والفاظ متقاربہ ہیں، تبرکاً امام سرخسی علیہ الرحمۃ کی ایک عبارت سنئے اذا تزوج صبیتین رضیعتین فارضعتهما امرأة واحدة معا او احداهما بعد الاخرى بانتا جمیعا (الی ان قال) ولیست احدهما ببطلان نکاحها باولی من الاخری۔

غرضیکہ بکثرت جزئیات کثیرہ ہیں جو جامع صغیر اور جامع کبیر امام محمد علیہ الرحمۃ بلکہ ان کی مبسوط میں بھی موجود ہیں اور حکم بڑا واضح ہے اور اگر متارکہ ہی ضروری فرماتے ہیں (علماء کرام عصر حاضر) تو مرد پر ہی کیوں موقوف رکھتے ہیں، عورت بھی تو متارکہ کر سکتی ہے، دیکھئے تنویر الابصار اور در المختار میں ہے ویثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها او لا فی الاصح خروجا عن المعصیة الخ وقرره الشامی ج۲ ص ۴۸۳ وکذا فی البحر وغیره بلکہ قبل الدخول تو تفرق بالابدان بھی بعض کے نزدیک کافی ہے۔ بلکہ شامی ج۲ ص ۱۴۲ طحطاوی علی الدر ج۲ ص ۲۲۴ میں ہے وان وجوبها ای العدة فی النکاح الفاسد

؎ قاضی خان کی کچھ عبارت پہلے نقل بھی ہوئی ہے ۱۲

بعد التدارك، فی القضاء اما فی الدیانة لو علمت انہا حاضت بعد اٰخر وطی مثلاً لا تحل لہا التزوج بلا تفریق و نحوہ۔

بہر حال مسئلہ بڑا واضح ہے مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ زنا بالام بھی واضح ہی ہو ورنہ اپنا مشاہدہ وغیرہ جو عورت یا اس کا سرپرست دعوی کرے بلا دلیل کون ملنے گا اور یونہی جب تک اپنے علماءِ کرام کا اتفاق نہ ہو زوج بھی آرام نہیں کرنے دے گا بلکہ مقابلہ میں فتوٰی لیکر مقدمہ بازی وغیرہ سے تنگ کرے گا لہٰذا اس کا حل تلاش کر کے قدم اٹھائیں نیز مجھے اپنوں سے منافشہ وغیرہ قطعاً پسند نہیں، اسی بنا پر لکھا تھا کہ متارکہ کرا لیا جائے۔ میرے نام یا فتوے ظاہر کرنے میں بھی حرج نہیں اور حضرت مولانا العلامہ الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی تو میرے بڑے نعیمی بھائی اور کرم فرما ہیں، ان کے دکھانے میں تو کیا خدشہ ہے، اگر وہ توجہ فرمائیں اور اتنا وقت نکالیں کہ ان کتب وابوابِ اسفارِ مذہبیہ کا مطالعہ فرماسکیں تو ہوسکتا ہے کہ موافقت یا کوئی راہنمائی فرمادیں مگر شاید اتنا وقت وہ نکال نہ سکیں۔ اس مسئلہ پر حضرت مولانا الحاج ابو الفضل محمد سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ محدثِ لائلپور کے ساتھ بھی مشافہۃً گفتگو ہوئی تھی مگر وہ بھی وقت نہ نکال سکے، ایسے مسائل میں صرف آپ جیسے اہلِ علم سے بطورِ مشورہ تو کچھ لکھ دیا جاتا ہے مگر فقیر فتوے نہیں دیتا، والسلام۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۳ ؍ شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ

۱۲ / ۶۵

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں کہ زید کو بکر نے یہ تہمت لگائی کہ اس نے اپنی ساس سے زنا کیا اور میں نے خود دیکھا ہے کہ اس نے اپنی ساس سے زنا کیا مگر تحقیق کی گئی تو ثابت ہوا کہ اس نے غلط الزام لگایا تو اسے کہا گیا کہ تم قسم اٹھاؤ یا گواہ پیش کرو کہ اس نے زنا کیا ہے مگر قسم اٹھانے سے اس نے انکار کیا اور نہ گواہی بھی پیش نہ کر سکا۔ آخر ایک شخص نے کہا زید کو کہ اپنی ساس کو کس طرح جانتے ہو تو اس نے کہا کہ میں تو اسے بجائے ماں کے جانتا ہوں تو اس شخص نے کہا اگر تو سچا ہے تو اپنی ماں کا پستان اپنے منہ میں پا، تو اس نے اس غرض سے پستان منہ میں پا لیا تو اس کا سچا ہونا ظاہر ہو گیا اور ثابت ہوا کہ وہ الزام غلط ہے۔ ایک سال کے بعد اب وہی الزام لگانے والا کہتا ہے کہ زید کی عورت زید پر حرام ہے کہ اس نے اپنی ساس کا پستان منہ میں ڈالا ہے اور میں نے اسے اپنی ساس سے زنا کرتے بھی دیکھا ہے حالانکہ ثابت ہو چکا کہ زنا کا الزام محض غلط ہے اور پستان کا منہ میں ڈالنا کسی بری نیت و شہوت سے نہیں بلکہ ماں سمجھ کر اور بجائے ماں ہونے کے ثابت کرنے کے لئے تھا اور ساس بھی اسے اپنا بیٹا ہی تصور کرتی ہے تو کیا واقعی زید پر زید کی عورت حرام ہو چکی یا نہیں؟ بینوا توجروا

سائل: لال خاں ولد فتا دو ٹومانیکا

از کھگا مہر شاہ ۲۱-۲-۱۳۶۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

اگر بیان سائل صحیح و درست ہے تو زید کی عورت زید پر حرام نہیں ہوئی محض غلط تہمت ہے خصوصاً جبکہ اس کا غلط ہونا بھی ظاہر ہو چکا، کیونکہ حرام ہو سکتی ہے اور قرائنِ حال سے یہی واضح ہے کہ اس نے شہوت و بری نیت سے پستان منہ میں نہیں ڈالا اور وہ بیچارہ کہتا بھی یہی ہے اور ساس بھی اسے بیٹا تصور کرتی ہے اور اس کا ظاہر حال بھی یہی بتاتا ہے تو اس کی عورت اس پر حرام نہیں ہو سکتی جب تک وجہ حرمت متحقق و ثابت نہ ہولے، فتاوےٰ امام قاضی خان میں ہے وان انکر الشھوۃ فالقول قولہ الخ بحر الرائق و شامی میں جوہرہ سے ہے لومس او قبل وقال لم اشتہ الخ شامی میں ہے اما اذا ظہر عدم الشھوۃ فلا تحرم و لو کانت القبلۃ علی الفم۔ فتاوےٰ عالمگیر میں مجملاً اور فتح القدیر میں مفصلاً ہے والنظم من الفتح قال القاضی الامام یصدق فی جمیع المواضع حتی رأیتہ افتی فی المرأۃ اذا اخذت ذکر الختن فی الخصومۃ فقالت کان عن غیر شھوۃ انھا تصدق اھ ولا اشکال فی ھذا فان وقوعہ فی حالۃ الخصومۃ ظاھر فی عدم الشھوۃ۔ پس ظاہر ہوا کہ زید کی عورت زید پر حرام نہیں ہوئی اور بکر پر لازم کہ توبہ کرے اور جھوٹے الزام سے باز آئے اور اپنے خدائے قدوس سے ڈرے۔ واللہ و رسولہ اعلم وجل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی ۲۱ ۱۳۶۲ھ

الاستفتاء

بخدمتِ اقدس حضرت الحاج مخدومنا الاکبر قبلہ فقیہ اعظم محدثِ پاکستان دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنے نابالغ لڑکے کی منکوحہ بالغہ کے ساتھ جو اس کی سالی بھی ہے، زنا کیا ہے، کیا اس صورت میں زید کے لڑکے کا نکاح برقرار ہے یا نہیں؟ یا زید کی منکوحہ اس پر حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ٹوٹ گیا ہے تو کیا اب وہ یعنی زید کے لڑکے کی منکوحہ بغیر طلاق کے دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟

(نوٹ) زید نے اور اس کی بہو نے روبرو گواہوں کے زنا کا باقاعدہ اقرار کیا ہے

بینوا توجروا۔

(نوٹ) لڑکی کی والدہ کا بیان ہے کہ نکاح کے وقت لڑکا آٹھ سال کا تھا اور اب دس سال کا ہے اور اس بری حرکت کو چھ ماہ ہوگئے ہیں اور اس وقت سے لڑکی میرے گھر ہے، اس وقت لڑکے کی عمر ساڑھے نو سال تھی اور ان دونوں میاں بیوی کی خلوت نہیں ہوئی تھی۔

غلام محمد بقلم خود امام مسجد جمال کوٹ۔

السائل: حافظ فتح محمد صاحب ڈکو

۱۷ر جون ۱۹۷۴ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال صحیح اور واقعی ہے تو زید کے لڑکے کا نکاح ختم ہو گیا اور جبکہ لڑکا نابالغ ساڑھے نو سالہ نے اپنی بیوی سے نزدیکی اور خلوت بھی نہیں کی اور نہ ہی اس کی عمر نزدیکی کے قابل تھی تو عدت بھی نہیں لہٰذا دوسری جگہ حسبِ دستورِ شرع نکاح کر سکتی ہے مبسوطِ سرخسی ج۴ ص ۲۰۴ میں ہے واذا وطئ الرجل امرأة بملك يمين اونكاح او فجور يحرم عليه امها و بنتها و تحرم هي على ابائه و ابنائه نیز ج۴ ص ۲۰۸ هذا يمنع بقاء النكاح كما يمنع ابتداءه نیز ج۶ ص ۸۰ میں فرمایا وكذلك المرأة يجامعها ابو زوجها او ابنه او جامع الزوج امها او بنتها فقد وقعت الفرقة بينهما بغير طلاق الخ البتہ بعض متأخرین نے کہا کہ ایسی صورت میں خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کا یہ کہنا کہ میں نے یہ نکاح یا خاوند یا عورت کو چھوڑ دیا یا کوئی اور ایسا لفظ کہنا ضروری ہے، فتاوے عالمگیر ج۲ ص ۳۵، تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم من التنوير والدر ويثبت لكل واحد منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه الخ نیز فتاوے عالمگیر ج۲ ص ۳۴ اور درالمختار اور شامی ج۲ ص ۴۸۳ میں ہے والنظم منهما درالمختار میں ہے وتجب العدة بعد الوطئ لا الخلوة شامی نے فرمایا اى لا تجب بعد الخلوة المجردة عن وطئ الخ لہٰذا وہ لڑکی جو بالغہ اور عاقلہ ہے گواہوں کے روبرو یہ کہہ دے کہ میں نے اس خاوند کو چھوڑا کیونکہ اس

کے باپ نے میرے ساتھ زنا کیا ہے اور پھر حسب دستورِ شرع کسی اور شخص سے نکاح کر سکتی ہے اور زید کی بیوی کا نکاح نہیں ٹوٹتا، در المختار میں خلاصۃ الفتاویٰ سے ہے (وقررہ الشامی ج ۲ ص ۳۸۶) وطئ اخت امرأتہ لا تحرم علیہ امرأتہ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ، ۱۸/۶/۷۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اور مفتیانِ عظام خصوصاً حضرت فقیہِ اعظم اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی اپنی حلال بیوی کے موجود ہوتے ہوئے اپنی سگی سالی سے فعلِ حرام کرے کہ جس سے حمل ٹھہر جائے جس کا اقرار بھی طرفین کر لیں تو آیا اس آدمی کا اپنی بیوی سے نکاح رہ جائے گا یا فسخ ہو جائے گا اور حمل حرام سے جو بچہ پیدا ہو اس کے متعلق کیا حکم ہے کہ کس کی زیرِ نگرانی پرورش پائے یا طرفین کو کیا سزا ہونی چاہیے! جس وقت کہ ملک میں اسلامی قانون رائج نہیں ہیں۔ فقط والسلام

السائل محمد شریف بدر نوری خطیب دیول شریف ضلع راولپنڈی تحصیل کوہ مری

نمبردار محمد زمان، ممبر بنیادی جمہوریت پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سالی سے فعلِ بد بیوی کو حرامِ ابدی نہیں کرتا یعنی نکاح فسخ نہیں کرتا اگرچہ حمل ٹھہر جائے البتہ اگر بھول سے ایسا ہو جائے مثلاً اندھیرے میں سالی کو بیوی جان کر مجامعت کر لی تو سالی پر عدت لازم ہو جاتی ہے اور پھر اس عدت کے پورے ہونے تک بیوی سے پرہیز ضروری ہے اور ایسی صورت میں حمل ہو جائے تو شرعاً بچہ اسی آدمی کا بنے گا تو پرورش بھی اسی کے زیر نگرانی ہوگی یعنی پرورش کا خرچہ اسی کے ذمہ ہوگا اور اگر دیدہ دانستہ سالی کے ساتھ زنا کرے تو عدت لازم نہیں ہوتی اور نہ ہی بیوی سے پرہیز لازم اور بچہ بھی اس کا نہیں بنے گا اور نہ ہی پرورش اس کے ذمہ ہوگی، پھر اگر اس سالی کا خاوند ہے یا خاوند کی عدت میں ایسا حمل ہوا تو بچہ خاوند کا بنے گا اور پرورش اسی کے ذمہ ہوگی ورنہ بچہ صرف ماں کا بنے گا تو پرورش بھی اسی کے ذمہ ہوگی، ہاں اس زنا والی صورت میں گو حلال بیوی سے پرہیز لازم نہیں مگر عدت کے انداز سے مستحب ہے کہ پرہیز کرے درالمختار اور شامی ج۲ ص۳۸۶ میں ہے وفی الخلاصۃ وطئ اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ (ھذا من الدر وقال الشامی) فالمعنی لاتحرم حرمۃ مؤبدۃ والا فتحرم الی انقضاء عدۃ الموطوءۃ لو بشبہۃ نیز شامی ج۵ ص۳۳۵ میں ہے ومنھا رای من انواع الاستبراء المستحب) اذا زنی باخت امرأتہ او بعمتھا او بخالتھا او بنت اخیھا او اختھا بلا شبہۃ فان الافضل ان لایطأ امرأتہ حتی تستبرء المزنیۃ فلو زنی بھا بشبہۃ وجب علیھا العدۃ

فلا يطأ امرأتہ حتی تنقضی عدۃ المزنیۃ. فتاوے عالمگیری ج۲ ص ۱۳۹ میں ہے وکل امرأۃ وجب علیہا العدۃ فان نسب ولدھا یثبت نیز اسی کے ج۲ ص ۱۴۹ میں ہے نفقۃ الاولاد الصغار علی الاب لایشارکہ احد اور حدیثِ متفق علیہ میں ہے الولد للفراش وللعاھر الحجر۔

باقی سزا کیا ہونی چاہئے؟ تو سزا دینا حکومت کا کام ہے، ہاں پنچائتی طور پر ہر وہ جائز طریقہ جو ایسے افعالِ بد سے باز رکھے، اختیار کرسکتے ہیں اور حتی المقدور ضرور کرنا چاہئے کہ حدیثِ صحیح میں ہے من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الحدیث۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاکرم وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۴ جمادی الاخری ۱۳۸۸ھ

۹/۸/۶۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کا لڑکا پہلے خاوند سے موجود تھا بعدازاں زید نے ایک اور عورت سے نکاح کیا تو پہلی عورت کے اس پچھلے لڑکے نے اس دوسری عورت کو اغوا کرلیا تو کیا وہ

عورت اغوا رشدہ زید پر حرام ہوگئی یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

سائل : مولوی شبیر محمد از شہامد ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وہ عورت زید پر حرام نہیں ہوئی بلکہ باقاعدہ نکاحِ زید میں ہے کہ وہ اغوا رکنندہ زید کا لڑکا نہیں، اگر زید کا لڑکا ہوتا تو ضرور حرام ہو جاتی، فتاوٰے عالمگیری میں ہے تحرم المزنی بہا علی اباء الزانی واجدادہ اور قرآنِ کریم میں ہے واحل لکم ماوراء ذٰلکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

الاستفتاء

مکرمی جناب مولانا صاحب مولوی محمد نور اللہ صاحب زادکم

السلام علیکم : حسب ذیل واقعات کے مطابق حکم شریعت سے آگاہ فرما دیں :۔

زید نے اپنے نابالغ لڑکا کی شادی نابالغہ لڑکی سے کی اور لڑکی کو اپنے گھر

رکھا، جب لڑکی سال ڈیڑھ سال کے بعد جوان ہوئی تو اس سے حرام کاری کرنی شروع کردی، پہلی بیوی سے خود بخود تعلقات خراب ہو گئے۔ لوگوں نے لعنت ملامت کی تو انکار جرم سے کرتا رہا مگر لڑکی نے اپنے باپ اور دیگر آدمیوں سے تمام واقعات بھی بیان کردئے کہ میرے ساتھ میرا سسرہ بغیر میری مرضی کے جبراً حرام کاری کرتا ہے، کسی نے اعتبار نہ کیا اور زید نے انکار کیا، آخر سال کے بعد لڑکی کو حمل ہو گیا، پھر دریافت کرنے پر زید نے اپنے فعل کا اقرار نہ کیا، لڑکی تو پہلے بھی ظاہر کر چکی تھی، لڑکا اس وقت بھی نابالغ ہے، جماع کے قابل نہیں، اب اس کے متعلق کیا حکم ہے شریعت کا؟ زید دبے الفاظ میں اقرار انکار کرتا رہا ہے، واقعات اس کو پاک نہیں کرتے، آگے خدا جانتا ہے۔

السائل: محمد خدایار مانیکا ۱۴/۱۱/۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ صحیح اور ثبوتِ شرعی سے ثابت ہے کہ زید نے اپنے لڑکے کی بیوی سے حرام کاری یعنی زنا یا شہوت سے بوس وکنار وغیرہ کیا ہے اگرچہ صرف ایک مرتبہ ہی ہو تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ ہمیشہ حرام ہو گئی، اس کے حلال ہونے کی کوئی صورت نہ رہی مگر وہ عورت کسی اور سے اپنے طور نکاح بھی نہیں کر سکتی جب تک اس کا خاوند بالغ ہو کر متارکہ نہ کرے مثلاً یہ کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا اور اگر حاکم شرع بعد از ثبوت جدائی کا حکم کر دے تو پھر بھی نکاح دوسری جگہ کر سکتی ہے کما صرح

ہے الفقہاء، اور زنا کے شرعی ثبوت کے لئے چار چشم دید نیک گواہ ضروری ہیں قرآن کریم میں ہے لولا جاؤ علیہ باربعۃ شہداء اور شہوت سے بوسہ وکنار وغیرہ کا ثبوت دو چشم دید گواہوں کی شہادت سے بھی ہو سکتا ہے، قرآن کریم میں ہے واشھدوا ذوی عدل منکم اور اگر چشم دید گواہ نہ ہوں تو صرف واقعات یا عورت کا کہہ دینا قابل اعتبار نہیں، نہ عورت حرام ہوتی ہے اور نہ ہی نکاح فاسد ہوتا ہے، ہاں اگر خاوند بالغ ہونے کے بعد تصدیق کر دے تو عورت حرام ہو جائے گی اور خاوند پر فرض ہوگا کہ اسے چھوڑ دے، فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۵ میں ہے قال لھا من افتضك فقالت ابوك ان صدقھا الزوج بانت منہ (الیٰ ان قالوا) وان کذبھا فھی امرأتہ کذا فی الظھیریۃ اور ایسے ہی زید کے دبے الفاظ سے اس کے لڑکے کا حق نکاح سلب نہیں ہو جاتا کہ باپ کی ولایت نظریہ ہے ضرر محض کا مختار نہیں کما صرح بہ قاطبۃ البتہ بعد بلوغ لڑکا تصدیق کر دے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ ربیع الاول شریف ۷۴ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید

نے اپنے لڑکے بکر کی شادی کی، پھر چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ زید خود بھی چوری اپنے لڑکے کی موطوء ہ کے ساتھ وطی کرتا ہوا پکڑا گیا، تمام چک میں شہرت ہوگئی کہ زید زانی ہے، اب وہ لڑکی بکر کے لئے حلال ہے یا حرام؟ مکمل جواب با حوالہ سے آگاہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد یوسف جالندھری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی زید نے ایسی بدترین غلطی کی ہے تو وہ عورت زید کے لڑکے بکر پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، بکر پر لازم کہ اسے چھوڑ دے اور وہ عدت گزار کر حسبِ دستورِ شرع کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے کما فی عامۃ المعتبرات فی المذھب المھذب الحنفیۃ۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

۱۹ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ

۲۴-۱۰-۷۵

سے سائل نے یونہی لکھا ہے ۱۲

الاستفتاء

فیضدرجت حضرت مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم : مزاجِ اقدس ! حاملِ رقعہ ہذا بخدمتِ عالیہ حاضر آتا ہے، چونکہ ایک غیر مقلد مولوی نے حنفی مذہب کے مخالف فتوے تحریر کیا ہے جو کہ حنفیوں کے کسرِ شان ہے اور ساتھ ہی تحریر کیا ہے کہ مسئلہ فتاویٰ عالمگیری میں موجود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حنفی مذہب پر بہتان لگاتا ہے۔ یہ فتوے میاں صاحب میاں نور الصمد خاں کے پیش کیا تو انہوں نے آپ کی خدمت میں برائے تصدیقِ مسئلہ کے بھیجا ہے لہٰذا آپ براہِ کرم فتاوے عالمگیری کی اصل عبارت بمعہ خلاصہ متن اور صورتِ مسئلہ بطور جواب تحریر فرماویں۔

مستفتی : قطب الدین بقلم خود از دیواسنگھ ضلع منٹگمری

(نقل فتویٰ مولوی عبد العزیز غیر مقلد از دیوا سنگھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک شخص کو شہوت کیوجہ سے آلت میں انتشار آگیا تو اس نے اپنی بیوی یعنی جورو کو طلب کیا تو وہ نہ ملی لیکن شہوت سے آلت اسی طرح ہے تو وہ شخص اپنی بیٹی کی ٹانگوں میں آلت داخل کر دے تو کیا یہ حنفی مذہب میں جائز ہے۔ سائل : سلیمان زرگر

(جواب)

ہاں جی حنفی مذہب میں بلا شک و بے دھڑک جائز ہے، فتاوے عالمگیر کتاب النکاح ج ۲ ص ۹۹ میں ہے فمن انتشرت آلتہ فطلب امرأتہ واولجہا

بين فخذی ابنتها لا تحرم عليها امها ما لم تزداد انتشارا كذا فی التبيين، خلاصہ یہ کہ حنفی مذہب میں یہ جائز ہے بلکہ آلت کے زیادہ منتشر ہونے سے اس کی جورو حرام ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

کتبہ عبد العزیز مہاجر، ۲ ربیع الاول شریف ۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ فتوے فتویٰ نہیں بلکہ فتنہ ہے اور محض بہتان ہے۔ بلاشک و شبہ و ریب مذہب مہذب حنفی میں یہ فعل شنیع ہرگز جائز نہیں اور نہ ہی کوئی عقلمند اسے جائز کہہ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیر اور تمام کتب مذہب میں صاف صاف تصریح ہے کہ لڑکی محرمات ابدیہ سے ہے۔ لڑکی کے ساتھ کسی صورت میں کبھی نکاح نہیں ہو سکتا اور جب نکاح ہی نہیں ہو سکتا تو یہ فعل شنیع کیسے جائز ہو؟ فتاوےٰ[1] عالمگیر کی اصل عبارت یہ ہے فمن انتشرت آلتہ فطلب امرأتہ واولجھا بین فخذی ابنتھا لا تحرم علیہ امھا ما لم تزداد انتشارا کذا فی التبیین جس کا ترجمہ یہ ہے پس جو شخص منتشر ہوئی آلت اس کی، پس طلب کیا اس نے اپنی بیوی کو اور داخل کیا اسے اپنی عورت کی لڑکی کے دونوں رانوں میں تو اس شخص پر اس لڑکی کی ماں حرام نہیں ہو جاتی جب تک انتشار زیادہ نہ ہوا ہو، اس طرح تبیین میں ہے؛ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلب کرے اور

---

[1] فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مجیدی کانپور ج ۲ ص ۵

رات وغیرہ کے اندھیرے میں بھول کر بیوی کے بجائے بیوی کی لڑکی کے رانوں میں داخل کر دے اور جدا ہو گیا، زنا نہیں کیا تو اگر اس وقت انتشار زیادہ ہو گیا تو اس کی بیوی حرام ہو جائے گی (کہ لڑکی کے ساتھ صرف اتنی ہی شہوت رانی سے اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے گو غلطی سے ہی ہو) اور اگر انتشار زیادہ نہ ہو تو بیوی حرام نہیں ہوتی (کہ لڑکی پر شہوت نہ پائی گئی) اور طلب۔ بیوی والی شہوت ہی رہی تو یہ مسئلہ صرف بیوی کے حرام نہ ہونے کا ہے اور اس عبارت میں اس فعل کے جائز ہونے کا کوئی تذکرہ ہی نہیں اور نہ ہی اس عبارت میں اپنی بیٹی ہے تو وہ بیہودہ بات خلاصہ کیسے بنی؟ تو ثابت ہوا کہ غیر مقلد صاحب کا فتوے غلط ہے اور بہتان ہے اور غیر مقلد صاحب کے علم کا کیا کہنا کہ یہ چھوٹی سی عبارت بھی صحیح نہ لکھ سکا، "علیہ" کو "علیھا"۔ "مالم تزدد" کو "مالم تزداد"، "التبیین" کو "التبین" لکھا، جسے اتنی سمجھ ہے وہ یونہی شور برپا کرتا ہے ورنہ اپنے بزرگوں کو بھی دیکھتا کہ وہ کیا لکھ گئے ہیں، ان کے بڑے بزرگ قاضی شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر مطبوعہ مصر ج اص ۱۰ ۴ پر لکھتے ہیں لاتحرم علیہ امرأتہ اذا زنی بامھا او بابنتھا (ترجمہ) نہیں حرام ہوتی مرد پر اس کی عورت جس وقت زنا کرے اس کی ماں یا اس کی لڑکی کے ساتھ، تو کیا وہ مولوی صاحب اس عبارت سے بھی یہی سمجھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اپنی لڑکی اور ساس کے ساتھ زنا جائز ہے؟

تعجب ہے کہ ان کے نزدیک تو ساس اور عورت کی لڑکی کے ساتھ زنا کرنے سے بھی عورت حرام نہیں ہوتی اور اعتراض کرتے ہیں مذہب احناف پر، حضرت رب العالمین جل وعلا ہدایت فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک۔

و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

مورخہ ۲ ربیع الاول شریف ۸۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک عورت اور اس کا خاوند دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے داماد نے تقریباً عرصہ ڈیڑھ سال ہو چکا ہے کہ رات کے وقت جبکہ اس کی بیوی اور ساس ایک ہی چارپائی پر اکٹھی سوئی ہوئی تھیں، اگر اپنی ساس کو اپنی بیوی سمجھ کر چھوا اور پاؤں دبائے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ نکاح ٹوٹتا ہے یا نہیں، جبکہ ان کا داماد اس کا قطعاً انکار کرتا ہے اور مدعیان نے بھی اس وقت اظہار نہیں کیا بلکہ اب جس وقت خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان کچھ جھگڑا ہو گیا ہے تو ایسا کہتے ہیں، وہ ان کا داماد قسم اٹھانے کو تیار ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور اس کی ساس قسم اٹھانے کو تیار ہے کہ ایسا ہوا ہے، تو ان میں کس کی قسم لی جا سکتی ہے؟

السائل: حافظ محمد اسلم (ساہیوال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً داماد کا اپنی ساس کا پاؤں چھونا یا دبانا، اگر شہوت سے ہو تو نکاح ختم ہو جاتا

ہے مگر اندریں صورت جبکہ داماد انکار کرتا ہے ثبوت مشکل ہے کیونکہ ساس مدعیہ ہے اور داماد منکر ہے اور یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر حالانکہ یہاں کوئی گواہ نہیں، فتاوٰے عالمگیریہ ج ۲ ص ۵ میں ہے وانکر الزوج ان یکون بشھوۃ فالقول قول الزوج، تنویر الابصار، در المختار، شامی علی الدر ج ۲ ص ۳۸۹ میں ہے (وان ادعت الشھوۃ) فی تقبیلہ او تقبیلھا ابنہ (وانکرھا الرجل فھو مصدق) یوں ہی شامی نے فرمایا لانہ ینکر ثبوت الحرمۃ والقول للمنکر، خصوصًا دو سال کے بعد دعوے کرنا اور وہ بھی جب کہ زوجین میں جھگڑا پیدا ہوا، بظاہر ساس کی تکذیب کا قرینہ ہے حالانکہ فقہائے کرام نے قرائن کا بھی اعتبار فرمایا ہے کما فی الشامیۃ فی ھٰذا الباب ایضًا لہٰذا اگر داماد حلف شرعی اٹھائے کہ مَس ہی نہیں کیا، یا کیا ہے مگر شہوت سے نہیں تو نکاح بدستورِ سابق برقرار ہے، اور ساس کا کہنا قابلِ اعتبار نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا الحبیب الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۸ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ، ۱۶/۶/۷۷

باب الرضاع

بابُ الرّضاع

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ خیر الدین چار ماہ چند دن کا تھا کہ ہندہ کی پرورش میں گیا، اس وقت ہندہ کی گود میں اس کا لڑکا نیاز احمد ۳/۴ سال کا تھا، ہندہ فوت ہو چکی ہے اور مدت ۱۸½ سال گزر چکی، خیر الدین، نیاز احمد اور ان کے قریبی تو کہتے ہیں کہ خیر الدین نے ہندہ کا دودھ پیا ہی نہیں، ہندہ کے دودھ ہی نہ تھا، نیاز احمد بڑا ہو چکا تھا بلکہ گائے کے دودھ پر پرورش کی اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خیر الدین نے ہندہ کا دودھ پیا توان حالات میں ہندہ کے کسی لڑکے کی لڑکی خیر الدین کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور کوئی مانع نہیں۔ بینوا توجروا

از پاکپتن شریف بمعرفت مولانا الحاج محمد شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مذکورہ بالا میں جب تک نصاب شرعی شہادت یعنی دو مرد عدل یا دو

عورتیں اور ایک مرد عدول کی شہادت نہ ہو، خیرالدین پر ہندہ کی کوئی پوتی حرام نہیں ہو سکتی خواہ کئی عورتیں عدلات یا غیر عدل متعدد مرد اپنا دیکھا بیان کریں، شہادت دیں البتہ اگر خیرالدین ان کی تصدیق کر دے تو حرمت ثابت ہو جائے گی اگرچہ ایک عورت ہی کی تصدیق کرے، فتاوٰی عالمگیر، بدائع صنائع میں ہے و النظم من الھندیۃ ولا یقبل فی الرضاع الا شھادۃ رجلین او رجل و امرأتین عدول کذا فی المحیط و ھکذا فی الخانیۃ و المبسوط و الدر و غیرھا من اسفار المذھب المھذب. ہندیہ وغیرہا میں ہے و ان صدقھا الرجل و کذبتہ المرأۃ فسد النکاح البتہ اشتباہ کی صورت میں پرہیز بہتر ہے، جتنا شبہ قوی ہو گا اتنا ہی بچنا بہتر ہو گا کہ یہ عمر بھر کا معاملہ ہے، ایسا نہ ہو کہ بھتیجی کو جو لڑکی کا حکم رکھتی ہے، بیوی بنائے رکھے مگر حرمت کا حکم بلا شہادتِ شرعیہ یا تصدیق یا اقرار کے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ و صحبہ وبارک وسلم.

الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی الاشرفی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ معین شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسمّی شمشیر علی بعمر ۲ سال کا نکاح پھوپھی زادہ بہن مسماۃ نوراں سے ہوا، شادی نہیں ہوئی، بوقتِ نکاح نکاح خواں کے روبرو کسی قسم کا کوئی ذکر انکار یا اعتراض نہ ہوا اور نہ ہی ذاتی طور پر نکاح خواں کو کوئی علم تھا لیکن چند دن بعد سنید میں آیا کہ شمشیر علی مذکور نے اپنی دادی مسماۃ جگاں کا دودھ پیا ہوا ہے نکاح خواں نے شمشیر علی کے والد مسمّی رب نواز اور چچا امیر محمد کو بلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا

شمشیر علی کی عمر تقریباً ایک سال کی تھی کہ اس کی ماں بیمار ہوگئی، حکمار کے فرمان کے مطابق شمشیر علی کو ماں کا دودھ پلانا بند کر دیا گیا تھا پھر بکری کے دودھ مکھن اور چوری پر پرورش شروع کی، ماہ دو ماہ بعد شمشیر علی کی ماں فوت ہوگئی اس کو دادی مسماۃ جگاں نے پرورش بدستور جاری رکھی، اس وقت مسماۃ جگاں کی عمر تقریباً ۶۵ سال کے قریب تھی، دوسرے اس کے ہاں شیر خوار بچہ نہ تھا مسماۃ جگاں کے آخری بچہ مسمیٰ خدا بخش کی عمر تقریباً پندرہ سال سے زیادہ تھی نہ اس کے پستانوں میں دودھ تھا نہ اس نے اپنے پستان اپنے پوتے کے منہ میں دیئے، ہم نے اپنی آنکھوں سے پستان ناکح کے منہ میں نہیں دیکھے، اس وقت ناکح کی دادی مسماۃ جگاں فوت ہو چکی ہے ورنہ خود بیان کرتی نیز تسلی کے لئے نکاح خواں سے ناکح کے چچا ملوک اور خدا بخش، چچی گاگامی، اللہ وسائی پھوپھی، جٹو مائی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی ناکح کی پیدائش کے ایک سال بعد اس کی والدہ بیمار ہو کر ماہ دو ماہ بعد مرگئی تھی، ناکح کو دادی نے پالا پوسا تھا مگر پستان ہم نے مسمیٰ شمشیر علی کے منہ میں نہیں دیکھا، مسماۃ جگاں (دادی) کی عمر ۶۵ سال کے قریب ہوگی اور اس کے ہاں کوئی شیر خوار بچہ نہ تھا، اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر بھی پندرہ سال سے زیادہ تھی، یہ سب لوگ ناکح کے قریبی رشتہ دار صاحب اتفاق خیر خواہ اور قریبی ہی یہ ہیں پھر ان رشتہ داروں سے دریافت کرنا شروع کیا جن سے ناکح کا اتفاق نہ تھا، مسمیٰ اللہ بخش ناکح کی دادی کا سگا بھائی بعمر ۹۰ سال مسماۃ امناں ناکح کی دادی کی بھاوجہ بعمر ۸۸ سال مسماۃ امناں ناکح کی مانی کی ماں جویہ فضلہ بعمر ۸۰ سال مسمیٰ عطا محمد بعمر ۴۰ سال ناکح کا ماموں مسماۃ احمد، ناکح کی مانی مسماۃ بھرا داں، مسماۃ گنہور، ناکح کی مانی کی بہن مسماۃ پیٹھانی زوجہ لال، ناکح کی دادی کی بھاوجہ بعمر ۶۰ سال، ان سب کے بیان بھی یکساں ہے کہ واقعی مسمیٰ شمشیر علی ناکح کی ماں بیمار ہوگئی تھی، اس وقت ناکح کی عمر تقریباً ایک سال تھی، ماہ دو ماہ بعد اس کی ماں مرگئی، اس کی دادی جگاں بعمر ۶۵ سال نے پالا پوسا تھا، اس کے ہاں شیر خوار بچہ نہ تھا، اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر اس وقت پندرہ سال سے

زیادہ تھی مگر دادی جگاں کا پستان شمشیر علی ناکح کے منہ میں ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا انہی لوگوں میں سے دو گواہ اور بھی ملے جن کے بیان درج ذیل ہیں، ان کا ناکح کے ورثاء سے کچھ برادری تنازعہ بھی ہے۔

مسمیٰ کریم بخش و مسمیٰ عظیم بخش پسران لال قوم چھینبہ ناکح کے رشتہ دار ہیں، کلمہ پڑھ کر اپنے خدا کی قسم اس طریقہ سے اٹھائی کہ ہمیں قسم ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں پیدا کیا جو عالم الغیب ہے، ہم اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ مسمیٰ شمشیر علی ناکح کو اپنی دادی کا پستان منہ دبائے دیکھا تھا مگر دودھ کا ہمیں علم نہیں ہے کہ آتا تھا یا نہ، ویسے یہ ٹھیک ہے کہ مسماۃ جگاں کے ہاں کوئی دوسرا شیر خوار بچہ نہ تھا اور اس کے آخری بچے خدا بخش کی عمر پندرہ سال سے زیادہ تھی، اس وقت ہماری عمر فیض محمد ولد شیر محمد کی عمر کے برابر تھی، فیض محمد کو بلا کر دیکھا گیا جس کی عمر تقریباً دس بارہ سال کے قریب ہے مسماۃ پٹھانی مذکور مسمیٰ کریم بخش و عظیم بخش کی ماں ہے جس کے بیان مندرجہ بالا بیانات میں گزر چکے ہیں اور اپنے بیٹوں کے خلاف ہیں یہ سب بیانات ایک کثیر مجمع میں دوبارہ ملتے گئے اور پڑھ کر سنائے گئے لہٰذا التماس ہے کہ از روئے شرع شریف واضح فرمادیں کہ شمشیر علی ناکح کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ناکح منکوحہ، نکاح خواں، وکیل، گواہاں، ورثاء اور شامل شدگانِ نکاح کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورت سوال درست ہے تو نکاح صحیح ہے کیونکہ رضاع صرف بے سر و پا شنید سے ثابت نہیں ہوتی، اس کا ثبوت اقرار ناکح یا شہادت شرعیہ سے ہی ہو سکتا ہے یعنی

پابند شریعت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں شہادت دیں۔ فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۴ میں ہے الرضاع یظهر بامرین احدهما الاقرار والثانی البینة کذا فی البدائع ولا یقبل فی الرضاع الاشهادة رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۹ رجب المرجب ۱۳۹۶ھ، ۲۸-۷-۷۶

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرح متین اندریں صورت کہ لڑکی لڑکے کا نکاح ہونے کے بعد بھی اور پہلے بھی لڑکی اور لڑکے کی مائیں کہتی تھیں کہ لڑکی کی ماں نے لڑکے کو دودھ پلایا ہے اور کوئی ان کے علاوہ گواہ نہیں، لڑکی اور لڑکا کہتے ہیں کہ دودھ نہیں پلایا گیا ہاں البتہ شریعت اس نکاح کو فسخ کر دے ہمیں شریعت منظور ہے۔ لڑکے کی والدہ کہتی ہے ایک دفعہ پلایا گیا ہے اور لڑکی کی والدہ مطلق کہتی ہے کہ بس پلایا ہے۔ بینوا توجروا۔

السائل: محمد حنیف چک ۳۴/ ۲ تحصیل اوکاڑہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مسئولہ اگر واقعی اور صحیح ہے تو یہ نکاح نافذ وغیر منفسخ ہے کہ رضاع دو مرد یا ایک مرد، دو عورتوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ وہ سب گواہ عادل ہوں۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ میں ہے ولا یقبل فی الرضاع الا شھادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط، ہدایہ ج ۲ ص ۴ ۳۳ میں ہے ولا یقبل فی الرضاع النساء منفردات الخ اور اخبار قبل نکاح اور بعد نکاح میں بھی ظاہر الروایۃ میں کوئی فرق نہیں، شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں بحر الرائق سے ہے ان ظاہر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقا فلیکن ھو المعتمد فی المذہب الخ۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۵ میں ہے ان کذبا ھا فالنکاح بحالہ ہاں بہتر اور افضل یہ ہے کہ مفارقت کر دیں مگر لازم نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین:

ایک بچے کی پیدائش کے بعد اس کی والدہ بیمار ہو گئی اور علاج کے لئے اپنے دیوبند

کے ہاں چلی گئی، وہاں ایک رات بچے کی والدہ بیماری کی وجہ سے بیہوش ہوگئی تو بچے کی چچی نے اس کو اپنے ساتھ سلا لیا، اب شک گزار رہے کہ سوتے ہیں بچے نے دودھ نہ پی لیا ہو، اب اس بچے کی شادی اس کے چچا کی لڑکی سے ہونے والی تھی تو چچی نے وہم میں ڈال دیا ہے، موقع کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے، اور وہ لڑکی اس لڑکے سے چار پانچ سال چھوٹی ہے کیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے؟

السائل: اللہ دتہ ڈسکہ کلاں مکان ۸۹، ضلع سیالکوٹ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

چھوٹے بڑے ہونے کا تو اعتبار نہیں مگر صرف شبہ سے رضاع ثابت نہیں ہوتی در المختار ج ص ۲۰۹ میں ہے لو التقم الحلمة و لم يدر ادخل اللبن فی حلقه ام لا لم يحرم لان فی المانع شكا لہٰذا یہ نکاح جائز ہے، واللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ و بارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ جمادی الآخری ۱۳۸۹ھ
۲۲-۸-۶۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی نے دوسری عورت کا شیر پی لیا

ع مطبع احمدی، دہلی

دوسری عورت کا لڑکا اس لڑکی کے ہم سن تھا۔ اب اس لڑکے کی شادی اس لڑکی کی بڑی ہمشیرہ کے ساتھ کرے، کیا وہ اس کے نکاح میں آ سکتی ہے یا نہیں؟

سائل: مستری محمد رمضان فریدی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جائز ہے۔ بدائع الصنائع ج ۳ ص ۵ میں ہے یجوز للرجل ان یتزوج اخت اختہ من الرضاع وھذا ظاہر۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب جل اللہ علی حبیبہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

السلام علیکم۔ عرض احوال یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں رقعہ ارسال ہے کہ جناب کو عرض کیا ہے کہ دو بہنیں ہیں۔ بڑی بہن کے لڑکے کو چھوٹی بہن نے شیر پلا دیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ شیر والے لڑکے کے علاوہ بڑا لڑکا یا چھوٹا لڑکے کو اس کی لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی تحریر کر دی جائے۔

سائل: محمد خاں وٹو ماہموں کا سکنہ لالو پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

شیر پینے والے لڑکے کے علاوہ اس کے بڑے بھائی یا چھوٹے بھائی کے ساتھ شیر پلانے والی کی لڑکی کی شادی ہوسکتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ فتاوے عالمگیر ج۲ ص۳۴۲ میں ہے وتحل اخت اختہ رضاعا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

مورخہ ۳۱-۸-۶۴

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں کہ زید نے سلمٰی سے نکاح کرنا چاہا مگر سلمٰی کی والدہ ہندہ غیر عادلہ نے کہا کہ میں نے غلطی سے زید کو بچپن میں اپنا دودھ پلایا ہے اور اس پر کوئی شاہد نہیں اور زید وغیرہ اسے تسلیم بھی نہیں کرتے تو کیا زید کا سلمٰی سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح سلمیٰ سے ہو سکتا ہے کہ رضاع خصوصًا غیر عدلہ کے قول سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ مبسوطِ سرخسی ج ۳۰ ص ۳۰۲، ۳۰۳ میں ہے شھادۃ المرأۃ الواحدۃ علی الرضاع لا تتم حجۃ الفرقۃ عندنا (الی ان قال) ولا فرق فی الفصلین بین ان تکون الشھادۃ بعد عقد النکاح او قبلہ۔ شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں ہے لا تقبل شھادۃ المرضعۃ عند ابی حنیفۃ واصحابہ۔ فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ میں ہے ولا تقبل فی الرضاع الا شھادۃ رجلین او رجل وامرأتین عدول کذا فی المحیط اور ایسے ہی کنز اور تنویر اور در المختار وغیرہا اسفارِ فقہ میں ہے بحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۲، شامی ج ۲ ص ۵۶۸ میں ہے افاد انہ لا یثبت بخبر الواحد امرأۃ کان او رجلا قبل العقد او بعدہ صرح بہ فی الکافی و النھایۃ (الی ان قال) ظاھر المتون انہ لا یعمل بہ مطلقا فلیکن ھو المعتمد فی المذھب، فتاوے قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۱ ان اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا نیز فتاوے قاضی خان ج ۱ ص ۱۹۱ میں ہے وکما لا یفرق بینھا بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشھادتھن فکذلک قبل النکاح مگر جب ان کے دل میں یہ پڑے کہ یہ عورت سچی ہے تو بہتر ہے کہ بچے۔ فتاوے عالمگیری وغیرہا میں ہے وان کان المخبر واحدا ووقع فی قلبہ انہ صادق فالاولی ان یتنزہ ویأخذ بالثقۃ وجد الاخبار قبل العقد او بعدہ ولا یجب علیہ ذلک کذا فی المحیط۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی

۱۳۶۲-۶-۴

الاستفتاء

سائل منظہر کہ مسماۃ عرشاں نے جب ڈھائی سال کی تھی تو اس نے اپنی نانی کا دودھ پینا شروع کیا اور تقریباً چھ ماہ پیتی رہی تو اس کا نکاح مسمیٰ محمد صدیق ولد ... کے ساتھ جائز ہے؟ حالانکہ یہ صدیق مسماۃ عرشاں کا ماموں اسی نانی کا لڑکا ہے جس کا دودھ پیتی رہی تھی۔

السائل: چراغ ولد اسمٰعیل قوم ماچھی چک ۱۶۱/B.4 ڈاکخانہ فتنہ ضلع منٹگمری
(نشان انگوٹھا سائل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر مسماۃ عرشاں نے صدیق کی ماں کا دودھ ڈھائی سال قمری کے اندر پیا ہے اگرچہ ایک ہی قطرہ پیا ہو تو وہ صدیق کی بہن بن جائے گی اور صدیق کا لڑکا محمد اس کا بھتیجا اور وہ اس کی پھوپھی ہوئی تو ان کا نکاح نہیں ہو سکتا، اور اگر پورے ڈھائی سال قمری کے پیچھے دودھ پیا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور نکاح جائز ہوگا، اچھی طرح تحقیق کرلیں، عمر بھر کے لئے

حرام و حلال کا معاملہ ہے خدانخواستہ اگر غلطی کریں تو عمر بھر زنا کا گناہ سب ذمہ داروں کو بھی ہوگا قمری سال بارہ ماہ کا چاند کے لحاظ سے ہوتا ہے اور انگریزی اور دیسی سال سے تقریباً دس دن چھوٹا ہوتا ہے، اچھی طرح حساب لگالیں، حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ فتاوی عالمگیری ج ۲ ص ۶ میں ہے کل من تحرم بالقرابۃ والصھریۃ تحرم بالرضاع، ص ۳۲ میں ہے ووقت الرضاع فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ مقدر بثلثین شھرا۔ قرآن کریم میں ہے ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عبدہ المفتقر الی اللہ الاکبر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ جمادی الاخریٰ ۹۴ء ۱۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ ایک عورت نے زید کو ایک سال کی عمر میں تقریباً دودھ پلایا، آیا وہ عورت زید کو اپنی لڑکی دے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد رمضان از رتیاں ٹبیاں ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

زید عورتِ مذکورہ کا دودھ پینے کی وجہ سے لڑکا بن گیا ہے تو اس عورت کی لڑکی زید کی بہن بنی اور بہن سے نکاح یقیناً حرام اور سخت حرام ہے، اس میں کوئی ایماندار شک نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ رسولہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسمّی زید کی زوجہ منکوحہ جس میں سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں، بعد پرورش مذکورین مؤنثین کے یا قبل مذکور مسمّی زید قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا تو فوت ہونے کے بعد مسمات مذکورہ نے کسی اور رجل سے نکاح کیا پھر اسی رجل کے نکاح میں حاملہ ہوئی اور ایک لڑکا جنی تو اس لڑکے کی مادر نے کسی اجنبی لڑکے کو دودھ پلایا، کیا وہ پہلی دونوں لڑکیوں سے یہ اجنبی نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وہ لڑکیاں اور اجنبی لڑکا رضاعی بہن بھائی ہیں لہٰذا اس پر حرام ہیں اور اس صورت میں تو، اگر لڑکے نے دودھ بھی نہ پیا ہوتا تب بھی اس پر حرام تھیں کہ دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ اور حدیث شریف میں ہے یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب اخرجہ الشیخان نیز قرآن کریم میں ہے وان تجمعوا بین الاختین۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المفتی الحاج محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

قبلہ حضرت صاحب

السلام علیکم : بعد از سلام مسنون !

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ہمشیرہ کی سوکن کی لڑکی میرے لڑکے کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں جبکہ میرے لڑکے نے میری ہمشیرہ کا دودھ پیا ہوا ہے، کیا رضاعت ہمشیرہ کی سوکن کی لڑکی کے ثابت ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل : محمد یعقوب قوم ارائیں نزد مسجد بی کالونی شلع کا ٹن ملز اوکاڑہ ۲۶ جون ۶۹ء

ربِّ زِدْنِی عِلْمًا

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگراس سوکن کی لڑکی کے باپ کا دودھ آپ کے لڑکے نے پیا ہے بایں صورت کہ آپ کی ہمشیرہ کا دودھ جو پیا ہے وہ ہمشیرہ کے اس بچے کے ہونے کی وجہ سے ہے جو اس لڑکی کے باپ سے ہوا ہے تو آپ کا وہ نسبی لڑکا اس لڑکی کے باپ کا رضاعی بیٹا بن گیا ہے اور لڑکی کا رضاعی بھائی لہٰذا ان کا نکاح نہیں ہو سکتا اور اگر ہمشیرہ کا وہ بچہ کسی اور خاوند سے ہے جس کے ساتھ آپ کے لڑکے نے دودھ پیا ہے یا وہ لڑکی سوکن کے کسی اور خاوند سے ہے تو پھر رضاعی بہن بھائی نہیں بنیں گے اور نکاح جائز ہے کما ھو مبین ومتبین فی اسفار المذھب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعلی وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۹۶ھ

$\frac{3}{76}$ ۲۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ محمد کا بچہ پیدا ہوا تو اس کی بیوی نے جو اس بچہ کی ماں ہے مسمیٰ رجب علی کو مدتِ رضاع میں دودھ پلایا اور

اس وقت یہ خیال نہ تھا کہ رجب علی کو رشتہ دیں گے، تو کیا رجب علی مسمّٰی محمد کی لڑکی جو
اس دودھ پلانے والی بیوی کے پیٹ سے ہے، نکاح میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز
مسمّٰی محمد کی دوسری بیوی کے پیٹ سے جو لڑکی ہو اس کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟
بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نکاح ہو سکتا ہے۔ بینوا اماجورین من رب العلمین۔

المستفتی: سید علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بھائی کا نکاح بہن کے ساتھ کیسے
ہو سکتا ہے بلاشک وشبہ وگنجائش ریب مسئلہ مسئولہ میں مسمّٰی محمد رجب علی کا رضاعی باپ
بن گیا اور اس کی تمام لڑکیاں اس کی رضاعی بہنیں بن گئیں اور شریعتِ مطہرہ میں بہنوں کے
ساتھ نکاح قطعاً نہیں ہو سکتا، خواہ باپ یا ماں دونوں یا ایک کے ذریعہ سے بہن بنے
اور خیال نہ رہنے کا عذر بیہودہ ہے نسبی لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں کسی کو یہ خیال اور وہم
نہیں آتا کہ اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرے گا تو کیا بعد میں کر سکتا ہے؟ قطعاً نہیں!
قرآنِ کریم میں صراحۃً ارشاد ہے و اخواتکم من الرضاعۃ اور احادیثِ محبوبِ
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نمایاں طور پر یہی ثابت کر رہی ہیں، بخاری شریف ج ۲ ص ۷۸۸،
سنن نسائی ج ۲ ص ۶۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۴۸، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۰، سننِ ترمذی ص ۱۴۸،
صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۶۶، سننِ بیہقی ج ۷ ص ۴۵۲، کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۷ وغیرہا کتبِ معتبرۂ حدیث شریف
میں ہے بالفاظِ متقاربہ مرفوعاً یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب۔ فتاویٰ
عالمگیری ج ۲ ص ۳۴۲ وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں بالکل صاف صاف یہی فتوے اور حکم منقح

ہے و النظم من الھندیۃ فالکل اخوۃ الرضیع و اخواتہ، یہ تو رضاعی باپ کی نسبی لڑکیاں ہیں شرعاً رضاعی لڑکیاں بھی رضاعی لڑکے پر حرام ہیں، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۵۳، کنز العمال ج ۳ ص ۲۴۵، مبسوط ج ۳۰ ص ۲۹۳ وغیرہا میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا یہ فتوے موجود ہے سئل ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما عن رجل یکون لہ امرأتان فترضع احدٰہما صبیا و الاخری صبیۃ قال لا اللقاح واحد لا تحل لہ۔ اور یہی حکم متون و شروح و فتاوے سے ثابت مبرہن و مبین ہے، پس آفتاب نیمروز اور مہتاب نیم ماہ سے بھی نمایاں طور پر ثابت ہوا کہ رجب علی مسمی محمد کی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا، اس حکم کا خلاف وہی کرے گا جو محض جاہل اور شرعی احکام سے غافل ہو یا بالکل دیوانہ یا شیطان کا فرزند فرزندانہ ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

النور غفرلہ

۷ ذی القعدۃ المبارکہ ۶۷ھ

الاستفتاء

چند سوالات کے مختصر جوابات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ

سوالات

سوال نمبرا : زید اور شمیم خالہ زاد بہن بھائی ہیں، زید نے شمیم کے ہمراہ اس کی والدہ کا دودھ پیا ہے اس طرح یہ دونوں رضاعی بہن بھائی بھی ہوئے۔

(ا) کیا ان دونوں کی شادی ہو سکتی ہے؟

(ب) کیا زید شمیم کی چھوٹی یا بڑی بہن سے شادی کر سکتا ہے؟

جوابات

(ا) ہرگز نہیں بحکم قرآنِ کریم بہن بھائی ہیں۔

(ب) شمیم کی کوئی بہن یا بھتیجی یا بھانجی یا اور کوئی ایسی لڑکی جو شمیم کے والد یا والدہ کی اولاد سے ہو، زید کے نکاح میں بحکم حدیث شریف نہیں آسکتی البتہ شمیم کی ایسی رضاعی بہن جو شمیم کے والدین میں سے کسی ایک کی رضاعی بچی بن سکے تو وہ جائز ہے مثلاً کسی اجنبی عورت کا شمیم نے دودھ پیا تھا تو اس عورت کی رضاعی یا نسبی لڑکی شمیم کی رضاعی بہن ہوگی اور زید کے لئے جائز ہوگی۔

(ج) کیا شمیم کی شادی زید کے دوسرے چھوٹے یا بڑے بھائیوں میں کسی کے ساتھ ہو سکتی ہے؟

(ج) ہاں جائز ہے بحکم القرآن الکریم۔

(د) کیا شمیم اور زید کے علاوہ ان کے دوسرے بہن بھائیوں کی ایک دوسرے سے شادی ہو سکتی ہے؟

(د) جائز ہے۔

سوال نمبر ۲:۔ مسرت جبین اور شرف الدین کی آپس میں کسی قسم کی رشتہ داری نہیں اور نہ ہی ایک قوم کے ہیں، مسرت جبین نے اپنا دودھ شرف الدین کے کان میں ڈالا کیونکہ اس کے کان میں درد تھا، ایسی عمر میں جبکہ یہ شادی شدہ بھی ہیں اور نوجوان بھی،

(ا) کیا اس دودھ کی وجہ سے شرعی حیثیت سے ان کے ایک دوسرے پر کوئی حقوق واجب ہو جائینگے؟

(ا) مدتِ رضاع (دو یا ڈھائی سال) کے بعد حرمتِ رضاعیہ ثابت نہیں ہوتی بحکم الحدیث الشریف لہٰذا کوئی رضاعی رشتہ نہیں بن سکتا۔

(ب) کیا یہ برادری رشتہ میں منسلک ہو جائیں گے؟

(ب) ہرگز نہیں۔

(ج) اگر کچھ عرصہ بعد دونوں آپس میں شادی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؟

(ج) ہاں کر سکتے ہیں بحکم القرآن الکریم۔

(د) کیا ان دونوں کے بچوں کی باہم دوسرے سے شادی ہو سکتی ہے؟

سوال نمبر ۳۔ کیا بیوی کو خاوند کے کان میں دودھ ڈالنا چاہیے جبکہ اس کو تکلیف ہو؟

(د) ہاں ان کے بچوں کی بھی ایک دوسرے سے شادی ہو سکتی ہے۔

(۳) ہاں ڈال سکتی ہے کہ مدتِ رضاع کے بعد حرمت نہیں ہوتی البتہ اگر خاوند بالکل چھوٹا بچہ مدتِ رضاع کے اندر ہو تو ہرگز نہ ڈالنا چاہیے کہ ثبوتِ حرمت سے بچے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۴ / شعبان المعظم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ابھی دو ماہ کا بچہ تھا، اس کی والدہ مر گئی، زید کی دادی جو معمر تھی اور اس کی اولاد بھی ۵/۶ سال پہلے بند ہو چکی تھی، بچہ کو اپنی گود میں لے لیا، از راہِ محبت دادی کو قدرے دودھ بھی اتر آیا لیکن اس سے بچے کی خوراک پوری نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے گائے کا دودھ بھی بچے کو پلانا شروع کیا، یہ دودھ بھی بچہ کو ہضم ہوتا رہا اور اسی کے سہارے بچہ میعاد معین تک پرورش پاتا رہا، اب بچہ جوان ہے، دادی کی اولاد دودھ شریک ہونے کی وجہ سے بچہ مذکور کے بھائی بہن ہیں، نسبی رشتہ کے لحاظ سے چچے، پھوپھیاں ہیں اور یہ سب صاحبِ اولاد ہیں کیا ان کی لڑکیاں اس کے نکاح میں آسکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔ ۲۹-۶-۵۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

صورت مسئولہ میں زید کی دادی زید کی ماں اور اس کی اولاد زید کے نسبی چچے، ماموں، پھوپھیاں اب بہن بھائی بن گئے اور ان کی اولاد بھتیجے بھتیجیاں، بھانجے بھانجیاں بن گئی لہٰذا ان کی لڑکیاں زید کے نکاح میں نہیں آسکتیں، اولاد بند ہونے یا دودھ کے کم ہونے کا قطعاً اعتبار نہیں حتیٰ کہ مردہ عورت کا دودھ گو ایک قطرہ بچے کے پیٹ میں چلا جائے تو حکم حرمت ثابت ہو جاتا ہے، فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۲ میں ہے حتی ان المرضعۃ لو ولدت (الیٰ ان قالوا) فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ نیز اسی میں ۳۴۳ ہے لبن الحیۃ والمیتۃ سواء فی التحریم نیز اسی میں ۳۴۲ ہے قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم، تو گائے وغیرہ کے دودھ پلانے کا کوئی اعتبار نہیں البتہ اگر عورت کا دودھ دوہا جائے اور اس میں گائے بکری کا ملا دیا جائے تو بعد ازاں بچے کو پلا دیا جائے تو غالب یعنی زیادہ کا اعتبار ہوگا، فتاوےٰ مذکور کے ص ۳۴۳ میں ہے ولو خلط لبن المرأۃ الخ اور یہاں ملانے کی شکل نہیں لہٰذا حرمت مذکورہ ثابت اور نکاح حرام ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

بحضور فیض گنجور منبع شریعت طریقت حقیقت معرفت دام ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ کے بعد بندہ درگاہ رب العالمین سے آپ کے درِ دولت کی عز و جاہ کا ہر وقت خواستگار ہے۔

ایک عورت بیمار ہو جاتی ہے اور اس کی حالت نازک کے وقت صرف دو دن اس کی بہن نے بیمار عورت کے بچے کو دودھ پلایا ہوا ہے لہذا دودھ پلانے والی کی گود میں بھی اس وقت لڑکا ہی تھا اور پھر دوبارہ دودھ پلانے والی عورت کے حمل سے لڑکی پیدا ہوئی، آپ مطلع فرمادیں کہ بیمار عورت کے بچے کو وہ لڑکی عقد میں آسکتی ہے یا نہیں ؟ عین نوازش ہوگی، جواب جلدی لکھ کر مشکور فرمادیں۔

السائل : مستری عبد العزیز از شیر گڑھ براستہ رینالہ خورد ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وہ لڑکی اس لڑکے کی رضاعی ماں کی لڑکی ہے تو اس کی رضاعی بہن ہوئی اور بحکم قرآن کریم حرام قطعی ہے، قرآن کریم میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ (پ۴) فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۸۹ میں ہے تتعدی الی اصول المرأۃ وفروعھا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ

واصحابہ و بارک و سلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۷ر جمادی الاخریٰ ۵، ۱۳ھ

الاستفتاء

محترم جناب مفتی صاحب مدرسہ اسلامیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

السلام علیکم ورحمۃ و برکاتہ: عرض ہے کہ عرصہ تقریباً ۲۰ سال ہوگئے ہیں کہ میری بھاوج سخت بیمار ہوگئی تھی اور اس کے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی جس وقت وہ بیمار ہوئی تھی اس کی گود میں دو ماہ کا بچہ تھا، بچہ ماں کا دودھ نہیں پی سکتا تھا، اس مجبوری کی وجہ سے میری بیوی جس کی گود میں اس وقت ایک لڑکا تھا، اس کی عمر بھی تقریباً دو ماہ کی تھی تو میری بیوی نے میری بھاوج کے لڑکے کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد اس کی ماں صحت یاب ہوگئی، پھر میری بیوی کے ہاں تقریباً اڑھائی سال بعد ایک اور لڑکا پیدا ہوا، پھر اس کے تقریباً تین سال بعد ایک لڑکی میرے ہاں پیدا ہوئی۔ اب ہمارا خیال میری بھاوج کے لڑکے کے ساتھ اپنی لڑکی کا رشتہ کرنے کا ہے، میری بھاوج بیوہ ہے اور اس کا ایک ہی وہ یتیم لڑکا ہے آپ مہربانی فرما کر فتوے ارشاد فرمائیں کہ کیا ان دونوں کی یعنی میری لڑکی اور میری بھاوج کے لڑکے کی شادی ہوسکتی ہے؟

از فرزند علی دوکاندار بوریوالہ دکان ۵۳ ۱۴ ڈی بازار بوریوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

وہ لڑکا جس نے آپ کی بیوی کا دودھ پیا، آپ کا اور آپ کی بیوی کا رضاعی لڑکا بن گیا لہذا آپ دونوں کی یا کسی ایک کی لڑکی اس لڑکے کی رضاعی بہن بنے گی لہذا ایسی کوئی لڑکی جو آپ کی اسی بیوی سے یا آپ کی کسی اور بیوی سے ہو، اس لڑکے کے نکاح میں نہیں آسکتی، ایسا کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے، یہ قرآنِ کریم در حدیث پاک اور فقہ شریف کا مضبوط حکم ہے، قرآنِ کریم چوتھے پارے کے آخر میں ہے واخواتکم من الرضاعۃ یعنی تمہاری رضاعی بہنیں تم پر حرام کی گئی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۸ صفر الخیر ۱۳۸۹ھ ۲۶/۴/۶۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک لڑکا جس کی والدہ بچپن یعنی شیر خوارگی میں فوت ہوگئی۔ اس کے بعد اس بچے کی سگی چچی نے اس بچے کو گود میں لیا اور شیر پلایا، شیر پی کر پرورش پائی، اس بچے کے ساتھ اس کی چچی کی لڑکی نے بھی

دودھ پی لیا۔ اس سے پہلے مذکورہ چچی کی دو بڑی لڑکیاں تھیں، ان دو میں سے ایک بڑی لڑکی اس لڑکے کے سگے ماموں کے نکاح میں آئی، اس لڑکے کے ماموں کی اب ایک نوجوان لڑکی ہے اور وہ بچہ بھی اب نوجوان ہے، از راہِ کرم مطلع فرمادیں کہ اس لڑکے کا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے ہو سکتا ہے یا کہ نہیں؟ جواب سے مطلع فرما کر نوازیں۔

والسلام

تحریر ۸ راگست ۱۹۷۳ء سائل سکنہ چک ۱۰۰/5.0 تحصیل منڈی بہاؤالدین ضلع بہاولپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اس لڑکے کا نکاح اس ماموں زاد لڑکی سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ لڑکی اسکی بھانجی بھی ہے، جس عورت کا دودھ پلایا جائے اس کی تمام اولاد دودھ پینے والے کے بہن بھائی بن جاتے ہیں کما فی الاحادیث المبارکۃ و کتب المذهب المهذب الحنفی، ہاں اگر وہ لڑکی ماموں کی کسی اور بیوی سے ہو تو اس کے مطابق حکم ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۱ رجب المرجب ۱۳۹۳ھ

۱۱ ۸/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ سے متعلق، میری حقیقی خالہ نے حقیقی بڑے بھائی کے ساتھ میری حقیقی والدہ کا دودھ پیا ہے، دودھ پینے کی مدت دو تین بار صرف لمحات بنی ہے، دودھ خالہ کو شغلاً پلایا گیا ہے، کیا خالہ کی لڑکی کا عقد میرے ساتھ شرعاً جائز ہے؟ یاد رہے کہ خالہ نے میرے بڑے بھائی کے ساتھ مل کر دودھ پیا ہے، میرے ساتھ مل کر نہیں پیا۔

باقر حسین ایکسائز سب انسپکٹر پاکپتن 65-12-3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

آپ کی وہ حقیقی خالہ دودھ پینے سے آپ کی حقیقی رضاعی بہن بن گئی تو اس کی لڑکی آپ کی بھانجی بنی اور بھانجی سے نکاح شرعاً حرام ہے اگرچہ رضاعی ہو اور اس بات میں ایک ساتھ دودھ پینا شرط نہیں بلکہ آگے پیچھے پینے سے بھی رضاع ثابت ہو جاتی ہے اور یہ فرق بھی نہیں کہ قصداً پلایا جائے یا شغلاً بلکہ دودھ حلق سے اتر جائے اگرچہ کم ہو تو حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۳۴۲ میں ہے قلیل الرضاع وکثیرہ اذا حصل فی مدۃ الرضاع تعلق بہ التحریم نیز اسی میں ہے والقلیل مفسر بما یعلم انہ وصل الی الجوف اور ص ۳۴۳ میں ہے ان القطرۃ من اللبن اذا دخلت حلق الصبی تکفی لثبوت الحرمۃ۔ نیز اسی میں (ص ۳۴۳)

ہے حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل او غیرہ قبل ھذا الارضاع او بعدہ الخ نیز ص ۱۶ میں ہے کل من تحرم بالقرابۃ والصھریۃ تحرم بالرضاع۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

گرامی قدر جناب مفتی اعظم صاحب دام سلامت

السلام علیکم، مزاجِ گرامی!

(پہلی بیوی) ایک بیوی خاتون بی سے — حاجی عطا محمد — دوسری بیوی سردار بیگم سے

محمد اسلم — جہان خاں — محمد اشرف — ممتاز احمد — امتیاز احمد — سعید احمد — مظہر نسیم

پہلی بیوی ۱۹۴۴ء میں فوت ہوگئی، دوسری شادی ۴۶ء میں ہوئی جو ۲۹ ۵/۷۳ کو فوت ہوگئی، دوسری بیوی کے امتیاز احمد کے ساتھ ایک کس جاوید اقبال کو میری بیوی سردار بیگم نے اس وقت دودھ پلایا جبکہ جاوید اقبال کی والدہ کا دودھ نہ تھا، وہ تنگ تھا، ہماری نظروں میں جاوید اقبال جملہ سات بھائیوں کا بھائی ہوگیا ہے، کیا شرعاً یہ درست ہے؟ اب جہان خاں اپنی لڑکی کا رشتہ جاوید اقبال کو دینا چاہتا ہے، کیا شریعت میں یہ رشتہ جائز ہے یا نہ؟

براہِ کرم فتویٰ مرتب فرماکر ارسال فرمائیں، مشکور ہوں گا، کوئی خدمت؟

حاجی عطا محمد ۷۳-۱۱-۱۳

حاجی ملک عطا محمد صاحب ریٹائرڈ A.S.P یعنی اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: مزاج ہمایوں!

ہاں آپ کا نظریہ درست ہے، جاوید اقبال آپ کا لڑکا اور آپ کے سب لڑکوں کا بھائی بن گیا ہے تو جہان خاں کی لڑکی اس کی بھتیجی ہے اور اس پر حرام ہے، متفق علیہ حدیث شریف میں ہے الرضاعۃ تحرم ما تحرم الولادۃ یعنی وہ رشتے جو ولادت حرام کرتی ہے، ان کو دودھ پینا بھی حرام کر دیتا ہے تو جیسے جہان خاں کی لڑکی امتیاز احمد پر حرام ہے ویسے ہی جاوید اقبال پر بھی حرام ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۲۴ میں ہے یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما وفروعھما من النسب والرضاع۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۲ر شوال المکرم ۱۳۹۳ھ

۱۸/۱۱/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید نے اپنی چچازاد سے نکاح کیا اور ایک بچہ پیدا ہو کر فوت ہوا اور دودھ خشک ہو گیا، بعدازاں اسے حمل نہیں ہوا اور عورت کی شیرخوار بہن کو پرورش کے لئے لی اور عورت کو دودھ اتر آیا اور شیرخوار پیتی رہی تو کیا یہ لڑکی زید کے بھائی عمرو کے نکاح میں آسکتی ہے؟ بینوا توجروا

السائل: (مولانا) محمد عظیم نوری، امام مسجد چک نو ۱۲۸/۱۱ ایل تحصیل و ضلع ساہیوال

۱۴-۶-۷۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ہاں بشرطِ صحتِ سوال جائز ہے کہ زید کا بھائی اس سے نکاح کرے کیونکہ زید کی بیوی کا یہ دودھ جو اس لڑکی نے پیا ہے، زید کے بچہ پیدا ہونے سے نہیں اترا بلکہ ویسے ہی اترا ہے تو وہ لڑکی زید کی نہیں بلکہ صرف زید کی بیوی کی لڑکی ہے اور پہلے کافی مدت جو بچہ ہوا اور دودھ اترا تو وہ خشک ہو چکا تھا چنانچہ مسئلہ لبن الفحل فتاویٰ قاضی خاں ص ۱۹۰، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۱، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۴۳، فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۳، کفایہ علی الہدایہ ج ۳ ص ۳۱۴، بحرالرائق ج ۳ ص ۲۲۶، شامی ج ۲ ص ۵۶۵، طحطاوی علی الدر ج ۲ ص ۹۴، حاشیہ کتاب الفقہ ج ۴ ص ۲۶۹ کتب فقہ متقدمہ و النظم للاول رجل تزوج امرأۃ فولدت منہ ولدا فارضعت ولدھا ثم یبس لبنہا ثم در لہا لبن بعد ذلک فارضعت صبیا کان

لهذا الصبی ان یتزوج اولاد هذا الرجل من غیر المرضعة، اور

جب زید کی لڑکی نہ بنی تو نکاح جائز ہے کہ بنت العم کی طرح بنت بنت العم بھی ما ورا رذالکم میں

داخل اور حلال ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم و

علی الہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

خادم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (ضلع ساہیوال)

۲۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۷ھ ۱۴-۶-۷۷

باب الکفو

بابُ الکُفو

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی مرابقہ کھرل قوم جس کا چچا حقیقی اور بھائی عاقل بالغ موجود تھے، کسی کے اغوا سے ضلع بہاولنگر سے ضلع ملتان چلی گئی اور ایک غریب موچی کے ساتھ نکاح کر لیا اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت بالغ بھی ہو گئی ہو تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں حالانکہ کھرل شریف قوم ہیں اور ان کا رشتہ موچی کے ساتھ نہیں کیا جاتا اور بڑا باعثِ عار شمار کیا جاتا ہے۔

سائل: مولوی نور محمد۔ نور احمد صاحبان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

بشرطِ صحتِ سوال حسبِ تصریحِ مفتیانِ عظام یہ نکاح، نکاح ہی نہیں بلکہ ایک عقدِ باطل

ہے، فتاوئے قاضی خاں ص ۱۵۵، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۸۷، خیریہ ج ا ص ۲۵، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، ملتقی الابحر، مجمع الانہر، در المنتقی ج ا ص ۳۳۲، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۴۰۸ و ۴۰۹ میں ہے و النظم من الدر مع التنویر (ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی ـ واللہ تعالی اعلم وصلی اللہ تعالی علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مہر دار العلوم ہذا

ما قال الفقیہ الاعظم ھو الصحیح الاحکم

ابو الضیاء محمد باقر صدر المدرسین دار العلوم ہذا غفرلہ

تاریخ تحریر ۲۲ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع اندریں مسئلہ کہ ایک یتیم نابالغ لڑکی جو اپنی خالہ کے پاس پرورش پاتی تھی وہ اپنی بہن کو ملنے گئی تو ایک غیر قوم نے اس کو انغوا کر لیا اور جبرا اپنی مرضی سے آپ نکاح کر لیا۔ دو سال کے بعد جب لڑکی نے تنگی محسوس کی تو کسی حیلے بہانے سے بھاگ کر اپنی خالہ کے پاس آگئی، بعد ازاں جوان ہوئی تو اس نکاح کا صاف صاف لفظوں میں رد کر دیا، اب سوا سال سے خالہ کے پاس ہی ہے تو کیا وہ لڑکی اپنی مرضی سے

اپنے کسی ہم قوم کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا پہلے ہی نکاح کی پابند ہے؟ بینوا توجروا

السائل: محمد حسین بمقام چک کمبوہ ڈاکخانہ حجرہ شاہ مقیم تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

(نوٹ) اس یتیم لڑکی کے وارثوں سے صرف تایا زاد بھائی ہیں، جب ان کو اس نکاح کا علم ہوا تو پسند نہ کیا۔

نشان انگوٹھا سائل محمد حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو لڑکی اس نکاح کی ہرگز ہرگز پابند نہیں، اس بیچاری پر بڑا سخت ترین ظلم ہوا لہٰذا اپنے اختیار سے اپنے کسی ہم قوم کے ساتھ حسبِ دستورِ شرع نکاح کرسکتی ہے، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۹ میں ہے وتثبت الولایۃ باسباب اربعۃ الخ نیز ص ۱۱ میں ہے نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ الخ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۶۱-۵-۳

الاستفتاء

نوٹ: ذیل کا فتویٰ مولانا نصیر الدین رکن پوری علیہ الرحمہ سے طلب کیا گیا تو موصوف نے حضرت فقیہ اعظم قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔

بخدمت جناب فیض مآب مولانا و اولانا مولوی محمد نصیر الدین سلمہ اللہ تعالیٰ اعن المصائب

بعد از السلام علیکم معروض آنکہ مسمیٰ محمد دین قوم بھٹہ عرصہ تقریباً اڑھائی سال ہوئے کہ اس کی شادی موضع بابو ساڑو ریاست بہاولپور مسمیٰ علادل قوم گھرایا کی لڑکی کے ساتھ ہوئی واقعات یوں ہیں کہ میں نے اپنے بڑے بھائی اور دیگر شخص کو رشتہ کے لئے بھیجا جس پر لڑکی کے باپ نے کہا کہ ہم تمہارا گھر بار دیکھ کر فیصلہ کریں گے چنانچہ کچھ دنوں کے بعد لڑکی کا چچا میرے گھر آیا اور دیکھ کر جاتی دفعہ ان کو کہا آپ کچھ دنوں تک آجائیں، ہم صلاح و مشورہ کر کے آپ کو مکمل جواب دیں گے۔ جب یہ دوبارہ گئے تو انہوں نے کہا ہم مبلغ ۶۰۰ صد روپیہ نقد آپ سے لیں گے تب کریں گے، بعدہ باپ نے نکاح کر دیا اور بخیر و عافیت چھ ماہ گزر گئے تو وہ آئے اور میری عورت کو اپنے ساتھ لے گئے، وہاں جا کر انہوں نے عورت میرے ساتھ بھیجنے سے انکار کر دیا، برادرانہ کوشش کرنے کے بعد مجبوراً عدالت میں دعوٰی دائر کر دیا، دعوٰی کے آٹھ ماہ بعد انہوں نے بھی فسخ نکاح کے لئے عدالت میں دعوٰی کر دیا ہے کہ مسمیٰ محمد دین ہمارا ہم کفو یعنی ہم قوم نہیں حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان پہلے آشنائی اور ایک دوسرے سے ہمیشہ ملتے رہتے ہیں، یہ ان کا محض غلط بہانہ ہے اس کے متعلق شرعی فیصلہ کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ واقعہ یہی ہے جو سائل نے بیان کی تو ظاہر یہی ہے کہ لڑکی اور اس کے والد کو مسمیٰ محمد دین کے متعلق اچھی طرح واقفیت ہو گی خصوصاً جبکہ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ ہم تمہارا گھر بار دیکھ کر فیصلہ کریں گے اور لڑکی کے چچا نے گھر بار دیکھ کر کہا کہ آجائیں، اصلاح و

مشورہ کے بعد مکمل جواب دیا جائے گا اور مکمل جواب یہ دیا کہ رشتہ دینا منظور کر لیا اور معاوضہ بھی مقرر کر لیا پھر نکاح ہوا اور خود باپ نے کر دیا اور چھ ماہ خیر و عافیت سے گزرے دکی خاوند کے پاس رہی، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ ان کو مسمیٰ محمد دین کے متعلق ہم قوم ہونا معلوم نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہوگا بلکہ فتاوے عالمگیر ج ۲ ص ۴۴ اور در المختار تحریراً ردالمحتار میں تقریراً ہے ج ۲ ص ۳۳۷ والنظم من الهندية وان کان الاولياء هم الذين باشروا عقد النكاح برضاها ولم يعلموا انه كفؤ او غير كفؤ فلا خيار لواحد منهما تو صورتِ مسؤلہ میں بطریقِ اولیٰ جواز ثابت ہو گیا۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالیٰ علیٰ خير خلقه ونور عرشه وآله وصحبه وبارك وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

الاستفتاء

آج مسمیٰ مماں ولد جوایا امام متوفی کا چچا قوم کو کار آیا اور مسماۃ فاطمہ والدہ امام بھی آئی اور ان دونوں نے آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور متفقہ طور پر مطالبہ کیا کہ متوفی امام کی نابالغہ لڑکی جو اپنی والدہ مسماۃ اللہ جوائی کے پاس ہے حالانکہ وہ ایک غیر کفو کے ساتھ نکاح کر چکی ہے تو وہ لڑکی مسماۃ فاطمہ کو جو اس کی حقیقی دادی ہے، دی جائے اور مسمیٰ مماں نے تسلیم کیا کہ میں دادی پوتی دونوں کی نگرانی اور پرورش کرتا رہوں گا، لڑکی دادی کے سپرد کی جائے اور شرعی حکم کے سائل ہوئے۔

نشان انگوٹھا سائل مماں نشان انگوٹھا مسماۃ فاطمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر حقیقت سوال درست ہے اور لڑکی کی والدہ غیر کفو کے ساتھ نکاح کر کے لڑکی سمیت اس کے پاس ہے تو اس کا لڑکی پر کوئی حق نہیں۔ تمام مستند شرعی کتابوں میں یہی حکم ہے، فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۱ میں ہے او متزوجۃ بغیر محرم اور جب ماں کا حق نہیں رہا اور لڑکی کی نانی بھی نہیں (حسب بیانِ سائلاں) تو دادی ہی حقدار ہے اور یہ بھی تمام مستند کتابوں میں ہے، فتاوٰی عالمگیری کے لفظ یہ ہیں فام الاب اولی ممن سواھا اور دادی گو پیر عمر ہے مگر بالکل کمزور نہیں اور ساتھ ہی ماں مذکور بھی ذمہ داری قبول کرتا ہے تو لڑکی دادی کے سپرد کی جائے اور ماں کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

محررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳ رذی الحجۃ المبارکہ ۷۸ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے میں ایک جوان لڑکی کو جبراً لیجا کر ایک غیر قوم کے لڑکے نے لڑکی کی رضامندی کے بغیر جبراً نکاح کر دیا، لڑکی کے والدین

غیر قوم کے ہونے سے رضامند نہیں اور ایسی قوم کو رشتہ دینا سخت بے عزتی اور ہتک سمجھتے ہیں کیا لڑکی کا نکاح از روئے شریعت محمدی جائز ہے یا نہیں؟

خیر اندیش : چوہدری فضل محمد ولد چوہدری نور محمد قوم ارائیں
درگاہ بازار پاکپتن شریف ۷۳-۱۰-۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جوان لڑکی کا نکاح جبراً یعنی اس کی رضاء و اجازت کے بغیر ہرگز ہرگز نہیں ہوتا یہ مسئلہ مذہب مہذب حنفیہ کی تمام کتب فقہیہ میں روزِ روشن کی طرح واضح موجود ہے مثلاً کنز الدقائق میں ہے لا تجبر بکر بالغۃ علی النکاح لہٰذا غیر قوم کے سوال کی ضرورت ہی نہیں البتہ اگر لڑکی صرف دل سے رضامند نہ تھی مگر بظاہر راضی ہوگئی اور اجازت دے دی تو ایسی صورت میں غیر قوم کا مسئلہ ہے تو اگر وہ غیر ایسا گھٹیا قوم کا ہے کہ عام عرف اور رواج کے لحاظ سے لڑکی کے والد اور اقرباء کے لئے اس قوم کو رشتہ دینا سخت بے عزتی اور ہتک سمجھا جاتا ہو تو فتوے اس پر ہے کہ وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں چنانچہ فتاوے امام قاضی خاں ص ۱۵۵، فتح القدیر ج ۲ ص ۱۰۷، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار شامی کے ص ۴۰۸، ۴۰۹ میں ہے والنظم من التنویر والدر (ویفتی فی غیر الکفؤ (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی (لفساد الزمان) واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلی

آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۴ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ ۱۲/۱۰/۷۳

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی عمر تقریباً آٹھ دس سال جس کا والد فوت ہو چکا ہوا ہے اور اس کی والدہ اور بھائی عمر تیرہ سال دونوں اس لڑکی کے وارث ہیں، لڑکی کا ایک حقیقی چچا بھی ہے جو لڑکی کی ماں سے بالکل ترک تعلق کئے ہوئے ہے۔ لڑکی کی ماں اپنے آپ کو اسلامی شرعی قیود سے مستثنٰی سمجھے ہوئے ہے حتی کہ کلمہ شریف تک نہیں جانتی اور نہ ہی لڑکی کا بھائی نماز، روزہ کو جانتا تک ہے۔ لڑکی کی ماں لڑکی کو ساتھ لیکر لڑکی کے تیرہ سالہ بھائی کی موجودگی میں حسب رضامندی خود کچھ روپے لے کر لڑکی کا نکاح شرعی کسی لڑکے سے کر دیتی ہے۔ لڑکی نابالغ ہے اپنے سسرال کے گھر دو مہینے رہتی ہے، مابعد لڑکی کی ماں اور بھائی اسے لیکر فرار ہو جاتے ہیں اور سابقہ نکاح سے تقریباً دو برس بعد اسی لڑکی کا نکاح دونوں ماں بیٹا مل کر کسی اور آدمی سے کچھ روپے لے کر کر دیتے ہیں، ابھی تک لڑکی نابالغ تھی، دوسرے سسرال کے گھر جا کر لڑکی بالغ ہو کر حقوق زوجیت ادا کرتی ہے، عرصہ دو سال تک دوسرے خاوند کے گھر رہ کر لڑکی کو پھر ماں اغوا کر لیتی ہے اور اپنے بڑے لڑکے کی رضامندی سے اپنے پاس لے آتی ہے۔ اب وہ عورت اپنی اس لڑکی کو ایک تیسری جگہ فروخت کرنا چاہتی ہے، لڑکی اب جوان ہے۔ تیسری جگہ فروخت ہونے اور بھائی اور ماں کی رضا پر لبیک کہنے کو ہرگز تیار نہیں، اب اس لڑکی نے اپنے ماسی زاد بھائی کے پاس پناہ لی ہے

وہ آدمی نماز روزہ کا پابند اور شرعی حدود و قیود سے کچھ واقف ہے، لڑکی کے حصول کے لئے ماں اور بھائی دونوں بہمراہی نئے خریداران کوشاں ہیں، لڑکی کی آرزو ہے کہ میں گنہگاری کی زندگی سے نجات پاؤں اور جائز زندگی بسر کروں، وہ پوچھتی ہے کہ میرا جائز ٹھکانہ کونسا ہے یا مجھے اب کہاں زندگی گزارنی چاہیئے، اب وہ جائز طور پر نکاح کی خواہاں ہے، اس صورت میں شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے؟ پہلے نکاح کے وقت بھائی اگرچہ بلحاظ سن و سال نابالغ تھا تاہم حالاتِ دنیا سے متأثر اور والدہ بوڑھی عورت جو عیاش قسم کے کاموں میں شغف رکھتی ہے اور کیا اب اس پناہ دینے والی لڑکی کے ماموں زاد بھائی کو کیا کرنا چاہیئے جبکہ لڑکی کی ماں اور ہمراہی تیسرے خریداران اس سے لڑکی طلب کرتے ہیں؟

السائل : عبداللطیف مجروح، منڈی ہیرا سنگھ

چند امور کے متعلق استفسار پر سائل نے دوبارہ سوال بھیجا جو درج ذیل ہے:

ابوالخیر غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کا والد فوت ہو چکا ہے اور اس کا بھائی تیرہ چودہ سالہ اچھا سڈول اور قد و قامت رکھنے والا ہے اور اس کی والدہ، جو دونوں علم شریعت سے قطعی طور پر نا آشنا ہیں حتیٰ کہ نماز تک بھی نہیں جانتے، لڑکا اپنے آپ کو جوان محسوس کرتا ہے اور اس کے ذہن سے جوانی کے تاثرات ذیل کے اشخاص تک بھی پہنچے اور ان کے سامنے اس نے اپنے جوان ہونے کا دعویٰ کیا، والدہ اور بھائی دونوں نے مل کر ایک غیر رشتہ دار سے کچھ رقم لیکر اس نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا، کچھ عرصہ بعد لڑکی کو اس کے سسرال کے گھر سے لیکر فرار ہو گئے اور ایک دوسری جگہ ان سے کہیں دور رہائش پذیر ہو گئے۔ دو سال بعد دوبارہ والدہ اور بھائی نے ایک اور جگہ سے کچھ اور عوض میں لڑکے کے لئے بیوی لیکر

دوبارہ فروخت کردی اور نکاح بھی کر دیا۔ نکاح ثانی پر بھی لڑکی نابالغہ تھی، نکاح سے کچھ ماہ بعد لڑکی جوان ہوگئی، جوان ہونے کے بعد لڑکی کے دل میں اپنے موجودہ شوہر کے متعلق نفرت رہی اور ماں کا باہمی ربط قائم نہ رہ سکا ویسے وہ بطور میاں بیوی رہے، اب والدہ نے لڑکی کو اس جگہ سے بھی نکال لیا اور تیسری جگہ سے کچھ روپے لیکر فروخت کر دینا چاہا مگر لڑکی نے انکار کر دیا۔ لڑکی عمدانہ پہلے سسرال کے گھر جانے پر رضامند ہے اور نہ دوسرے کے ہاں، وہ دونوں سے نفرت کرتی ہے۔ لڑکی کا ایک حقیقی چچا بھی ہے جس نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد اپنی بھاوجہ کی بے قاعدگیوں سے متأثر ہو کر اس کو بالکل عاق کر دیا تھا، وہ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا۔ کوئی رائے یا اعتراض ان کے کسی معاملہ میں نہیں کرنا چاہتا اب لڑکی کہیں فروخت نہیں ہونا چاہتی۔ اب اہلِ شریعت کیا فتوے دیتے ہیں کہ اس لڑکی کا جائز وارث کون ہے؟ اب جبکہ تیسرے فریق اس کی والدہ اور بھائی کی معیت میں لڑکی کے حصول کی کوشش کرتے ہیں اس حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ پہلا نکاح لڑکی کا اس کی والدہ اور بھائی نے غیر کفو میں کیا تھا جو اس کے لئے باعثِ عار تھا۔

خوشی محمد ولد محمد اسماعیل ساکن منڈی ہیرا سنگھ۔ عبد اللطیف مجروح منڈی ہیرا سنگھ

محمد اسماعیل مستری ساکن منڈی ہیرا سنگھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال واقعی اور صحیح ہے تو حسبِ تصریحِ ائمۂ احناف علیہم الرحمۃ نکاح اول جو غیر کفو میں ہوا سرے سے شرعاً ہوا ہی نہیں اور اگر چچا بھی اجازت دیتا تب بھی نہ ہوتا کہ غیر باپ دادے کا کیا ہوا نکاح نابالغہ غیر کفو میں منعقد ہی نہیں ہوتا باتفاق ائمہ کرام، فتاوی عالمگیر

ج ۲ ص ۱۵ میں ہے اجمعوا علی انہ لایجوز ذلک من غیر الاب و الجد ولا من القاضی کذا فی فتاویٰ قاضی خان اور وہ دوسرا بھی اگر غیر کفو میں ہوا یا مہر مثل میں کمی فاحش کے ساتھ ہوا تو وہ بھی نہ ہوا کہ باپ دادے کا غیر ایسا نہیں کر سکتا کما مر، اور اگر وہ دوسرا خاوند ہم کفو تھا اور مہر بھی فاحش کمی والا نہ تھا تو وہ نکاح منعقد ہو گیا کہ بھائی کے ہوتے چچا ولی نہیں البتہ لڑکی کو بعد از بلوغ اختیار فسخ تھا مگر لڑکی وہ بھی ضائع کر بیٹھی کہ نفرت دل میں رہی، زبان سے کچھ نہ کہا اور پھر بطریق میاں بیوی رہی تو اب اختیار نہیں رہا۔ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰ ج ۲ میں ہے وانما یبطل خیارھا اذا رضیت بالنکاح صریحا او یوجد منھا فعل یستدل بہ علی الرضا کالتمکین من الجماع الخ تو اس صورت میں لڑکی پر لازم ہے کہ وہ اس دوسرے خاوند کے گھر جا کر آباد ہو جائے اور اتفاق نہ بنے تو طلاق حاصل کر لے اور پہلی دو صورتوں میں خود مختار ہے اپنی رضا و رغبت سے حسب دستور شرع جہاں چاہے نکاح کر لے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۷ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سادات کرام کی عورتوں

؎ کہ مہر مثل ایک ہزار تھا اور پچاس بنا دیا ۱۲

کا نکاح ہاشمیوں کے سوا کسی غیر قوم کے آدمی کے ساتھ اگر اس عورت کے وارث منعقد کریں تو کیا سیدزادی کا نکاح کسی دوسری نیچ قوم کے آدمی کے ساتھ منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : غلام مہر علی، فاضل حزب الاحناف، مہتمم مدرسہ عربی نور المدارس
مسجد نور مسجد منڈی چشتیاں شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

پُر ظاہر کہ عورتوں سے مراد عاقلات بالغات ایامی راضیہ بالنکاح ہیں اور ایسے ہی وارث سے ولی شرعی ناکح حسب و نسب سے قبل از عقد واقف مراد اور آدمی سے مسلم عاقل بالغ تو ایسے نکاح کے انعقاد و نفاذ کا لزوم از روئے تصریحات کتب مذہبیہ متون و شروح حواشی و فتاوے امس و شمس کی طرح واضح و ہویدا ہے اور خدام اسفار ائمہ کے نزدیک ضروریات اولیہ سے اطمینان قلب کے لئے فتاوے مبارک رضویہ کتاب النکاح حصہ سوم ص ۱۱۷، ۱۱۸۰ کا ایک مختصر مگر جامع فتوے حوالہ قلم ہے :۔

مرسلہ حاجی موسیٰ عربی ۳ ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہ ؟

الجواب

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے بر تقدیر

سے ہو سکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی ہو یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی،
رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل پٹھان۔ ان میں عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے بھی
مطلقاً نکاح ہو سکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریش کے ساتھ نکاح
کرنے والا ولی باپ دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے۔ اگر باپ
دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کر چکے ہیں تو اب ان کے لئے بھی نہ ہو سکے گا،
اور اگر بالغہ ہے اور اس کا ولی نہیں تو اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کر سکتی
ہے اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پر دادا ان کی اولاد و نسل سے کوئی مرد موجود
ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قریشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت
دے دی، جب بھی جائز ہوگا ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔

ان تمام مسائل کی تفصیل درالمختار و ردالمحتار وغیرہا کتب معتمدۂ مذہب اور فقیر
کے فتاوے میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم، انتہی بلفظ الکریم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و الہ واصحابہ وبارک وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

مورخہ ۴ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ

باب الولی

باب الولیّ

الاستفتاء

عالی جناب قبلہ وکعبہ جناب مولوی ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب سلمہ تعالیٰ

السلام علیکم:

کیا فرماتے ہیں آپ دربارۂ نکاح بالغہ بشرع دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی ایک عورت بنام ہاجرہ بی بی دختر کالو قوم کھٹیال مسلمان عمر قریبًا چودہ سالہ جس کو عرصہ دس ماہ سے خونِ حیض باقاعدہ جاری ہوا وراس نے برضائے خود قریبًا سات ماہ خونِ حیض جاری ہونے کے بعد مسمّی ظہور حسین ولد فیروزالدین جعفری قریشی مسلمان سے بحق نکصد روپیہ معجل وغیر معجل نکاح کیا ہو آیا وہ نکاح بلحاظِ شریعت بحق خودمختاری بالغہ جائز ہوسکتا ہے یا نہیں جبکہ بالغہ کا والد کچھ عرصہ سے فوت ہوچکا ہو؟

العبد: ظہور حسین ملازم شفاخانہ چک بیدی ۱۶ ۵/۴۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال واقعی اور درست ہے تو مسماۃ ہاجرہ بی بی شرعًا بالغ ہوچکی ہے تکملہ بحرالرائق

ص ۸۵، شامی ج ۵ ص ۱۳۲، ہدایہ ج ۳ ص ۳۴۱، فتاوی عالمگیر ج ۳ ص ۲۰۲ میں ہے
والنظم من الھندیۃ بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال
والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل کذا فی المختار اور بالغہ باختیار
خود بغیر رضائے ولی نکاح کرسکتی ہے، درالمختار، ردالمحتار ج ۲ ص ۴۰۷، فتح القدیر ج ۳
ص ۱۵۷، ہدایہ، کفایہ، عنایہ ج ۳ ص ۱۵۷، البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۹، فتاوی عالمگیر ج ۲ ص ۱۷ میں
ہے والنظم من الھندیۃ نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی
عند ابی حنیفۃ وابی یوسف فی ظاہر الروایۃ کذا فی التبیین
لہذا صورت مسئولہ میں نکاح صحیح اور درست ہے۔

واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالی
علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد بقدر
حسنہ وجمالہ وجودہ وافضالہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ القادری النعیمی غفرلہ

۱۳ رجمادی الاخری ۱۳۶۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی عاقل بالغ عمر انیس
برس ۱۰ اس کے ولی حقیقی باپ نے بغیر رضامندی لڑکی کے ایک شخص سے نکاح کرنا شروع کر دیا
لڑکی کا کوئی رجوع نہیں تھا بلکہ پہلے دو تین دفعہ باپ کو سرزنش کی کہ میں اس سے شادی

کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ واضح ہو کہ لڑکی کا منگناں پہلے اور جگہ یعنی اس کے ماموں کے بیٹے سے ہوا جس پر وہ راضی تھی۔ تفصیل یہ ہے کہ اس کے باپ نے قاضی اور پنچائت کو حکم دیا کہ لڑکی کا نکاح کرو جس پر وہ راضی نہ تھی چنانچہ لڑکی مذکورہ مکان کے اندر جا کر اندر سے تالا لگا لیا اور رونا پیٹنا شروع کیا۔ غرض لڑکی نے نہ کوئی کلمہ پڑھا، نہ ایجاب قبول، نہ رجسٹر پر نکاح درج ہوا، نہ انگوٹھا وغیرہ لگایا گیا۔ چند دن کے بعد لڑکی کے حقیقی برادر و حقیقی والدہ نے لڑکی کا نکاح پہلے منگیتر کے ساتھ کر دیا جس پر وہ راضی تھی بعدہٗ انہوں نے ڈھونگ رچایا کہ لڑکی کا نکاح پہلے کیا گیا۔ برائے مہربانی جواب کتب حدیث رسول اکرم سے جواب بحوالہ دیں۔ اللہ آپ کو اجرِ عظیم دے گا۔ جواب جلد از جلد مہربانی کر کے اسی سوال کے نیچے درج فرمائیں۔ خدا کے لئے بواسطہ رسولِ اکرم جواب تحریر کر کے روانہ فرما دیں۔

السائل: صوفی مولوی محمد حیات امام مسجد الف ۳۶ نظام قرنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جوان عورت عاقلہ بالغہ کنواری یا بیوہ اپنے آپ کی اپنے ولی باپ وغیرہ سے زیادہ حقدار ہے۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۸۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۷، ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲، معانی الآثار طحاوی ج ۲ ص ۵ وغیرہا کتب احادیث میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف ہے الایم احق بنفسہا من ولیہا لہٰذا بلا اجازتِ عورت کسی کو اجازت نہیں کہ نکاح کر سکے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابی داؤد

ج ا ص ۲۸۵ ، سنن ترمذی ج ا ص ۱۴۳ ، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶ ، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲ وغیرہا
کتبِ احادیث میں بالفاظِ متقاربہ حضرتِ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیثِ مرفوع
ہے لاتنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن
تو اگر ولی عورت کی ناپسندیدگی کی صورت میں نکاح کردے تو عورت خود مختار پر لازم نہیں
ہوگا خصوصاً صورتِ مذکورہ میں بوجہ انکار محض مردود و نا روا ہو گیا۔ سنن ابی داؤد ج ۱
ص ۲۸۵ ، ۲۸۶ ، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸ ، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶ ، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷ ،
۱۱۸ وغیرہا میں حضرتِ ابن عباس سے ہے ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکرت لہ ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ
فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷ میں حضرتِ
ابن عباس سے یہ بھی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد
نکاح بکر و ثیب انکحھما ابوھما وھما کارھتان ۔ اور جب باپ
ظالم کا کیا ہوا نکاح مردود و باطل ہو گیا تو دوسرا نکاح جو رضا بر لڑکی سے کیا گیا صحیح ہوا۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ
۱۴ ر ذی الحجۃ المبارکہ ۷۰ ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ مغجاں قوم شیخ
نومسلم کی شادی مسمّٰی سراج نومسلم کے ساتھ ہوئی اور اس سے ایک لڑکا مسمّٰی امین پیدا ہوا اور

سراج فوت ہوگیا تو دو سال کے بعد عجاں مذکورہ نے غلام محمد نو مسلم (جو ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوا تھا) سے نکاح کیا اور اس سے ایک لڑکی مسماۃ ہاجراں پیدا ہوئی اور غلام محمد بھی فوت ہوگیا، اس کے بعد دو سال گزرے تو اجاں مذکورہ نے مسمّٰی نوشیر قوم مراثی سے نکاح کر لیا، اس وقت سے مسمّٰی نوشیر مذکور نے امین اور ہاجراں مذکورہ کی پرورش شروع کی، کئی سالوں کے بعد جب لڑکی جوان نہیں ہوئی تھی، نوشیر نے امین کو کہا کہ مجھوں پر ہاجراں کی شادی کر دیں مگر امین اور اس کی والدہ عجاں نے کہا کہ ہم خود بٹہ لیں گے، طلب گار آئے مگر امین کو رشتہ دینے پر کوئی بھی راضی نہ ہوا، جب نوشیر کے پرورش کرتے ہوئے بیس سال گزر گئے اور نوشیر نے ہاجراں کی شادی کا سامان بھی تیار کیا ہوا تھا کہ ایک نو مسلم بٹے پر ہاجراں کی شادی کرنا چاہتا تھا مگر ہاجراں نے اس نو مسلم کو پسند نہ کیا اور مسمی ما قوم شیخ نو مسلم کے ساتھ اغوا ہو کر چلی گئی اور اپنی رضا و رغبت کے ساتھ اس سے باقاعدہ نکاح کر لیا اور نوشیر کا تیار کردہ سامان شادی کا جو تقریباً مبلغ یکصد کا تھا وہ بھی ساتھ لے گئی تھی، بعد ازاں نوشیر نے بڑی کوشش کی اور ڈیڑھ ماہ تک لگاتار تگ و دو کرتا رہا، کرایہ اور مرکھائی رشوت وغیرہ پر روپیہ خرچ کرتا رہا تو وہ لڑکی مسماۃ ہاجراں پکڑی گئی اور نوشیر مذکور نے اس کو اپنے گھر واپس لے آنا چاہا تو مسماۃ ہاجراں کہنے لگی کہ میں چونکہ غلام محمد نو مسلم کی لڑکی ہوں تو مسمی نوشیر مراثی کا میرے اوپر کوئی حق نہیں اور مسمّٰی امین جو سراج شیخ نو مسلم کا لڑکا ہے اس کا بھی میرے اوپر کوئی حق نہیں کہ وہ غیر قوم کا ہے اور میرے باپ کے دوسرے سارے رشتہ دار ہندو تھے وہ انقلاب کے وقت ہندوستان چلے گئے ہیں لہٰذا میرے اوپر کسی کا کوئی حق نہیں، میں عاقلہ بالغہ ہوں، اپنی خوشی سے خاوند چن لیا ہے اور نکاح کر لیا ہے اس جگہ کافی پہریں اکھٹی تھی تو پہریں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس مراثی نے چونکہ تمہاری پرورش اور حفاظت بیس سال تک کی ہے تو یہ وارث اور حقدار ہے تو پہریں نے ہاجراں نوشیر

کے قبضہ میں دے دی اور وہ اپنے گھرے کر آگیا۔ اب امین مذکور کہتا ہے کہ ہاجراں کا مالک میں ہوں، میری ہمشیرہ ہے اور نوشیر مراثی کہتا ہے کہ حقدار میں ہوں کہ میں نے بیس سال تک پرورش کی ہے اور اس کے واپس لانے پہ کیا یہ مرکھائی رشوت وغیرہ پر کافی روپیہ خرچ کیا ہے۔ میرے اوپر قرض چڑھ گیا ہے۔ قرض والے مجھے تنگ کرتے ہیں، اس لئے میں بھی حقدار ہوں، امین کہتا ہے تو کوئی حقدار نہیں، میں اس لڑکی اور اس کے باپ کے مال کا بھی مالک ہوں۔ ہاجراں کا ایک بھائی نابالغ مسمیٰ ستار نوشیر مراثی کا لڑکا بھی ہے، تو شریعت اس میں کیا فیصلہ فرماتی ہے، کون سچا ہے، بینوا توجروا۔

العبد: علی محمد ولد میاں سلیمان کلاسن حمید۔ نشان انگوٹھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو مسماۃ ہاجراں سچی ہے اور نوشیر مراثی اور امین شیخ یا ستار مراثی کا اس پر ایسا کوئی حق نہیں کہ جہاں چاہیں اس کا نکاح کر دیں یا فروخت کر دیں یا اس کے اپنے کئے ہوئے نکاح کو توڑ دیں۔ مسماۃ ہاجراں کی عمر بائیس سال سے بھی زیادہ بنتی ہے اور ہے عاقلہ بالغہ تو اس پر ان لوگوں کا کیا حق ہو سکتا ہے، فتاوےٰ عالمگیر میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل خصوصاً امین کا کہنا کہ میں اس کا مالک ہوں اور اس کے باپ کے مال کا مالک ہوں کہ لڑکی کے باپ کا نہ وہ لڑکا ہے اور نہ ہی کوئی اور وارث ہے بلکہ اس کی قوم کا ہی نہیں ہاں عجاں کا صرف آٹھواں حصہ غلام محمد متوفی کے کل ترکہ سے حق ہے باقی سب لڑکی ہاجراں کا حق ہے کہ غلام محمد کا کوئی اور وارث ہی نہیں تھا، اس کے دوسرے رشتہ دار سب

ہندو تھے اور ہندو مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا لہٰذا امین کا دعویٰ محض غلط اور بیہودہ ہے اور جب ہاجراں خود مختار ہے اور یہ لوگ بطمع زر یا رشتہ اس پر ظلم کرتے رہے اور اس کی شادی اس کی مرضی کے مطابق نہ کی، پھر اس نے اپنی شادی اپنی رضا سے کر لی تو اس کا نکاح شرعًا جائز و نافذ ہے، کوئی اسے توڑ نہیں سکتا۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے نفذ نکاح حرة مکلفة بلا ولی تو مراثی نوشیر کا کوشش کرنا اور رشوت مرکھائی کرایہ وغیرہ پر اس لئے خرچ کرنا کہ لڑکی کو واپس لائے، یہ لڑکی پر ظلم ہے۔ اہلِ اسلام پر لازم کہ اس مظلومہ لڑکی کی امداد کریں اور ان لوگوں سے اس کو نجات دلائیں۔ ہاں اگر لڑکی اس کا سامان لے گئی ہے تو وہ لڑکی کی غلطی ہے، واپس کر دے اور اگر اس کے باپ غلام محمد کا مال ہے تو اس سے اپنے شرعی حصہ کی حقدار بھی ہے۔

باقی نوشیر کا اس لڑکی کے نان و نفقہ پر خرچ کرنا تو لڑکی سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا، خدا واسطے خرچ کیا، مسلمان یتیموں پر برائے ثواب خرچ کیا ہی کرتے ہیں اور اس کا مطالبہ یتیموں سے نہیں کرتے اور اگر بعوض مال خرچ کیا تھا اور لڑکی کا مال اسی وقت لڑکی کی ماں نے بطورِ قیمت دے دیا تھا تو اس میں کچھ گنجائش ہو سکتی ہے۔ اور اگر کہے کہ لڑکی کو فروخت کر کے روپیہ لوں گا تو یہ محض غلط اور بے اصل ہے، آزاد کی بیع شرعًا بالکل باطل ہے کما نصوا علیہ قاطبة۔ اور اگر نکاح کے عوض روپیہ کا آرزو مند تھا تو یہ بھی غلط ہے کہ وہ رشوت ہے کما فی رد المحتار و البحر وغیرہما۔

رہا پیریں کا مراثی کو لڑکی کا وارث بنا دینا تو یہ بھی شرعًا ناجائز ہے کہ وہ آزاد خود مختار ہے، مال نہیں ہے بلکہ بلا وجہ مال بھی میراث نہیں بن سکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۷، رجادی الاولیٰ ۷۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ بکر نے اپنی لڑکی سلمیٰ کا رشتہ زید کو دینا کیا اور پھر دن مقرر کر دیئے کہ فلاں تاریخ کو نکاح کر دوں گا مگر اس مقرر تاریخ سے پہلے بیس دن اپنے پختہ وعدوں سے پھر گیا، اس وقت سلمیٰ مذکورہ کی عمر پچیس سال کی تھی تو لڑکی اپنے آپ چند دن کے انتظار کے بعد زید کے گھر چلی گئی اور زید نے ڈپٹی صاحب کے پاس سلمیٰ کے بیان دلوا کر نکاح کر لیا اور نکاح سلمیٰ کی اجازتِ صریحہ سے ایک مولوی صاحب نے پڑھایا اور گیارہ ماہ سلمیٰ اس کے پاس رہی اور اسے حمل بھی ہو گیا مگر انقلابِ حاضر میں ہجرت کرتے ہوئے پاکستان کی سرحد کے قریب سلمیٰ کے باپ نے زید سے جبراً بلا رضاءِ سلمیٰ، سلمیٰ کو مار پیٹ کر چھین لیا لہٰذا اس سلمیٰ سے لڑکی پیدا ہوئی اور اس کے باپ نے بعض علماء سے فتوے حاصل کر لیا کہ یہ نکاح ولی کی اجازت سے نہیں ہوا لہٰذا باطل ہے، بناءً علیہ بکر نے سلمیٰ کا نکاح کسی اور جگہ کر دیا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا نکاحِ مذکورہ زید و سلمیٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر نے جو دوسرا نکاح کر دیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

بینوا توجروا۔

سائل: ابراہیم ولد سوہنا قوم ترکھان مہاجر حال حجرہ شاہ مقیم

۳ رجب المرجب ۱۳۶۷ھ، ۱۳ مئی ۴۸ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور و الصواب

اسلام نے جہاں جہان والوں کو جور و استبداد کے آہنی پنجوں سے نجات دلائی،

وہاں مظلوم عورت کو بھی مظالم سے آزادی عطا فرمائی، آیاتِ قرآن شریف اور احادیثِ منیفہ اس مدعٰی پر شواہدِ عادلہ ہیں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے حتی تنکح زوجا غیرہ نیز حکم ہوتا ہے فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن اور فرمایا ہے فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف، نیز فرمانِ مبین ہے یاایھا الذین امنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا اور فرمایا ہے واخذن منکم میثاقا غلیظا۔ ان ارشادات سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت عاقلہ بالغہ حرہ نکاح کے معاملہ میں مختار ہے اور احادیثِ شریفہ سے بھی اس امر کا ثبوت بکثرت ملتا ہے بلکہ صراحۃً فرمانِ والاشان ہے امروا النساء فی انفسھن فان الثیب تعرب عن نفسھا والبکر رضاءھا صمتھا سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۳، کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۶، نیز کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۷ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے امر النساء بایدیھن واذنھن سکوتھن اور اسی صفحہ میں حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے لانکاح الاباذن الرجل والمرأۃ اور سننِ نسائی ج ۲ ص ۸۰ اور کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۶ میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے استأمروا النساء فی ابضاعھن۔ صحیح مستدرک ج ۲ ص ۱۶۷ میں حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے لا تنکح النساء حتی تستأمروھن فاذا سکتن فھو اذنھن اور سکوت بکر کے حق میں ہی اذن ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲، کنز العمال ج ۸ ص ۲۴۶، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۵۸ وغیرہا کتبِ حدیث شریف میں بکلماتِ متقاربہ یہ مضمون حضرتِ ابوہریرہ کی روایت سے مرفوعًا ہے لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستأذن بلکہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶، نسائی ج ۲ ص ۷۷، ترمذی ج ۱ ص ۱۴۳، ابن ماجہ ص ۱۳۶، طحاوی ج ۲ ص ۷۰۶، بیہقی ج ۷ ص ۱۲۲ وغیرہا کتبِ حدیث میں سیدنا ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا الایم احق بنفسہا من ولیہا، بے خاوند عورت اپنے آپ کی ولی سے زیادہ حقدار ہے اور چونکہ کنواری عادۃً شرمیلی ہوتی ہے اس لئے اس کی تخصیص بعد تعمیم فرمادی اور فرمایا والبکر تستاذن فی نفسہا واذنہا صماتہا اور کنواری سے اذن مانگا جائے اس کی ذات میں اور اذن اس کا سکوت ہے۔

ان تمام احادیثِ شریفہ کا خلاصہ یہ کہ عورت عاقلہ بالغہ حرہ خواہ کنواری ہو خواہ بیوہ یا مطلقہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا اور وہ خود مختار ہے اور خود مختار بھی ایسی کہ دوسرے کو بھی مختار بنا سکتی ہے کہ اسی کا نام اذن اور اجازت ہے اور عقلِ سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مشروعیتِ نکاح کے مصالح اور فوائد اسی صورت میں باحسن وجوہ پورے ہو سکتے ہیں اور حقوق زوجیت کا بارِ گراں صرف عورت پر ہی ہوتا ہے تو عاقلہ بالغہ حرہ کو اپنے فرائض کی ادائیگی پر خود مختارانہ غور نہایت ہی ضروری ہوتا ہے البتہ بہترین صورت یہی ہے کہ اپنے والد اور والدہ کی وساطت سے غور و غوض کرے کہ بے حیائی کی طرف منسوب نہ ہو مگر والدین جب خود غرضی کی لعنت میں گرفتار ہوں اور عورت کو مجبور کرنا چاہیں تو قطعاً نہیں کر سکتے حتی کہ اگر اس کی اجازت کے سوا نکاح کیا جائے اگرچہ اس کا باپ ہی کرے تو بغیر اس کی اجازتِ صریحہ کے جائز نہیں ہو سکتا بخاری ج ۲ ص ۷۷۱، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۹، سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۶ میں ثیب کے متعلق ہے والنظم من البخاری عن خنساء بنت خذام الانصاریۃ ان اباھا زوجھا وھی ثیب فکرھت ذلک فاتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرد نکاحھا اور بکر کے متعلق سنن نسائی ج ۲ ص ۷۸، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۵، ۲۸۶، سنن ابن ماجہ ص ۱۳۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷، ۱۱۸، کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۶ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

ہے ان جاریۃ بکرا اتت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکرت لہ ان اباھا زوجھا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیز سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۱۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے ان رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد نکاح بکر وثیب انکحھما ابوھما وھما کارھتان فرد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نکاحھما۔ اور سنن نسائی، ابن ماجہ کی روایات کے آخر میں ہے والنظم من ابن ماجۃ فقالت اجزت ما صنع ابی ولکن اردت ان تعلم النساء ان لیس للاٰباء من الامر شیئ یعنی اس کنواری لڑکی نے عرض کیا کہ میں نے اپنے باپ کے کہنے کو جائز رکھا مگر میرا مطلب یہ تھا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بارے میں ان کے باپوں کو کچھ اختیار نہیں تو امس وشمس کی طرح واضح اور لائح ہوا کہ صورتِ مذکورہ میں سلمیٰ کا نکاح زید سے ہو گیا اور آئین شرعی حکومتِ مغلیہ کا بھی یہی حکم تھا چنانچہ فتاوےٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا ولی نیز اسی میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا بکرا کانت او ثیبا حتیٰ کہ فرنگی حکومت نے بھی اسلامی قوانین کی رو سے یہی حکم جاری کیا ہوا تھا جس پر آج تک حکومتِ خداداد پاکستان بھی عامل ہے اور سلمیٰ عاقلہ بالغہ حرہ نے بڑے انتظار کے بعد اپنے اختیار و اذن سے نکاح کرایا ہے اور اس کے اذن کی ضرورت تھی چنانچہ صحیح حدیث متفق سے گزر چکا حتی تستاذن وہ پوری ہو گئی اور عبارۃ النساء والاعذار بھی نہیں ہو سکتا کہ نکاح خواں مرد ہے، باقی وہ احادیث جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ولی کی اجازت کے سوا نکاح نہیں ہوتا تو گو وہ بظاہر دلائل مجوزہ مذکورہ سے متصادم ومتعارض ہیں مگر طرقِ معہودہ ترجیح وتوفیق سے تلفیق وتطبیق ہو سکتی ہے کہ وحی جلی وخفی میں حقیقۃً تعارض

ناممکن ہے صرف ہمارے قصورِ عقل سے ہی صورتِ تعارض پیدا ہو جاتی ہے جسے ائمۂ دین متبین محققین، سلف صالحین نے باحسن وجوہ رفع فرما دیا اولاً تو احادیث اختیارِ قوت کے لحاظ سے ارجح ہے کما بین فی محلہ وحقق وتقوی باتفاق الصحیحین والسنن الاربعۃ علی تخریج احادیث الاستیذان ثانیاً یہ کہ توفیقِ دلائلِ طرفین ممکن ہے تو اسلم یہی ہے کہ اسی راہ کو اختیار کیا جائے یعنی دلائلِ اختیارِ حرہ عاقلہ بالغہ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس کی اہلیت غور واستصواب کی بناپر اور دوسرے دلائل غیر بالغہ یا مجنونہ یا کنیز کے ساتھ مخصوص ہیں کہ ان میں اہلیت استصواب وغور نہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ولی سے مراد ہی مولیٰ ہو چنانچہ ابوداؤد سنن بیہقی کی احادیث میں بالترتیب ہے بغیر اذن موالیہا اور بغیر اذن مولاھا وارد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ولی سے مراد وہ ہو جسے عورت اجازت و اختیارِ نکاح دے خواہ کوئی ہو کہ ولی معانی متعددہ کے لئے لغتِ عرب میں مستعمل ہوتا ہے بلکہ ولی کا یہ معنی حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثِ مرفوع سے مستفاد ہے کنز العمال ج ۸ ص ۲۹۶ میں ہے قال رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لانکاح الا بولی قیل یا رسول اللہ من الولی قال رجل من المسلمین یعنی ولی کے سوا نکاح نہیں، عرض کی گئی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ولی کون ہے؟ فرمایا کوئی مرد مسلمانوں سے! اور اس معنی کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا ہے والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض، اور احتمالاتِ مذکورہ کے علاوہ اور بھی احتمالات ہیں، تو اتنے احتمالات کے ہوتے ہوئے ولی کا ایک معنی متعین کرکے صریح دلائلِ اختیار کو ترک کر دینا نہایت ہی بعید ہے۔

کاش ہمارے مہربان نزاکتِ زمانہ کو ملحوظ فرماتے ہوئے ایسی حرکات سے باز آجاتے حالانکہ صورتِ مذکورہ میں تو سلمٰی کا باپ بکر ولی ہونے کے قابل ہی نہیں کہ

اس نے فرمانِ خداوندی اوفوا بالعقود کی خلاف ورزی کی اور انکحوا الایامیٰ منکم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چھبیس برس تک لڑکی کو مقید رکھا، اور مشکوٰۃ شریف کی حدیث مرفوع میں تورات شریف سے منقول ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ سال کو پہنچے تو اس لڑکی سے جو گناہ ہو وہ باپ پر ہے اور اس ظالم نے بارہ اور بارہ چوبیس سال سے بھی ایک سال زائد مقید رکھا۔ آخر لڑکی نے ناراض ہو کر راہِ فرار اختیار کیا، اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسخوط یعنی جس پر ناراضگی ہو، ولی نہیں بن سکتا۔ کنز العمال ج۸ ص ۲۴۷ میں ہے فان انکحھا ولی مسخوط فنکاحھا باطل اور سنن بیہقی ج۷ ص ۱۲۴ میں ہے فان انکحھا ولی مسخوط علیہ فنکاحھا باطل اور حضرت امام شافعی جن کے دامان میں یہ لوگ اکثر پناہ لیا کرتے ہیں، وہ بھی فاسق کو ولی شمار نہیں فرماتے۔ میزانِ شعرانی ج۲ ص ۱۱۶ اور رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ ج ۲ ص ۶۴ میں ہے ولا ولایۃ للفاسق عند الشافعی واحمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

بہر حال ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی مانند روشن و ہویدا ہوا کہ سلمٰی کا نکاح زید کے ساتھ منعقد و صحیح ہو گیا اور پھر دخول وغیرہ سے متاکد ہو گیا کہ کنز العمال ج۸ ص ۲۹۶ اور سننِ بیہقی ج۷ ص ۱۱۳ میں ہے والنظم من الکنز کان علی اذا رفع الیہ رجل تزوج امرأۃ بغیر ولی فدخل بھا امضاہ تو ان علماء کو حق نہیں تھا کہ بطلانِ نکاح کا فتوےٰ دیتے اور بکر کو بھی جائز نہیں تھا کہ نکاح پر نکاح کرتا، کیا قرآنِ کریم کا ارشادِ مبین صراحۃً موجود نہیں والمحصنات من النساء للہٰذا نکاحِ ثانی باطل ہے اور نہایت ہی ضروری ہے کہ عورت کو زید کے گھر بھیجا جائے کہ وہ صاحبِ نکاحِ صحیح ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم و علمھما اتم و احکم جل جلالہ ربنا المعطی و صلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ وحبیبہ العاطی فالمعطی وعلیٰ

آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری الاشرفی النعیمی غفرلہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب

العبد المذنب زبیر احمد المتوطن بگڑی ضلع منٹگمری

۲۱ ۸/۶

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہے اور عدت میں اس کے چلا جانے کا غالبًا وہم ہے، بنائے علیہ عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے رو برو حاضرینِ مجلس کے ایک قاضی صاحب نے برائے حبس کے ایک عورت اور مرد کے بالتراضی انگوٹھے لگا کر کہہ دیا کہ تمہارا نکاح ہو گیا ہے اور وہ اپنا نکاح سمجھ کر گھر واپس ہو گئے ہیں یہ حیلہ اس لئے کیا گیا تا کہ عورت کے نہ جانے پر اطمینان ہو جائے، پھر عدت گزرنے پر نکاح کر لیا جائے گا، اس حیلۂ مذکورہ سے نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو عدت میں ہوا لہٰذا کران کرانے والے پر کیا تعزیر ہونی چاہیے؟ اگر نہیں ہوتا تب بھی اس کے متعلق تحریر فرمادیں کیونکہ زنا کرانے پر یہ بھی ایک طریقہ جائز ثابت کر دیتا ہے، بحوالہ کتب وادلہ صحیحہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

یہ فعلِ شنیع قطعاً نکاح نہیں کہ صرف انگوٹھے لگانا نکاح نہیں بن سکتا اگرچہ عورت عدت میں بھی نہ ہو کہ نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے اور وہ الفاظ ہیں۔ فتاویٰ عالمگیر ج۲ص۱ میں ہے واما رکنہ فالایجاب والقبول کذا فی الکافی والایجاب مایتلفظ بہ اولا من ای جانب کان والقبول جوابہ ھکذا فی العنایۃ اور صورتِ مذکورہ میں تو ایجاب وقبول کے الفاظ کہہ لینا بھی قطعاً نکاح نہیں ہو سکتا کہ عورت عدت میں ہے اور حقیقتِ عدت مدتِ مقررہ تک نکاح کرنا اور زیب و زینت لگانا لزومی طور پر چھوڑنا ہے، شامی ج۲ص ۸۲۳ میں ہے فحقیقتہ الترک للتزوج والزینۃ اللازم شرعاً فی مدۃ معینۃ شرعاً۔ قرآنِ کریم میں ہے ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب اجلہ یعنی نکاح کی گرہ پکی نہ کرو عدت کے پورے ہونے تک؛

فقہائے عظام نے فرمایا کہ عدت پورے ہونے تک پہلا نکاح نکاحِ ثانی کے حرام ہونے کے حق میں حکماً جمیع وجوہ سے قائم رہتا ہے۔ بدائع صنائع ج۲ص ۲۶۸، ۲۶۹ اور ج۳ص ۲۰۴ میں ہے والنظم منہ واما المطلقۃ ثلثا او بائنا والمتوفی عنہا زوجہا فلان النکاح حال قیام العدۃ قائم من کل وجہ لقیام بعض آثارہ کالثابتِ من کل وجہ فی باب الحرمۃ، اور جب حکماً پہلا نکاح قائم ہے تو وہ عورت عدت پوری ہونے سے پہلے شرعاً محلِ نکاح ہی نہیں فتح القدیر ج۳ص ۱۱۷، ۱۱۸ میں ہے وانعقاد محلیۃ المرأۃ للنکاح شرعا باسباب (الی ان قال) الخامس حق الغیر کالمنکوحۃ والمعتدۃ

تو دوسرے نکاح کے جواز و انعقاد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا کوئی امام بھی اس
نکاح کا قائل نہیں اور کسی کے نزدیک منعقد نہیں ہوتا، فتاویٰ قاضی خان ج اص ۱۶۴
فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص، میں ہے والنظم للامام فقیہ النفس ولا یجوز نکاح
منکوحۃ الغیر ومعتدۃ الغیر عند الکل. بحر الرائق ج ۳ ص ۱۴۴، شامی
ج ۲ ص ۸۳۵ میں ہے لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلاً اور یہی وجہ
ہے کہ عدت کے اندر صراحۃً مطالبۂ نکاح اور وعدہ نکاح بھی ممنوع ہے، قرآن کریم
میں ہے ولا جناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم
فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لا تواعدوھن سرا
الا ان تقولوا قولا معروفًا. بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۶۹ میں ہے لا یجوز التصریح
بالخطبۃ فی حال قیام العدۃ تو جو شخص عدت پوری ہونے سے پہلے دیدہ و
دانستہ نکاح کرنا حلال جانے، قاضی ہو یا گواہ یا کوئی اور، تو وہ کافر ہو جاتا ہے
فتاویٰ خیریہ ج ۱ ص ۱۰۷، ۱۰۸ میں سوال وجواب میں ہے الذین یطلقون
نساءھم فیتزوج الرجل منھم زوجۃ الآخر المدخولۃ بعد طلاقہ
بجمعۃ او اقل وکذلک بعد الموت لا یعتدون مطلقاو
یستحلون ذلک (الی ان قال) من استحل حکما علم من وحرمتہ
فی دین نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو کافر، تو ان سب
پر لازم کہ کلمۂ اسلام از سر نو پڑھیں اور سچے دل سے تائب ہوں اور چونکہ ان سب
کے اپنے اپنے نکاح بوجہ کفر ٹوٹ چکے لہٰذا نکاح از سر نو کریں اور اگر عدت کے
اندر نکاح کرنا حلال تو نہیں جانتے مگر محض عورت کے ڈرانے اور پابند کرنے
کی وجہ سے کوئی مصنوعی صورت بنائیں تو کافر نہیں ہوں گے مگر پھر بھی یہ کام سراسر
ظلم اور فریب اور جھوٹ ہے، شرعاً صحیح وعدہ بھی ممنوع ہے تو مصنوعی صورت نکاح

بنانا اگرچہ تراضی سے ہو، کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ محض حرام اور خمر و خنزیر کے برابر ہے اور پھر عورت کے محبوس اور پابند کرنے کا کیا معنیٰ ؟ کافروں کا یہ دستور تھا کہ خاوند مرنے کے بعد خاوند کے قریبی رشتہ دار عورت پر قبضہ جما لیا کرتے تھے تو حضرت رب العالمین جل وعلا نے یہ حرام کر دیا، ارشاد فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا لایحل لکم ان ترثوا النکاح کرھا ' اے ایمان والو! تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی "۔

تفسیر درالمنثور ج ۲ ص ۱۳۱ میں ہے اخرج البخاری و ابوداؤد والنسائی والبیھقی فی سننہ و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم من طریق عکرمۃ عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ یاایھا الذین اٰمنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا قال کانوا اذا مات الرجل کان اولیاؤہ احق بامرأتہ ان شاء بعضھم تزوجھا و ان شاءوا زوجوھا وان شاءوا لم یزوجوھا فھم احق بھا من اھلھا فنزلت ھذہ الاٰیۃ فی ذلک بلکہ عاقلہ بالغہ عورت پر اگرچہ کنواری ہی ہو، کوئی جبراً نکاح نہیں ٹھونس سکتا اگرچہ سلطانِ اسلام ہو، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علیٰ بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا بکرا کانت او ثیبا اور صورتِ مذکورہ میں گو ظاہر یہی ہے کہ وہ قاضی اور حاضرین مجلس عدت کے اندر نکاح کرنا حلال نہیں جانتے اور محض ڈرانے اور پابند کرنے کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے مگر پھر بھی گناہِ عظیم سے بچ نہیں سکتے کہ عورت کی رضا حاصل کرنے کے لئے نکاح کا صاف صاف نام لیا اور نکاح بنایا اور کہا کہ نکاح ہو گیا ہے، یہ سب حرام اور جھوٹ ہے، پھر وہ عورت و مرد سمجھ گئے کہ نکاح ہو گیا ہے، یہ ان کے حق میں بد ترین دھوکا کیا گیا جو گمراہی اور گمراہ گری ہے اور ہشیار

زناکاریوں کا دروازہ کھولنا ہے، وہ قاضی اور گواہان وحاضرین سب کے سب ان بدکاریوں میں شریک ہیں، ان سب پر فرض عین کہ سچے دل سے توبہ ظاہرہ کریں اور اس مرد وعورت کو واضح طور پر بتادیں کہ یہ نکاح ہرگز ہرگز نہیں ہوا تاکہ وہ زنا سے بچیں اور دھوکا میں نہ رہیں ورنہ بدترین عذاب جہنم کے لئے تیار رہیں، باقی رہی تعزیر تو وہ بہت بڑی سخت ہے مگر جب کوئی لگانے والا ہی نہیں تو لکھنے کا کیا معنی! اس دور آزادی وبے باکی میں کیا کہا جائے؟ یہی غنیمت ہے کہ سچے دل سے علانیہ تائب ہو جائیں اور ایسے افعال شنیعہ سے باز آجائیں والی اللہ المشتکیٰ وھوالمستعان وعلیہ التکلان۔ ہاں عدت گزرنے کے بعد اگر عورت اپنی رضا ورغبت اور اختیار سے پسند کرے تو اسی مرد کے ساتھ حسب دستور شرعی نکاح ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ

الاستفتاء

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد نوراللہ صاحب دام اقبالہٗ

السلام علیکم : مزاج شریف!

لڑکی شمیم اختر کا ماموں دشمن پارٹی کی بہو سے بدکار تھا، وقوعہ کی رات

دشمنان کسی بہانہ سے لڑکی کے ماموں کو گھر سے بلا کر کنوئیں پر لے گئے تو دشمن کی عورت کے دل میں خیال آیا کہ میرا خاوند لڑکی مذکورہ کے ماموں کو قتل کر دے گا، اس نے دوڑ کر لڑکی کی نانی کو خبر کر دی کہ میرا خاوند جو تمہارے لڑکے کو اس وقت بلا کر کنوئیں پر لے گیا ہے تمہارے لڑکے کو قتل کر دے گا اس واسطے دو چار آدمی ساتھ لیجاؤ اور لڑکے کو چھڑا لاؤ، چنانچہ لڑکی کے نانکے دونوں میاں بیوی اسی وقت کنوئیں پر گئے اور ساتھ ہی لڑکی کو اس خیال پر لے گئے کہ لڑکی ساتھ بطور وسیلا یعنی کنبہ کے ہوگی اور ان کے دل میں رحم آجائے گا تو لڑکے کو چھوڑ دیں گے، چنانچہ کنوئیں پر جا کے ان سے دونوں میاں بیوی نے کہا لڑکے کو چھوڑ دو مگر انہوں نے کہا کہ تم لڑکی کا نکاح ہمیں دے دو تو چھوڑ دیتے ہیں ورنہ ہم تمہارے لڑکے کو ضرور قتل کر دیں گے لہٰذا دونوں میاں بیوی نکاح دینے پر رضامند نہ ہوئے تو انہوں نے زبردستی شروع کر دی یعنی نانے کو علیحدہ مکان میں بند کر دیا اور نانی کو علیحدہ مکان میں بند کر کے لڑکی سے زبردستی نکاح پڑھوانا شروع کر دیا، لڑکی کو کہا اگر تو نے نکاح نہ پڑھا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے، ہمیں مار چھوڑیں گے چنانچہ لڑکی نے رونا شروع کر دیا اور روتے روتے نکاح پڑھتی رہی جو کہ صحیح لفظوں میں بھی نہ پڑھ سکی کیونکہ لڑکی کی رضامندی نہیں تھی، نانی نانا کی مرضی نہیں تھی، یہ سارا کھیل ڈرا دھمکا کر کھیلا گیا، چونکہ میں مسمی جلال دین لڑکی کا نانا ہوں میں اس وقت یہاں کھرپے میں اپنے گھر تھا، یہ کھیل پاکپتن کے علاقہ کے گاؤں جالندھریا میں کھیلا گیا یعنی نہ تو نانکوں کی مرضی تھی اور نہ ہی میری مرضی تھی، اصل وارث تو میں ہی ہوں اور لڑکی کے دو نوجوان بھائی بھی وارث ہیں وہ دونوں بھی اس وقت یہاں موضع کھرپے میں تھے اس لئے ہم وارثوں کی رضامندی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہماری قوم بھٹی ہے اور وہ لوگ جٹ، لڑکی اس وقت جوان ضرور تھی۔

خیر اندیش: جلال دین موضع ۳۴۳/ ایس پی کھرپے ضلع منٹگمری

نوٹ :- جلال دین نے بیان دیا ہے کہ لڑکی اس وقت تیرہ سال کی تھی اور جوان نہیں تھی تو میں نے کہا کہ تحریر میں جوان لکھی ہے تو اس نے کہا کہ میں نے جوان نہیں کہا تھا مگر میں خود جاہل ہوں، لکھنے والے نے یوں لکھ لیا، بہر حال لڑکی جوان نہیں تھی۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۱ر ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال بمع ترمیم بیانِ زبانی صحیح و درست ہے تو شمیم اختر کا یہ مصنوعی نکاح قطعاً نہیں ہوا، غیر بالغ لڑکی کا نکاح بغیر ولی کے صحیح نہیں ہوتا اور ولی عصبہ ہے، عصبہ کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا ولی نہیں کما فی الھندیۃ وغیرھا من المعتبرات بلکہ اگر یہ ولی بھائی یا تایا بھی نکاح کر دیتا جب بھی غیر کفو ہونے کے سبب منعقد نہ ہو سکتا، فتاوٰے ہندیہ ج ۲ ص ۱۵ میں ہے و اجمعوا علی انہ لا یجوز من غیر الاب و الجد و لا من القاضی کذا فی فتاویٰ قاضیخان بلکہ اگر لڑکی جوان ہوتی اور اپنے طور خوشی سے نکاح پڑھتی تب بھی صورتِ مذکورہ میں مفتیٰ بہ قول پر اصلاً منعقد نہ ہوتا، تنویر الابصار، در المختار، شامی ج ۲ ص ۴۰۸، ۴۰۹ وغیرہا کتبِ معتمدہ مذہبیہ میں ہے ویفتی فی غیر الکفو بعدم الجواز اصلاً و ھو المختار للفتویٰ، بہر حال یہ نکاح، نکاح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۱۱؍ ذی القعدۃ المبارکہ ۷۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ہندہ کا نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف اور اس کے والدین و دیگر ورثا کے ساتھ جبر وظلم زدوکوب کر کے پڑھا گیا، ہندہ کے والدین اور ورثا یہی کہتے رہے کہ ہم نکاح نہیں دیتے، زمیندارانِ دیہ اور نکاح خواں نے جبراً وظلماً وقہراً نکاح کا ایجاب وقبول کر لیا، آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ مکرر معروض کہ ہندہ کا نکاح غیر کفو میں کیا گیا ہے۔

المستفتی: ابوالیسر محمد اسمٰعیل عفا اللہ عنہ المہتمم دارالعلوم غوثیہ الواقعۃ فی قریۃ چک ٹوانہ، ۱۱؍ شعبان المعظم ۱۳۶۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مذکورہ میں نکاح صحیح نہیں ہوا کہ ہندہ اگر عاقلہ بالغہ ہے تو اس کا نکاح اس کی رضا کے بغیر نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر کسی کا جبر ہو سکتا ہے اگرچہ باپ یا بادشاہ

ہی ہو اور اگر صغیرہ یا مجنونہ ہے تو ولی کے سوا اس کا نکاح کوئی نہیں کر سکتا، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۲، فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۱۵۵ شرائط نکاح میں ہے منہا رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ بکرا کانت او ثیبا فلا یملک الولی اجبارھا علی النکاح عندنا کذا فی فتاویٰ قاضیخان، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۱ میں ہے لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنہا در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۰، کنز الدقائق، بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۰، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۶۱ میں ہے والنظم من الھدایۃ لا یجوز للولی اجبار البکر البالغۃ علی النکاح، فتاویٰ قاضیخان ج ۱ ص ۱۶۳، مبسوط ج ۴ ص ۲۱۹، ج ۴ ص ۲۲۳، ہدایہ، فتح القدیر ج ۳ ص ۱۷۵، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۹، در المختار، شامی ج ۲ ص ۲۸۴ کنز الدقائق بحر الرائق ج ۳ ص ۱۱۸، ۱۱۹ میں ہے والنظم من الھدایۃ والترتیب فی ولایۃ النکاح کالترتیب فی الارث والابعد محجوب بالاقرب، مبسوط ج ۴ ص ۲۲۲ میں ہے ولا یجوز لغیر الولی تزویج الصغیر والصغیرۃ۔

ان تصریحاتِ مذکورہ اور ان کی ہم مثل متعدد کتبِ مذہبِ مہذب اور روایات و احادیث سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ انکارِ عاقدہ ولی کی صورت میں اجنبیوں کا ایجاب و قبول غیر معتبر و بیہودہ حرکت ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین مسئلہ ذیل ہیں کہ ایک لڑکی جس کا والد اور دادا دونوں فوت ہو چکے ہیں اور نہ ہی کوئی حقیقی بھائی ہیں اور اس لڑکی کے پانچ حقیقی چچے زندہ موجود ہیں، اس لڑکی کے ایک حقیقی چچے کے ساتھ اس لڑکی کی والدہ کا نکاح بھی ہے، اس لڑکی کی والدہ اپنے خاوند سے گھریلو معاملات کی وجہ سے ناراض ہو کر کہیں چلی گئی اور اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف اس کے چاچوں کی عدم موجودگی اور عدم علم میں کسی آدمی سے کر دیا، جب چچوں کو علم ہوا تو انہوں نے سخت ناراضگی اور مرمٹنے کا اظہار کیا یہاں تک کہ خانہ جنگی کا سخت خدشہ ہے۔ وہ لڑکی اب بالغ ہو چکی ہے اور بالغ ہوتے ہی اس نے اپنے نکاح سے انکار کر دیا رو برو گواہوں کے اور اب تک لڑکی اس لڑکے سے الگ رہی ہے جس سے نکاح کیا گیا تھا۔ یہ بیان لڑکی کی والدہ اور چچے کا ہے، نیز وہ لڑکی اپنے چچوں کی مرضی کے مطابق کسی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

السائل : حافظ فتح محمد وٹو سکنہ جالکوٹ تحصیل دیپالپور ضلع ساہیوال

گواہ شد : حاجی محمد عارف وٹو مولوی غلام محمد و مولوی محمد طفیل نوری

(نوٹ) یہ استفتاء حافظ فتح محمد خاں صاحب وٹو نے اپنی تحقیق اور تسلی کر کے اپنی طرف سے بھیجا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح جو نابالغہ لڑکی بارہ سالہ عمر کا اس کی ماں نے اس کی مرضی اور حقیقی پانچ چچوں کی اطلاع واجازت کے بغیر کردیا، نکاح موقوف تھا یعنی اگر کوئی چچا اطلاع پاکر اجازت دے دیتا تو جائز ہوجاتا مگر جب سب چچوں نے اطلاع پاتے ہی سخت ناراضگی اور مرمٹنے کا اظہار کیا تو وہ نکاح موقوف باطل ہوگیا اور جبکہ لڑکی اس لڑکے سے بالکل علیحدہ رہی ہے تو عدت بھی نہیں لہٰذا اب لڑکی کو اجازت ہے کہ حسبِ دستورِ شرع شریف اور نکاح کرسکتی ہے، فتاویٰ عالمگیر ج۱ ص ۲۸۵ طبع مصر میں ہے وان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ، نیز اس کے ص ۲۸۳، ۲۸۴ میں ہے، وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ الخ بہرحال ماں (جو چچوں کے ہوتے ہوئے ولی نہیں بن سکتی) کا یہ کیا ہوا نکاح ختم ہوچکا اور لڑکی کو نکاحِ جدید کی اجازت ہے بشرطیکہ سوال صحیح اور واقعی ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وآلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہ

۹ رجادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ ۷۴-۶-۱

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ عظام اندریں صورت کہ زید نے اپنی لڑکی نابالغہ کی نسبت ایسے مرد سے کرنے کا فیصلہ کیا جو بہرا اور گونگا ہے اور دس پندرہ دن کے بعد منگنی بھی کر دی۔ پھر یہ بات تمام برادری اور بہت سے دوسرے لوگوں میں بھی مشہور ہوئی۔ منگنی سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد تقریباً ایک ماہ کے دن مقرر کر دیئے، اس دوران میں زید کی ہمشیرہ نے بھی کہا اور کئی دوسرے افراد سے بھی جو معزز شمار کیئے جاتے تھے کھلوایا مگر زید نے ایک نہ مانی، زید کو ہمشیرہ نے یہ بھی کہا کہ ایک ہزار روپیہ بھی زیورات بھی، روٹی وغیرہ بھی ہم دیتے ہیں، یہ رشتہ میرے لڑکے کو دے دے حالانکہ اس کا لڑکا بے عیب اور ہم کفو تھا اور اس بات پر میرا چھوٹا بھائی عاقل بالغ دُلا بھی متفق تھا کہ بھانجے کو رشتہ دیا جائے۔ ایک زمیندار نے بھی ہدایت کی کہ برادری جس طرح کہتی ہے تیرے لیے وہی بہتر ہے مگر زید ہر چند یہی جواب دیتا رہا کہ میں زبان کر بیٹھا ہوں لہٰذا ادھر ہی رشتہ کروں گا منگنی کے دن مندرجہ ذیل اشیاء زید نے یعنی مقرر کیں :-

چار سو روپیہ کچھ زیور اور دو وقت کی روٹی،

اب جب دن مقرر ہو گئے تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ روٹی ہم نہیں دیں گے تو زید نے جواب دیا کہ پھر ماہ کاتک میں آئیں، اب میرے پاس بھی روٹی نہیں چنانچہ کافی لے دے کے بعد طے پایا کہ دو سو روپیہ زید کو اور دے دیا جائے اور روٹی زید ہی کے ذمہ رہے اور نکاح ہوا۔

القصہ اب جبکہ لڑکی بالغ ہوئی تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ تو بالکل ناکارہ

ہے۔ نہ بات سننے کا نہ کرنے کا چنانچہ وہ اب جبکہ میکے چھوڑ کے جاتی نہیں، زید کو محسوس ہوا اور مسئلہ پوچھنے چلا۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس قسم کی بے احتیاطیوں اور سوء اختیاریوں کے باوجود نکاح صحیح نافذ ہوا یا نہ؟ بینوا اما جورین من رب العلمین۔

سائل: مسمّٰی محمد سلیمان انداروڑہ میاں خاں

میں تصدیق کرتا ہوں کہ یہ بات ٹھیک ہے۔

(عطا محمد بقلم خود، اداروڑہ میاں خاں)

میں اس کی تاکید کرتا ہوں۔ (خادم مکم: حکیم محمد عارف منڈی بصیر پور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال و بیانِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو از روئے تحقیقِ ائمہ کرام و علمائے عظام شرعِ مطہر مذہبِ مہذب حنفیہ میں یہ نکاح باتفاق و اجماع باطل ہے، ایسے غلط ناطے اور بے جوڑ رشتے سراسر باعثِ تکلیف و نقصان اور محض وبالِ جان، عمر بھر کے لئے مرض لاعلاج اور سوہانِ مزاج ہوا کرتے ہیں، پھر ڈیڑھ سال سے زائد زمانہ تک یہ مشہور و معروف اور موضوعِ بحث بنا رہا اور خویش و اقربا، و دیگر بھی خواہ مشورے دیتے رہے، سمجھاتے رہے مگر اس نے نہ مانتے ہوئے سراسر سفاہت و طمعِ زر اور پھر حمیتِ جاہلیہ و نام نہاد زبان پروری کے لحاظ سے نکاح کر دیا، تو ایسی صورت میں باپ مختار و مجاز نہیں رہتا تھا کہ خود ولایتِ نظریہ کا یہی تقاضا ہے، بدائع صنائع ج ۲ ص ۲۴۵ میں ہے والاضرار لا ید خل تحت ولایۃ الولی۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۹۴، کفایہ ج ۳ ص ۱۹۵،

بحرالرائق ج ۳ ص ۱۳۵، فتاوے غزی ص ۲۵، فتاوے عالمگیری عن السراج الوہاج ج ۲ ص ۱۵،
تنویر الابصار، درالمختار، شامی ج ۲ ص ۴۸۱، منحۃ الخالق عن النہر الفائق و شرح المجمع لابن ملک
ج ۳ ص ۱۳۵ میں ہے و النظم من شرح المجمع لو عرف من الاب سوء
الاختیار لسفہہ او لطمعہ لایجوز عقدہ اتفاقا نیز شامی علیہ الرحمہ
نے فرمایا و الحاصل ان المانع ھو کون الاب مشھورا بسوء الاختیار
قبل العقد خصوصاً یہاں تو ہم کفو و قابل لڑکا بھی خاطب و طالب تھا تو یہ محض ظلم
ظلمات بعضہا فوق بعض" بنا جو امس و شمس کی طرح ولایت نظریہ کی علانیہ خلاف ورزی ہے
بنا بریں علیہ یہ نکاح صحیح و نافذ نہیں بلکہ محض باطل و ناروا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۲۶ شوال المکرم ۷۳ھ ۲۸ / ۶ / ۵۴

اصاب من اجاب
فقیر قادری ابوالحسنات سید محمد احمد قادری
خطیب مسجد وزیر خاں لاہور

الجواب صحیح عندی واللہ اعلم بالصواب۔
کتبہ العبد الضعیف غلام علی غفرلہ الولی
المدرس فی المدرسۃ العربیۃ الکائنۃ فی اوکاڑہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں صورت کہ بکہ منکوحہ زید کو

اغوا کر کے لے گیا اور اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور اس نے چار سال کی عمر میں لڑکی کا نکاح بلا اجازتِ زید کر دیا اور زید نے اس کا نکاح رد کر دیا۔ آیا یہ نکاح شرعاً نافذ ہے یا نہیں؟ بینوا ماجورین من رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

منکوحۂ زید کی لڑکی زید کی لڑکی ہے، بکر کا اس پر کوئی حقِ ولایت نہیں تو بکر کا نکاح کردہ فضولی ٹھہرے گا اور فضولی ہونے کی وجہ سے ردِ زید سے باطل و مردود ہو گیا لہٰذا یہ نکاح باطل و مردود ہے جس کے نفاذ کی اب اصلاً کوئی صورت نہیں الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ اللہ ربہ وقواہ علیٰ کل غبی وغوی وشقی۔

۲۸ / ذی الحجۃ ۱۳۶۳ھ

الجواب صحیح لاریب فیہ

فقیر غلام رسول غفرلہ

نائب مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ فرید پور جاگیر ضلع منٹگمری

عہ حال شیخ الحدیث جامع رضویہ فیصل آباد (محب)

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و بزرگانِ شرعِ متین ایک عورت کا نکاح زید سے ہے بموجب رسم و رواج شادی نہیں ہوئی تھی، اس کے والدین نے بلا طلاق حاصل کئے اسکو کسی اور جگہ بیاہ دیا، کچھ عرصہ کے بعد عورت سے لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی تولد ہونے کے چار سال بعد ثانی خاوند عورت نے ایک لڑکے کے ساتھ اس لڑکی کا نکاح کر دیا آیا وہ نکاح درست ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

ثانی محض زانی ہے، عورت کا خاوند اور لڑکی کا باپ شرعًا وہی ہے جس کے ساتھ نکاح ہوا تھا، رسمی شادی کا قطعًا اعتبار نہیں لہٰذا یہ نکاح بلا اجازتِ والدِ شرعی شرعًا درست نہیں کہ وہی ولی ہے اور نکاح نابالغہ کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے و کل ذا ابین من ان یبین و اظھر من ان یبرھن۔

واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و اٰلہ و صحبہ و بارك و سلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ زید کی منکوحہ بیوی بغیر طلاق حاصل کئے عمر کے ساتھ چلی گئی، عمر کے ہاں ازدواجی زندگی بسر کرنے کے دوران میں اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نکاح عمر نے گیارہ سال کی عمر میں کسی جگہ کر دیا، اس نکاح کے بارے میں کیا حکم ہے حالانکہ وہ لڑکی نابالغہ تھی اور جبکہ زید اس نکاح میں قطعاً رضامند نہیں تھا۔

سائل، محمد صدیق بھٹہ ساکن ۲۸/۴۔ایل تحصیل وکاڑہ ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً وہ لڑکی زید کی ہے تو اس کا نکاح جب تک نابالغ رہے، زید کر سکتا ہے، عمر کے لئے حقِ ولایت نہیں تو وہ نکاح موقوف بر اجازت زید تھا اور جب تک وہ اجازت نہ دے، رد کر سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۹ میں ہے تثبت الولایۃ باسباب اربعۃ الخ

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مسمّی فلک شیر کا نکاح عرصہ دس سال سے مسماۃ چراغاں کے ساتھ کیا گیا ہے اور مسمّیٰ فلک شیر کی عمر دس سال کی تھی اور اس کا ولی شرعی چچا رحمت علی تھا جس کی اجازت سے نکاح ہوا اور مسماۃ چراغاں کی عمر نیز دس سال کی تھی اور ولی شرعی اس کا چچا ولی محمد تھا جس نے نکاح کر دیا اور نکاح میں کوئی مانع شرعی نہ تھا اور مسماۃ چار سال سے بالغہ ہو چکی ہے، آیا یہ نکاح صحیح ہو چکا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

المستفتی : رحمت علی ساکن چک بیدی نانک سر۔

و المستفتی الثانی : ولی محمد ساکن چرا مانیکا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور و الصواب

اگر صورت مذکورہ بالا واقعیہ ہے کہ وقتِ نکاح لڑکے اور لڑکی کے ولی شرعی چچے تھے یعنی ان کے ماسوا کوئی ولی اقرب موجود نہ تھا اور انہی نے نکاح کر دیا اور مانع شرعی کوئی بھی موجود نہ تھا تو صحتِ نکاحِ مذکورہ میں کوئی شک و شبہ نہیں، فتاویٰ عالمگیر ج۲ ص۹ میں ہے و کل ھؤلاء لھم ولایۃ الاجبار علی البنت و الذکر فی حال صغرھما و حال کبرھما اذا جنا کذا فی البحر الرائق و کذا فی

سائر اسفار المذہب المہذب متونا وشروحا وفتاوی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ علی حبیبہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ الحنفی القادری النعیمی نورہ ربہ وقواہ علی کل غبی وغوی شقی

الجواب ہوالموافق للصواب

خادم الطلبہ: محمد چراغ دین مدرس دارالعلوم حنفیہ فریدیہ نعیمیہ

الجواب صحیح والمجیب مصیب

خادم العلماء محمد بشیر احمد صدر مدرس مدرسہ آستانہ عالیہ بسی شریف ہوشیارپور

حال وارد دارالعلوم حنفیہ فریدیہ فریدپور جاگیر

۱۳ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ

الاستفتاء

باسمہٖ تعالیٰ

ایک لڑکی نابالغ کا نکاح والد کے چچا نے کر دیا تھا اور والد نے انکار کر دیا مجلسِ نکاح سے چلا گیا، لڑکی کی عمر تین سال کی تھی، جب نو دس سال کی ہوئی تو لڑکی نے انکار کر دیا کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں ہے، اب تک کہتی ہے کہ یہ نکاح مجھے منظور نہیں ہے اور والدہ اس کی کہتی ہے کہ جب میری لڑکی کو پہلا حیض آیا تو اس نے انکار کر دیا۔ الغرض قبل بلوغ، بعد بلوغ انکار کرتی رہی، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو قابلِ فسخ ہے یا نہیں؟

الٰہ رکھن پورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مسئولہ میں نکاح نہیں ہے۔ فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۰ میں ہے و ان زوج الصغیر او الصغیرۃ ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ یعنی اگر نابالغ اور نابالغہ کا نکاح دور کا ولی کر دے اور نزدیکی ولی حاضر ہو اور وہ قابلِ ولایت بھی ہو (دیوانہ یا بچہ یا کافر نہ ہو) تو یہ نکاح نزدیکی ولی کی اجازت پر موقوف ہے اور جب باپ انکار کرتا ہے اور راضی نہیں ہوا تو یہ نکاح جائز نہیں البتہ اگر عدم اہلیت ولایت ہو اور اس کے چچا سے قریب کوئی اور ولی نہ ہو تو نکاح جائز ہو گا اور اس کا فسخ لڑکی کے انکار مذکور کے ثبوت شرعی پر بشرط القضاء ہو سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

محمد المفتقر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰ / ۴ / ۴۹

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ۱۹۳۸ء

میں اپنے حقیقی لڑکے کا نکاح مسمّٰی قطبہ ولد ترتیب کی لڑکی کے ساتھ کیا، بموجب رواج رسوم علاقہ تمام برادری والوں کی بھی شمولیت ہوئی اور قطبہ کی طرف سے اس کے تینوں بھائی یعنی لڑکی کے حقیقی چچے اور لڑکی کے دادا دادی بھی شامل تھے، لڑکی اور لڑکا نابالغ ہونے کی وجہ سے چونکہ قطبہ لڑکی کا باپ تھا اور میں لڑکے کا بموجب حکم شرع شریف ایجاب وقبول ہم دونوں کے موضع چک ۲۳/۴-ایل قطبہ کے گھر میں ہوئی، احتیاطاً لڑکے اور لڑکی کو بھی کلمات پڑھا کر روبرو گواہاں کے ایجاب وقبول کرایا گیا، اب قطبہ مذکور اپنی لڑکی کا نکاح اور جگہ کرنا چاہتا ہے اور ساتھ کہتا ہے کہ پہلا نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ اس وقت لڑکی نابالغہ تھی اور رجسٹر پر بھی انگوٹھے نہیں لگے، اس واسطے پہلا نکاح ناجائز ہے لہٰذا بموجب حکم شرع شریف وکتب فقہ واحادیث سے ثابت کریں کہ پہلا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر پہلا نکاح جائز ہے تو دوبارہ نکاح کرنے والے یا جن کی اس نکاح میں شمولیت ہو گئی، کس سزا کے مستحق ہوں گے اور ان کا کیا حشر ہوگا، کتب واحادیث محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے جواب دیں، اجر ملے گا۔

السائل: بہادر علی از منڈی حویلی متصل اسٹیشن وساوے والا ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

بلاشک وشبہ وریب صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد ہو چکا۔ اس کے انعقاد میں ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اتفاق واجماع ہے اور اس انعقاد وجواز پر

قرآنِ کریم ناطق ہے، ارشاد ہوتا ہے واللّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلٰثۃ اشھر واللّٰئی لم یحضن، عدت فرعِ نکاح ہے اور نکاح اصل اور اصل کے بغیر فرع کا وجود متصور ہی نہیں تو اس آیت کریمہ سے صراحۃً ثابت ہوگیا کہ نابالغہ کا نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور طلاق ہونے پر عدت پڑتی ہے اور احادیثِ طیبہ سے متواتر طور پر اس کا ثبوتِ صریح ہے کہ حضرتِ صدیقِ اکبر ابوبکر خلیفۂ اولین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی لختِ جگر حضرتِ صدیقہ ام المؤمنین محبوبۂ محبوبِ رب العالمین حضرتِ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح صرف چھ سال کی عمر میں کردیا اور پھر حضرت قدامہ بن مظعون بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرتِ زبیر حواری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم نے اپنی لڑکی کا نکاح پیدا ہونے کے دن ہی کردیا اور کسی صاحب نے اس کا انکار نہ کیا، کتبِ مذہبِ مہذبِ حنفیہ میں صراحۃً اس کا ثبوتِ بیّن موجود ہے چنانچہ فتاوے عالمگیر وغیرہا میں ہے وکل ھٰؤلاء لھم ولایۃ الاجبار علی البنت والذکر فی حال صغرھما۔

باقی رہا یہ عذرِ خام کہ رجسٹر پر انگوٹھے نہیں لگے محض بے بنیاد اور رکھو کھلا ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ دلائل شرعیہ اس کا رد کرتی ہیں، یہ انگوٹھوں والا رجسٹر اس زمانِ پُرفتن کی نئی ایجاد ہے، شرعاً نکاح ایجاب وقبول کا نام ہے، فتاوے عالمگیر وغیرہا میں ہے ینعقد بالایجاب والقبول تو اس کا یہ عذر شریعتِ مطہرہ پر افترا بلکہ شریعتِ بیضا کا مقابلہ ہے۔

الحاصل امس وشمس کی طرح واضح ولائح ہوا کہ نکاحِ مذکور صحیح ونافذ ہے تو دوبارہ نکاح کرنا نکاح پر نکاح کرنا ہوگا جس کی حرمت قرآنِ کریم سے صاف ثابت ہے، ارشاد ہوتا ہے والمحصنٰت من النساء اور اس جرم عظیم کے مرتکب کی سزا کے وہی مدارج و اقسام ہیں جو شریعتِ مطہرہ کی کھلی خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے معہود ومعلوم ہیں لہٰذا

اہل اسلام پر لازم کہ اس کو اس فعل شنیع کے ارتکاب سے حتی المقدور سختی سے روکیں کہ حدیث میں وارد ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه. الحديث - والله تعالىٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم وصلى الله تعالىٰ على حبيبه واله وصحبه وبارك وسلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۳ شعبان المعظم ۶۵ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا، ایجاب وقبول دونوں کے والدوں نے کیا ہے، شاہدین موجود ہیں، کیا یہ نکاح صحیح اور جائز ہے یا نہیں؟

المستفتی: نور محمد بھٹہ سکنہ چک ۲۱۹ لکھانوالہ ۴ ربیع الاول شریف

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

اللهم اجعل لي النور والصواب

ایسا نکاح صحیح ونافذ ہوتا ہے کہ ایجاب وقبول رکن نکاح بلامانع پائے گئے۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱ میں ہے فاما ركنه فالايجاب والقبول نیز اسی میں ج ۲ ص ۱ فان زوجها الاب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما انتہی

ہی تمام کتبِ مذہبِ مہذب میں صراحۃً مذکور و مبرہن و مبین ہے اور احادیثِ حضور پر نور فداہ روحی صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ قرآنِ کریم سے صاف صاف ثابت ہے وللتفصیل وقت اٰخر ولا خفاء علیٰ من لہ ادنیٰ ربط بھما۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں صورت کہ مسمّٰی محمد دین کی لڑکی آٹھ سالہ نابالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے سوا کیا گیا، اطلاع ملنے پر مسمّٰی مذکور نے سخت ناپسند اور رد کر دیا تو شرعاً اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا اس لڑکی کا نکاح اور جگہ کیا جا سکتا ہے۔

سائل: گیلانی سید محمد علی شاہ سکنہ حویلی لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

سائل زبانی مظہر کہ نکاح کفو میں ہوا حالانکہ والد لڑکی کا نزدیک ہی موجود و معلوم تھا تو شرعاً یہ نکاح موقوف براجازت والد لڑکی مسمّٰی محمد دین مذکور تھا جو اس کے رد سے رد ہو گیا لہٰذا اب لڑکی مذکورہ کا نکاح اور جگہ کر سکتے ہیں، فتاوٰے عالمگیر ج ۲ ص ۱۰، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۳ میں ہے والنظم من الدر فلو زوج الابعد حال

قيام الاقرب توقف على اجازت۔

بہرحال صورتِ مذکورہ بالا میں وہ نکاح مردود ہوچکا اب اور جگہ نکاح ہوسکتا ہے کہ باپ عاقل بالغ واہلِ ولایت بھی اقرب ولی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ ربیع الثانی ۱۷ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ رسولِ کریم اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک لڑکی بعمر دس برس کا نکاح والد کے موجود ہوتے ہوئے لڑکی کی والدہ کسی سے نکاح کردیتی ہے اور والد کی مرضی کے برخلاف نکاح کیا گیا، کیا یہ نکاح شریعت جائز رکھے گی یا نہ؟ بینوا توجروا۔

جواب بحوالہ کتب معتبرہ فقہ یا حدیث دیا جاوے۔

تصدیق کیا جاتا ہے کہ لڑکی تقریباً بالعمر گیارہ سالہ نابالغہ ہے، میں نے بچشم خود دیکھی ہے۔

بحکم محمد عبدالحق ولد حاجی مولوی جلال الدین بقلم خود

نوٹ، لڑکی کے والد نے زبانی بیان کیا کہ یہ نکاح میرے پسِ پشت ہوا ہے اور جب مجھے پتہ چلا تو میں نے کہا برا کیا، میرے اجازت کے سوا کیا میرے سینے میں گولی لگا دی اس سے تو بہتر تھا کہ میں مرجاتا اور اب تک میں ناراض ہوں اور اجازت نہیں دی، تو اس نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا ماجورین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح ہے اور باپ نے یہ کلمات رد نکاح کے کہے تو وہ نکاح مردود و باطل ہو گیا ہے، فتاوےٰ عالمگیری ص ۷، میں ہے کہ اگر فضولی کو صاحبِ اجازت کہے بئس ماصنعت تو ظاہر الروایۃ کی رو سے یہ رد ہے اور اسی پر فتوےٰ ہے وفی ظاہر الروایۃ یکون ردا وعلیہ الفتوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح باپ کے روکنے کے باوجود دادا نے کر دیا اس طرح پر کہ اس لڑکی کے عوض اپنے

لڑکے کے لئے رشتہ حاصل کرے، لڑکی مذکورہ کے باپ نے پہلے بھی مخالفت کی اور بعد میں بھی مخالفت کر رہا ہے اور نکاح اس کی غیر حاضری میں ہوا ہے باوجودیکہ وہ اسی گاؤں میں تھا، اب لڑکی مذکورہ بالغ ہو چکی ہے اور وہ بھی نکاحِ مذکورہ کی سخت مخالف ہے تو اندریں صورت شرعاً کیا حکم ہے!

سائل : محمد علی از بھینی عثمان خاں گدھوکا
ریاست بہاولپور
۷ محرم الحرام ۷۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو نکاحِ مذکور سرے سے ہوا ہی نہیں کہ باپ کے ہوتے ہوئے باپ کی مرضی کے خلاف کسی کو نکاح کا اختیار نہیں کما فی اسفار المذہب المھذب متونا و شروحا و حواشی و فتاوی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و صحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید نے بکر کی بیوی کو اغوا کر لیا اور

ساتھ ہی اس کی شیر خوار بچی کو بھی لے گیا، پیچھے بکر نے اس کی بیوی کو اپنے گھر بٹھا لیا۔ اس کے تین چار سال بعد زید قتل کے مقدمہ میں سزا ہو گیا، عورت وہاں اکیلی رہ گئی۔ اس نے اس نابالغ لڑکی جس کو اس وقت ماہواری شروع نہیں ہوئی تھی، عمر نو سال تھی اور وہ ساتھ لے گئی تھی، کا نکاح وہاں کے کسی باشندے سے کر دیا۔ اس کے بعد جب زید سزا ختم ہونے پر واپس آیا تو اپنی مغویہ کو لڑکی کے نکاح کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اپنی مغویہ کو مع بچی کے لے کر واپس جہاں سے گئے تھے آ گیا یعنی بکر سے اس کی رسائی ہو گئی۔ بکر کو جب معلوم ہوا کہ اس کی نابالغ بچی کا نکاح ہو گیا ہے تو اس نے بہت ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا اب لڑکی جو بالغ ہو چکی ہے، بالغ ہونے پر اس لڑکی نے اس نکاح سے انکار کر دیا ہے اور وہ اس نکاح کو نکاح تصور نہیں کرتی جو اس کی اور اس کے والد کی مرضی کے خلاف ہوا ہے لہذا اس کے متعلق فتوے صادر فرمایا جاوے کہ آیا وہ نکاح جو نابالغی کی حالت میں اور باپ کی عدم موجودگی اور اجازت کے بغیر ہوا تھا، جائز ہے یا نہیں؟

نشان انگوٹھا شہاب دین

العبد: شہاب دین ولد رمضان قوم مسلم شیخ سکنہ شادے والا ۲۱ $\frac{11}{43}$

میں تصدیق کرتا ہوں کہ سائل کا بیان مندرجہ پشت ہذا درست ہے۔

محمد ہاشم علی بقلم خود بصیر پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

سائل زبانی مظہر کہ والد کو نکاح کا علم چھ سات ماہ کے بعد ہوا اور اس وقت بھی لڑکی

نابالغ ہی تھی، باپ نے نہ پسند رکھا تو یہ نکاح جو اصل ہیں باپ کی اجازت پر موقوف تھا باپ کی ناراضگی اور نہ پسند کرنے سے رد ہو گیا تو اب اس لڑکی کا نکاح حسب دستور شرع کسی اور کے ساتھ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ سوال صحیح اور درست ہو، در المختار میں ہے

فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ.

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وبارک وسلم.

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۱/۱۱/۹۳

الاستفتاء

بخدمت جناب قبلہ وکعبہ مولانا مولوی محمد نور اللہ صاحب

السلام علیکم: گذارش ہے کہ بندہ کا ایک سوال آپ کی خدمت میں پیش ہے:

میری لڑکی مسماۃ عالم خاتون کا نکاح میرے تایا مکھن نے میری اجازت کے بغیر کر دیا ہے، بندہ اور میری بیوی گھر پر موجود نہ تھے، گھر آ کر ہمیں پتہ چلا کہ میرے تایا نے میری لڑکی کا نکاح بخشا یا ولد بیگ کے ساتھ جو کہ ہمارا رشتہ دار بھی تھا کر دیا ہے بندہ اپنے تایا مسمیٰ مکھن کے ساتھ سخت ناراض ہوا اور لڑائی جھگڑا کیا، یہ نکاح مجھے یہ نکاح منظور نہیں۔ اس وقت سے اب تک میری لڑکی میرے پاس ہے، اس وقت لڑکی کی عمر ۱۱ سال تھی، اب چودہ سال ہو چکی ہے، شریعت کی رو سے لڑکی کا نکاح دوسری اور جگہ کرتا ہوں، مہربانی فرمائی جاوے، لڑکی نے جوان ہونے پر

روبرو مندرجہ ذیل گواہاں کے نکاح سے انکار کر دیا۔

(تصدیق نمبردار) میں تصدیق کرتا ہوں کہ مسمیٰ محمد دین بالکل سچائی پر ہے، یہ کارگزاری میرے سامنے ہوئی ہے۔ محمد باقر خاں نمبردار چک ۳۳/د بقلم خود

گواہ شد

محمد شاہ امام مسجد چک ۳۳/د، محمد دین والد لڑکی چک ۳۳/د (نشان انگوٹھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

مسماۃ عالم خاتون نابالغہ کا ولی شرعی اس کا والد محمد دین تھا اور اس کے گھر پر موجود نہ ہونے کے سبب اس کا تایا نکاح کرنے کا حقدار نہیں تھا جبکہ محمد دین والد کے متعلق علم تھا کہ کہیں نزدیک ہی گیا ہوا ہے اور واپس آنے والا ہے لہٰذا وہ نکاح محمد دین کی اجازت پر موقوف تھا اور جب وہ سخت ناراض ہوا اور لڑائی جھگڑا کیا اور نکاح نامنظور کیا تو وہ نکاح اٹھ گیا لہٰذا اس لڑکی کا نکاح حسبِ دستورِ شریعت دوسری جگہ کیا جا سکتا ہے، درالمختار میں ہے لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ ہاں اگر اس وقت محمد دین دیوانہ ہو یا ایسا لاپتہ ہو کہ تلاش کے باوجود بھی اس کا کہیں سوراغ نہ ملا ہو تو تایا کے لیے حق ثابت ہو سکتا ہے مگر اس صورت میں لڑکی کو بالغ ہونے پر نکاح فاسد کرنے کا اختیار ہے جو اجازتِ قاضی شرعی سے لازم الفساد ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم

واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۳۰ محرم الحرام ۸۷ھ

الاستفتاء

از پناہ نگر ۶۴-۱-۴ قبلہ محترم بزرگوارم مولوی نور اللہ صاحب جی

السلام علیکم : مزاجِ گرامی!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرعِ متین بارے اس مسئلہ کے کہ مسمیٰ گوماں شیخ کی لڑکی مسماۃ شماں جس کی عمر اب تقریباً پندرہ سال ہے، آج سے چھ سال پہلے اس کا نکاح شرعی اس کے برادرِ حقیقی مسمیٰ صادق نے اپنے باپ مسمیٰ گوماں کی بلا اجازت کرایا تھا، کیا وہ جائز ہے یا نہیں؟ مسماۃ شماں کا جب شرعی نکاح ہوا تھا، اس کی عمر ۹ سال کی تھی۔

آپ کا تابعدار: ملک امان اللہ ممبر یونین کونسل نمبر ۱۹۲، محب علی اوتاڑ

سائل مسمیٰ گوماں ولد مموں قوم شیخ۔

لڑکی کا والد زبانی بیان کرتا ہے کہ جب مجھے اس نکاح کا علم ہوا تو میں نے ناپسند کیا اور لڑکی کو اپنے پاس لے گیا اور اب تک لڑکی میرے پاس ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور چونکہ باپ نے پسند نہ کیا اور ناراض ہوا تو وہ نکاح رد ہوگیا، درالمختار میں ہے فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ تو یہ سوال اگر واقعی اور صحیح ہے تو وہ نکاح نکاح نہیں رہا، باپ کو اجازت ہے جہاں چاہے لڑکی کا نکاح حسب دستور شرع کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ وآلہ وصحبہ اجمعین۔

عبدہ المفتی ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۴ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۴ھ بمطابق ۱۱ ... ۶۴ء

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں ایک لڑکی یتیمہ نابالغہ جس کی عمر تقریباً سات سال ہے اس کا نکاح بوجود اقرب ولی حقیقی بھائی و تایا کے اس کے ماموں نے بغرض حصول زر کے کردیا ہے بغیر موجودگی اقرب ولی کے، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اب لڑکی مذکورہ اپنے حقیقی بڑے بھائی کے پاس ہے جس کو عرصہ تقریباً ایک

سال کا ہو گیا ہے۔

(۳) یہ لڑکی اب تک نابالغہ ہے۔

(۴) نکاح سے مطلع ہو کر ولی حقیقی بھائی اور تایا سخت ناراض ہوئے اور کہا کہ یہ نکاح ہمیں منظور نہیں اور لڑکی واپس کرنے کی کوشش میں مصروف ہوئے،

علمائے دین اس نکاح میں بروئے شریعتِ محمدی فتوے دیں۔

طالب مسئلہ ہذا: بندہ خاکی ولد میاں بلھا ساکن تلانوالہ سرا جدین بقلم خود

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

ولی اقرب کے ہوتے ہوئے بلا غیبتِ منقطعہ ولی ابعد کا نکاح موقوف براجازت ولی اقرب ہوتا ہے، فتاوے عالمگیری ج ۲ ص ۱۰ میں ہے وان زوج الصغیر او الصغیرة ابعد الاولیاء فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ اور جب وہ ناراض ہیں اور منظور نہیں کرتے اور لڑکی واپس کرنے میں کوشاں رہے تو وہ نکاح اٹھ گیا اور لڑکی کا نکاح ولی اقرب اپنی تجویز سے بلا شبہ کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے بھائی کی لڑکی صغیرہ عدم موجودگی باپ کے جو کہ ایک شہر میں قیام رکھتے ہیں اور بلا اجازت باپ حقیقی کے اور بلا رضامندی کے لڑکی شیر خوردہ تھی جو کہ جھولی مادر میں تھی، چچا نے اپنے آپ کو وارث قرار دیکر جانبین نابالغین کی طرف سے اجازت دے کر نکاح کر دیا، باپ خبر سن کر ناراض ہوا جو کہ آج تک ناراض ہے اور لڑکی جب بالغہ ہوئی تو خبرِ نکاح سنکر انکار کر دیا۔ اب لڑکی جوان ہے، سابقہ کو تسلیم نہیں، کیا بغیر اجازتِ والدِ حقیقی کے نکاح نافذ ہو سکتا ہے یا کہ نہ؟ اب لڑکی جوان ہے، اجازتِ نکاح حاصل کرنا چاہتی ہے کہ میں دوسری جگہ والدین کی رضامندی سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، اجازت دی جاوے جواب باصواب عطا فرمایا جاوے، بینوا توجروا۔

(نوٹ) کوئی حقِ مہر مقرر نہیں ہوا۔

سید کریم حیدر شاہ بخاری قادری غفرلہ

سوال میں کافی اجمال ہے لہذا وضاحت کریں کہ:۔

۱۔ یہ صغیرہ جو والدہ کی گود میں تھی کہاں تھی؟ کیا اسی مکان میں تھی جس میں اس کے والد بھی رہتے تھے؟

۲۔ صغیرہ کا والد صغیرہ سے کتنی مسافت پر تھا؟

۳۔ چچا نے صغیرہ کی جائے رہائش کے گاؤں یا شہر میں نکاح کرایا یا کسی اور آبادی میں؟

۴۔ چچا کو والد کے متعلق علم تھا کہ کس گاؤں یا شہر میں ہے؟

۵۔ کیا چچا فوری طور پر والد کو منگا سکتا تھا یا اس سے اجازت لے سکتا تھا یا

نہیں؟ مفصل جواب آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ جواب باصواب دیا جائیگا۔

(نوٹ) سائل و مستفتی صاحب اپنے دستخط مع تاریخ کریں۔

الفقیر ابو الخیر النعیمی غفرلہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال

الجواب

۱۔ لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ لڑکی میرے پاس تھی، چک نمبر سے ملنے کے لئے آئی تھی میں مربعہ میں تھا۔

۲۔ جس وقت نکاح پڑھا گیا تھا لڑکی کا والد پانچ مربعہ کے فاصل پر تھا، چک نمبر میں تھا۔

۳۔ چچا غفور شاہ رہتا تھا اور نکاح غفور شاہ میں پڑھا گیا تھا، چک نمبر اور غفور شاہ کو پانچ مربعہ کا فاصلہ۔

۴۔ چچا کو معلوم تھا کہ میرا بھائی چک نمبر میں ہے جو کہ پانچ مربعہ کا فاصلہ تھا۔

۵۔ چچا فوری طور منگوا سکتا تھا، اگر والد کو طلب کرتا تو فوری آجاتا لیکن نہیں منگوایا گیا اور اجازت لے سکتا تھا مگر اس نے بلوایا نہیں اور اجازت نہیں لی۔

پانچ سوالوں کا تحریری ملاحظہ فرمایا جاوے۔

سید کریم حیدر شاہ غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

یہ نکاح محض نکاحِ موقوف تھا جو باپ کی اجازت سے ہو سکتا تھا اور جب باپ نے اجازت نہیں دی بلکہ ایسی ناراضگی کی جواب تک جاری ہے اور اسکا نکاح کی صریح واضح دلیل ہے تو وہ نکاح موقوف مردود ہوگیا اور باپ اگر ناراضگی نہ کرتا اور اجازت بھی

دیتا تو پھر بھی یہ نکاح لڑکی کے جوان ہوتے ہی خبر نکاح سنکر انکار کر دینے سے مردود ہو جاتا

تو ایسا نکاح جو بالکل مردود ہو گیا، نافذ کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا لڑکی آزاد ہے حسبِ دستورِ

شرعِ اطہر جس دوسرے شخص سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، جاہلوں نے شرع کو کھلونا بنالیا

ہے مسئلہ غیبوبت ولی میں غیبوبتِ لغویہ مراد لے کر دھوکا دیتے ہیں حالانکہ اس غیبوبت

سے مراد غیبوبتِ منقطعہ ہے جو مسئلۂ زیرِ بحث میں کسی معنیٰ پر بھی نہیں پائی جاتی۔ بدائع صنائع

ج ۲ ص ۲۵۰ میں ہے انما یتقدم الاقرب علی الابعد اذا کان الاقرب

حاضرا او غائبا غیبۃ غیر منقطعۃ فاما اذا کان غائبا غیبۃ منقطعۃ

فللابعد ان یزوج فی قول اصحابنا الثلاثۃ۔ فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۰۱ میں ہے

ان کان الاقرب غائبا غیبۃ منقطعۃ جاز نکاح الابعد کذا فی

المحیط نیز اسی میں ہے ثم قدر الغیبۃ بمسافۃ القصر وھو اختیار

اکثر المتأخرین وعلیہ الفتویٰ وقال شمس الائمۃ السرخسی

(الی ان قالوا) حتی لو کان مختفیا فی البلدۃ لا یوقف علیہ یکون

غیبۃ منقطعۃ کذا فی شرح مجمع البحرین۔ قرآنِ کریم میں ہے ولا

تمسکوھن ضرارا لتعتدوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و محبوبنا

الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۹ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ

۲۲/۱۰/۶۹

الاستفتاء

بخدمت جناب محترم المقام ذو العزۃ والاحتشام قبلہ الحاج مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ : مزاج شریف ! سلام مسنون ومنون خیریت وعافیتِ طرفین کے بعد مؤدبانہ التماس ہے آپ حضور سے ایک فتوے حاصل کرنے کو یہ عریضہ پیشِ خدمت ہے امید ہے کہ آپ مہربانی فرمائیں گے :

ایک نابالغ لڑکی جو اپنے چچا کے ہاں رہی اور اس نے ہی پرورش کی ابھی نابالغہ تھی کہ چچا نے اپنے گھر میں اس کا نکاح کر دیا۔

(نوٹ) اس لڑکی کا والد زندہ تھا اور اب تک زندہ ہے مگر نکاح کے ٹائم موجود نہ تھا۔ سب کچھ لڑکی کے چچا نے کیا اور یہ جو کچھ ہوا نابالغی میں ہوا، نکاح ویسے ہی پڑھا گیا، فارم وغیرہ پر نہیں کیے گئے، عمر بھی سولہ سال کی نہ تھی کیونکہ قانونِ یوپی میں تو لڑکی کی عمر سولہ سال کی اور لڑکے کی عمر اٹھارہ سال کی ہو اور گواہ بھی چار ہوں، تمام وارث وغیرہ موجود ہوں، تب نکاح ہوتا ہے، اس لڑکی کے نکاح کے ٹائم نہ تو والد تھا اور نہ ہی فارم وغیرہ پر نکاح رجسٹرڈ کیا گیا اور نہ ہی چار گواہ جمع ہوئے اور عمر بھی بہت چھوٹی تھی، آیا یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

اس کے متعلق پوری تفصیل کے ساتھ تحریر فرمائیں کیونکہ فریقین کے اندر بڑی کشمکش ہو رہی ہے۔ لڑکی والے کہتے ہیں نکاح نہیں ہوا اور لڑکے والے

کہتے ہیں نکاح ہو گیا، آپ حضور جو فیصلہ اور فتوے عطا فرمائیں گے اس پر عمل ہوگا۔

فقط والسلام مع الکرام

ابوالطاہر محمد عبد الستار چک ۹۷/۶-آر، ساہیوال، ۳۱ بر ۲/۷ وزیر پیر،
محمد مہنگا چک ۹۷/۶-آر،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ:

اگر لڑکی بالغ تھی یعنی اسے حیض آگیا تھا اگرچہ سولہ سال سے کم تھی اور اس نے نکاح کی اجازت دی یا نکاح ہونے کے بعد اس کو جائز رکھا تو یہ نکاح صحیح ہوا اور یونہی اگر لڑکی کو حیض نہیں آیا تھا، شرعاً نابالغہ تھی اور لڑکی کے باپ نے لڑکی کے چچا کو اجازت دے دی تو وہ نکاح درست ہوا اگرچہ باپ مجلسِ نکاح میں حاضر نہیں تھا اور اگر پہلے اجازت نہیں دی مگر نکاح کی اطلاع ملنے پر رد نہیں کیا بلکہ اجازت دے دی تو پھر بھی نکاح ہو گیا اور اگر باپ نے پہلے بھی اجازت نہ دی اور بعد میں بھی نہ دی اور رد بھی نہیں کیا اور لڑکی شرعاً نابالغہ تھی اور بالغ ہونے کے بعد رد نہ کیا بلکہ اجازت دے دی تو پھر بھی نکاح درست ہو گیا۔ یہ پانچ صورتیں ہیں ان میں سے جو صورت بھی پائی گئی نکاح درست ہو گیا اور اگر ان میں سے ایک صورت بھی نہ پائی گئی بلکہ لڑکی نے اپنے بلوغت کے وقت رد کر دیا یا نابالغی کے وقت اس کے باپ نے رد کر دیا تو وہ نکاح نہ رہا کیونکہ ایسا نکاح نکاحِ موقوف ہے جو صاحبِ حق کی اجازت سے جائز ہو جاتا ہے اور رد سے مردود ہو جاتا ہے اور اجازت جس طرح زبان کیساتھ ہوتی ہے یونہی ایسے کام سے

بھی ہو جاتی ہے کما فی الفتاویٰ الھندیۃ وغیرھا۔ رہا ایوبی قانون تو یہ عیوب ایوب کی ایک بھیانک کڑی ہے اس کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۶ رجب المرجب ۱۳۹۲ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ نابالغ لڑکی کا نابالغ لڑکے سے باذنِ والدین نکاح ہوا، لڑکی سنِ بلوغت پر پہنچکر عقدِ ثانی کی بغیر طلاق کے مختار ہو سکتی ہے؟

۲۔ نابالغ لڑکا اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے؟ نیز بالغ لڑکے کی طلاق معتبر ہو سکتی ہے؟

۳۔ نابالغ لڑکے نے نابالغ لڑکی کو طلاق دے دی، سنِ بلوغت سے پہلے لڑکی کا دوبارہ نکاح ہو گیا، لڑکی کا مقام بلوغت پر پہنچنے کا کیا حکم ہے؟

۴۔ تین سال کی لڑکی کا ان الفاظ سے نکاح درست ہو سکتا ہے کہ قاضی اس کو یہ کہے کہ فلاں بن فلاں کو بروئے ان دو گواہ اپنے نکاح میں قبول کرے اور وہ اتنے الفاظ کہہ کہ ہنس دے کہ میری ماں کو معلوم ہے، ہاں یہ سب کچھ باذنِ والدین ہے۔

سائل

حافظ محمد ایوب بمقام چک ۵ رنیاں ارائیاں

ڈاکخانہ خواص براستہ ملھ بلوچاں تحصیل و ضلع شیخوپورہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

۱۔ والد کا کیا ہوا نکاح لازم ہو جاتا ہے لہٰذا لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار نہیں۔

۲۔ نابالغ شرعاً طلاق نہیں دے سکتا اور اگر لفظِ طلاق کہہ دے تو اس کا اعتبار نہیں۔

۳۔ یہ طلاق نہیں ہوئی لہٰذا لڑکی کا کسی اور سے دوبارہ نکاح غیر معتبر ہے اور وہ حسبِ سابق اسی پہلے لڑکے کی منکوحہ ہے۔

۴۔ لڑکی تین سالہ کے الفاظ کا کوئی لحاظ نہیں، باپ وغیرہ ولی کی اجازت و الفاظ کا اعتبار ہے کما بین کل ذٰلک فی محلہ من اسفار المذھب المھذب الحنفی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۲ ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ ۲۵/۴/۷۵

فتاویٰ نوریہ جلد دوم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ عورت کی وہ لڑکی جو سابقہ متوفی خاوند سے ہے لئے خاوند کے بھائی کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس لڑکی

کا ولی چچا زندہ ہے مگر نکاح کی اجازت نہیں دیتا اور لڑکی نابالغ ہے تو نکاح کی اجازت کون دے؟ بینوا توجروا۔

سائل: غلام حسین از کوٹ لالیانوالہ مؤرخہ ۲۲ صفر المظفر ۸۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر کوئی اور مانع نہیں تو جائز ہے، قرآنِ کریم میں ہے و احل لکم ما وراء ذلکم اور چچا اگر عاقل بالغ مسلمان دیندار ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نابالغہ کا نکاح مشکل ہے کما فی اسفار المذھب المھذب ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ واصحابہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۲۲ صفر المظفر ۸۰ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ زید کی بیوی ناراض ہو کر میکے چلی گئی جو صرف سات میل کے فاصلہ پر تھے اور چھ سالہ لڑکی بھی ساتھ لے گئی پھر بلا اجازت و رضائے زید، زید کی اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جا کر کر دیا تو کیا

ماں کا یہ کیا ہوا نکاح جائز ہو سکتا ہے؟ حالانکہ زید باپ عاقل نے جب اطلاع ملی
توفوراً انکار کر دیا اور ناجائز کر دیا۔ بینوا توجروا

سائل: محمد رمضان سکنہ پاکپتن شریف خاص ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

باپ کے زندہ اور موجود ہونے کی صورت میں ماں ہرگز ہرگز ولی نہیں ہو سکتی تو اس کا کیا ہوا نکاح موقوف تھا جو باپ کے انکار ورد سے رد ہو گیا، فتاوے عالمگیر میں ہے فان کان الاقرب حاضرا (ای غیر غائب غیبۃ منقطعۃ) وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۶-۱-۵۸

الاستفتاء

ہم علفیہ بیان کرتے ہیں کہ مساۃ حسیناں دختر نور محمد نابالغہ یتیم کا نکاح باجازت والدہ ہوا تھا حالانکہ متوفی نور محمد والد حسیناں کے تایا زاد بھائی رجب اور علادل جو ولی شرعی

ہیں موجود تھے اور وہ راضی نہ تھے اور صاف صاف کہتے تھے کہ ہمیں یہ نکاح منظور نہیں، پھر جب لڑکی جوان ہوئی تو رجب اور علاول مذکورین کی اجازت سے لڑکی مذکورہ نے اکبر ولد سکندر اپنے ہم کفو سے نکاح کرلیا تو کیا یہ نکاح درست ہے؟

گواہ شد　　　　گواہ شد

نشان انگوٹھا بشیر احمد بازید بکاوٹو ، نشان انگوٹھا سکندر ولد حیات حصہ دار صابو کے مہار

نشان انگوٹھا ولی محمد حصہ دار صابو کے مہار ، نشان انگوٹھا رجب علی قوم مہار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ واقعی اور صحیح ہے تو پہلا نکاح صحیح نہیں اور رجب وعلاول کے رد کرنے سے باطل ہوگیا تو دوسرا نکاح صحیح ہوگا کما فی عامۃ اسفار المذہب المہذب متوناً وشروحاً وفتاویٰ وحواشی اور اگر پہلے نکاح کے وقت لڑکی بالغہ تھی اور نکاح بھی ایسے لڑکے سے ہوا جو ہم کفو تھا اور حق مہر بھی حسبِ دستور مقرر ہوا تو پہلا نکاح درست ہے اور دوسرا ناجائز۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵ رجب المرجب ۷۵ھ

(نوٹ) یہ فتوےٰ ہے فیصلہ نہیں، فیصلہ کے لئے فریقین کے بیانات مشاہدین وغیرہ

باقاعدہ حاضری سے منزوری ہیں۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں صورت کہ ایک نابالغہ لڑکی جس کا باپ عرصہ سے فوت ہوچکا ہے جو صرف اس ایک لڑکی کا ہی باپ تھا اور اس کا باپ (جو لڑکی کا دادا ہے) پہلے ہی فوت ہوچکا تھا اور اس کا حقیقی بھائی (جو لڑکی کا حقیقی چچا ہے) جو صرف ایک ہی تھا، وہ بھی پہلے لاولد فوت ہوچکا البتہ اس کے تین سوتیلے بھائی جو اس کے باپ کے لڑکے ہیں (لڑکی کے سوتیلے چچے) اور عاقل بالغ ہیں، زندہ ہیں، اندریں حالات لڑکی کی والدہ نے اس کے چچاؤں کی اجازت ورضا کے بغیر اس نابالغہ لڑکی کا نکاح کردیا ہے، آیا یہ نکاح نافذ ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

سائل: مسمیٰ سلطان دایہ ازرتا کھنا نشان انگوٹھا سائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو وہ نکاح نافذ نہیں کہ اس صورت میں ماں ولی نہیں بلکہ چچاؤں کی اجازت پر موقوف ہوا جو کسی ایک چچا کی منظوری سے نافذ وصحیح ہوسکتا ہے اور ان کے انکار ورد سے مردود و باطل ہوجائے گا، فتاوے

ہندیہ مجیدیہ ج ۲ ص ۱۰ میں ہے فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ نیز اسی میں ہے واذا اجتمع للصغیر والصغیرۃ ولیان مستویان کالاخوین والعمین فایھما زوج جاز عندنا کذا فی فتاوی قاضی خان سواء اجاز الآخر او فسخ ونحوہ فی عامۃ اسفار المذھب متونا وشروحا وفتاوی وحواشی ولیحرر ما اذا انکر واحد مع سکوت الآخر۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۳۰ جمادی الآخری ۷۶ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و ہادیان راہ متین اس صورت میں کہ ایک عورت مفرور ہوکر چلی گئی اور اپنی لڑکی ۳، ۴ سالہ کو ہمراہ لے گئی اور ادھر ہی بلا اجازت و رضا والد لڑکی کا نکاح ایک شخص کے ساتھ کر دیا جس کی عمر چالیس سال تھی، بعدازاں لڑکی کا حقیقی بھائی جو کہ عاقل بالغ تھا، لڑکی کو اپنے گھر واپس لایا، پھر لڑکی کا باپ جو کہ عاقل تھا اور اس نے اجازت نہیں دی تھی، فوت ہوگیا۔ اب حقیقی بھائی چاہتا ہے کہ لڑکی کا نکاح جائز ہو یا نہ؟

کسی اور سے کر دیوے تو اس کے لئے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

سائل: سجاد خاں ولد سردار خاں قوم بھٹی ساکن سومیاں جودھ سنگھ تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

گواہ شد (دستخط) نشان انگوٹھا ۵۸/۱

فیروز الدین ولد صدر دین قوم کمہار ساکن منڈی بصیر پور تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

گواہ شد (دستخط) غلام محمد ولد صدر دین قوم کمہار ساکن منڈی بصیر پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو لڑکی مذکورہ کا ماں کا کیا ہوا نکاح، نکاح فضولی ہے کہ باپ عاقل موجود تھا اور وہی ولی تھا لہٰذا اس کے حقیقی بھائی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اگر والد نے اجازت نہیں دی تھی تو والد فوت ہونے کے بعد نابالغہ بہن کا حسب دستورِ شرع شریف نکاح کر دے کما فی عامۃ اسفار المذھب المھذب

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ

وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اندریں صورت کہ ایک بیوہ عورت

جس نے اپنی نابالغہ دختر کا نکاح اس کے چچا یا کسی اور ولی عاقل بالغ کی اجازت کے بغیر خود بخود کر دیا ہے اور لڑکی لبعد از بلوغ انکار بھی کرتی رہی ہے، آیا وہ نکاح صحیح و درست ہے؟ بینوا توجروا۔

(نوٹ، چچا عاقل بالغ موجود تھا جس نے اس نکاح کو پسند نہیں کیا بلکہ صاف صاف انکار کیا اور چچا سب سے قریب ولی تھا۔

المستفتی: سید محمد قوم موچی سکنہ چشتی قطب الدین تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال صحیح اور واقعی ہے تو وہ نکاح نافذ و صحیح نہیں اور چچا کے رد سے مردود ہو گیا وذا ظاہر باتفاق الائمۃ کما فی اسفار المذہب المہذب، واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ و آلہ و صحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۱۵-۱-۵۸

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین بیچ اس مسئلہ کے،

۱۔ مسماۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نابالغہ دختر حاجی ولی محمد مرحوم قوم ارائیں سکنہ جموں وچھل تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری کا نکاح مسمیٰ نور احمد ولد میاں لشکر علی مہاجر قوم ارائیں سکنہ نارد کے تھانہ پتوکی کے ساتھ ان کے ورثاء میاں کمال دین ولد میاں محمد بخش کی بغیر رضامندی کے اس کی والدہ نے کیا۔

۲۔ حاجی ولی محمد مرحوم نے اپنی لڑکی مسماۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم کی نابالغہ اپنی حینِ حیات میں روبرو میاں قطب الدین، میاں محمد حنیف صاحبزادہ نکی ملنیکے ومیاں علی محمد مرحوم تایا حقیقی مسماۃ مذکورہ کی مسمیٰ غلام نبی ولد میاں قمر الدین مرحوم سکنہ رتیاں ٹبیاں کے ساتھ منگنی کی الٰہی نیت خیر کر دی۔

۳۔ مسماۃ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم مذکورہ نابالغہ نکاح ہونے کے وقت حد سے زیادہ روئی اور پیٹی اور انکار کر رہی تھی مگر ماں کے ظلم وتشدد سے بے بس تھی مگر اب بھی یہی کہتی ہے کہ جس سے میرے والد مرحوم نے رشتہ کر دیا تھا، اس سے شادی کروں گی دوسرا مجھے منظور نہیں، اگر علمائے کرام نے اس نکاح کو فسخ قرار نہ پایا تو میں بالغہ ہونے پر خود عدالت میں پیش ہو کر نکاح کو فسخ کراں گی۔

۴۔ مسمیٰ نور احمد ولد لشکر علی ارائیں مہاجر کو مسماۃ کرم الٰہی والدہ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نے اس شرط پر گھر بٹھایا تھا کہ میں تجھے مسماۃ بشیر بیگم جس کی عمر ۱۶ سال کی تھی، نکاح دوں گی لیکن بشیر بیگم نے اس سے نکاح کرنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ یہ کہا کہ میں بالغہ ہوں، میں اپنی رضامندی سے مسمیٰ غلام حیدر کے ساتھ نکاح کروں گی لہذا مسماۃ بشیر بیگم کا نکاح مسمیٰ غلام حیدر سے ہو گیا۔

۵۔ اس کے بعد مسمیٰ نور احمد ولد لشکر علی کو یہ کہا گیا کہ تم بشیر بیگم کی بجائے امیر بیگم عرف حفیظ بیگم کے ساتھ کر و جس پر نور احمد نے صاف انکار کر دیا، والدہ امیر بیگم عرف حفیظ بیگم نابالغہ نے یہ کہا کہ اگر تم امیر بیگم نابالغہ سے نکاح نہیں کرو گے تو میں بشیر بیگم کا نکاح

غلام حیدر کو نہیں دوں گی چنانچہ غلام حیدر نے مسمّٰی نور احمد کو حد سے زیادہ منت سماجت کر کے نابالغہ مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ کر لیا، نور احمد مذکور نے یہ کہا کہ میں وقت گزارنے کی خاطر نکاح کر لیتا ہوں۔

محمد بخش تایا نا دبھائی نابالغہ امیر بیگم (دستخط)

میاں کمال الدین تایا نابالغہ امیر بیگم عرف حنیظ بیگم (نشان انگوٹھا)

غلام حیدر (دستخط)

تابعدار عبدالرحمٰن تحریر کنندہ

سائل نے زبانی بیان کیا کہ میاں کمال دین صاحب ہوش وحواس حاجی ولی محمد مرحوم کے حقیقی تایا نواب کا لڑکا ہے اور یہی سب سے زیادہ قریب عصبہ بوقت نکاح امیر بیگم کے موجود گاؤں میں تھا اور سخت ناراض اور مخالف اس کے نکاح کے اس وقت بھی تھا اور بعد میں بھی اب تک ناراض ہے اور ہرگز پسند نہیں کرتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

صورتِ مندرجہ بالا میں مسماۃ کرم الٰہی والدہ حنیظ بیگم نابالغہ کو اس نکاح کر دینے کا قطعاً کوئی حق نہیں تھا کہ عصبہ بنفسہٖ کے ہوتے ہوئے ماں ولی نہیں بن سکتی چنانچہ کتبِ مذہبِ مہذبِ حنفیہ صاف صاف تصریح فرما رہی ہیں، تنویر الابصار میں ہے فان لم یکن عصبة فالولایة للام تو یہاں کمال دین عاقل بالغ عصبہ کی ناراضگی اور مخالفت کی صورت میں یہ نکاح شرعاً نکاح نہیں ہوا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و

اصحابہ وبارك وسلم۔

ابوالخیر غفرلہ

۱۸ شعبان المعظم ۷۳ھ ۲۲/۴/۵۴

الاستفتاء

مکرمی معظمی حضرت قبلہ جناب استاذی مولانا صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم : مزاج مقدس ! معروض آنکہ مندرجہ ذیل مسئلہ میں فتویٰ تحریر کریں،

صورتِ مسئلہ یہ ہے :

مساۃ نعاموں بعمر دس سال جس کا کہ والد اور دادا فوت ہو چکے تھے، اس کے تایا چچا تھے ہی نہیں یعنی سب مر چکے تھے، صرف ایک بھائی بعمر تین چار سال موجود تھا، مساۃ مذکورہ کی والدہ نے نکاحِ ثانی کر لیا۔ اب مساۃ نعاموں مذکورہ کا نکاح اس کے سوتیلے والد نے کرنا چاہا جس پر مذکورہ کی والدہ نے نکاح پر عدم رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے قاضی و گواہاں کو گالی گلوچ بھی نکالی مگر اس کے سوتیلے والد نے باوجود عدم رضامندی والدہ نکاح کر دیا۔ اب مذکورہ بالا صورتِ مسئلہ میں فتوےٰ تحریر فرماویں کہ یہ نکاح شرعًا درست ہے کہ نہیں ؟ والسلام

دعاگو ، محمد سعید انہ مانو والہ بقلم خود ۲۵ $\frac{1}{62}$

(نوٹ، سائل زبانی بیان کرتا ہے کہ سوتیلا والد لڑکی کا جدی نہیں تھا اور لڑکی

اس وقت نابالغہ تھی اور اب تک اپنے خاوند کے پاس نہیں گئی اور کبھی اکیلے بھی نہیں ہوئے۔

نشان انگوٹھا سائل مسمّٰی جان محمد ۲۰/۱۰/۶۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الجواب
اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر واقعی یہی صورت ہے تو وہ سوتیلے کا کیا ہوا نکاح شرعاً نکاح نہیں کہ اس لڑکی کی والدہ ہی اس کی ولی تھی اور جب وہ انکار کرتی رہی تو نکاح کیسے ہوا، فتاوی عالمگیریہ ج ۲ ص ۹ میں ہے وعند عدم العصبۃ کل قریب یرث الصغیر والصغیرۃ من ذوی الارحام یملک تزویجھما فی ظاھر الروایۃ عن ابی حنیفۃ وبغیرہ دالاہ قرب عند ابی حنیفۃ الام، تو واضح ہوا کہ یہ نکاح درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ و آلہ وصحبہ و بارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۵/۱۰/۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مفتیانِ عظام اندریں مسئلہ کہ عرض ہے کہ ایک لڑکی مسماۃ سیدی جس کا والد زندہ ہے اس کی عدم موجودگی میں آج سے تقریباً گیارہ بارہ سال پہلے

جبکہ بچی نابالغہ تھی" اس بچی کی والدہ جس نے دوسری جگہ نکاح ثانی کیا ہوا ہے، اس نے اپنے پہلے خاوند کی اجازت کے بغیر دوسری جگہ نکاح کر دیا۔ جب لڑکی نے ہوش سنبھالی اس وقت سے لڑکی اپنا نکاح برقرار نہیں رکھنا چاہتی۔ اب لڑکی بالغ ہے جس کی عمر تقریباً پندرہ سال ہے۔ بچی ابھی نانی کے پاس رہتی ہے اور دوسری جگہ نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے آیا وہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

۱- لڑکی کی والدہ تقسیم پاکستان کے وقت ہندوستان میں سکھوں کے قبضہ میں رہ گئی تھی جب پاکستانی فوج اسے واپس پاکستان لائی تو اسے پہلے خاوند نے اس وجوہ کے تحت طلاق دے دی کیونکہ وہ عرصہ تین سال سکھوں کے قبضہ میں رہ چکی تھی۔

۲- اس وقت جبکہ مسماۃ مذکورہ ہندوستان سے واپس آئی، اس کا نکاح ثانی کئے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تھا، چونکہ وہ تین بچوں کو ساتھ لے کر آئی تھی، بچوں کی پرورش کا زیادہ تر انتظام موجودہ خاوند نے کیا۔

مندرجہ بالا سوالات کے تحت فتوے فرما کر اور شریعت کی رو سے روشناس فرمائیں، بینوا توجروا۔

(نوٹ) اس لڑکی کا باپ تین چار میل پر تھا اور آج تک اجازت نہیں دی۔

السائل: محمد شفیع بقلم خود چک ۵۳۷/ E.B

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

شرعاً یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہوا بلکہ باپ کی اجازت پر موقوف تھا اور پھر باپ کے

سکوت کی صورت میں لڑکی کی اجازت پر لڑکی کے جوان ہونے کے بعد موقوف تھا اور جب لڑکی نے رد کر دیا تو بشرط حکم قاضی اسلام رد ہو سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے
فان کان الاقرب حاضرا وھو من اھل الولایۃ توقف نکاح الابعد علی اجازتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نوراللہ النعیمی غفرلہٗ

۸/۷/۶۲

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنے لڑکے (۱۸ یا ۱۹ سالہ) اور خاوند متوفی کے بھائیوں کی غیر حاضری میں حالانکہ ان تمام کا مقام معلوم تھا، ان سے اجازت مشورہ ہو سکتا تھا مگر بلا اجازت) اپنی ایک لڑکی نابالغہ (۸ یا نو سالہ) کا کسی شخص غیر رشتہ دار سے (خفیۃً) نکاح کر دیا (اور جب انہیں نکاح کا علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے اور اس نکاح کو پسند نہ کیا اور لڑکے نے اپنی والدہ بیوہ مذکورہ کو زد و کوب بھی کیا) پھر وہ شخص کچھ دن (۵ یوم) اس کے پاس (قبل علم ورثا) رہ کر (مدت پانچ سال سے چلا گیا اور لڑکی کے ساتھ اسکی کوئی بات نہیں ہوتی) اب وہ لڑکی جس کا نکاح والدہ نے کر دیا تھا بالغ ہو گئی ہے اسکی ماں مذکورہ کا اور بھائی ہے، لڑکی مذکورہ کا ارادہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح کر دیویں

سابقہ نکاح کو معدوم سمجھتے ہیں؛ آیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الملتمس : فقیر عبدالرحمٰن بقلم خود از حویلی

نشان انگوٹھا سائلہ مسمات فجاں بیوہ مذکورہ۔

۲۲/۲/۴۹

(گواہ شد) ہاشم علی ولد رحم دین بصیر پور (گواہ شد) محمد طفیل ولد شیر محمد حصار بصیر پور (دستخط)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر صورتِ سوال مع الترمیم واقعی اور صحیح ہے تو وہ نکاح موقوف تھا، لڑکے کی اجازت پر جو اس کی نہ پسندیدگی سے مرتفع ہوا، در المختار وغیرہا اسفارِ مذہبِ مہذب میں ہے الولی فی النکاح العصبۃ (الی ان قال) فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام اور اسی میں ہے فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ۔ اور جب مرتفع ہوا تو اب نکاح کر سکتے ہیں، حضرت رب العالمین جل جلالہ وعم نوالہ کا ارشاد ہے وانکحوا الایامی منکم۔ واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اندریں مسئلہ کہ مسماۃ جنت دختر ابراہیم

جب دو سال کی تھی تو اس کے والدین نے خدا واسطے اپنی خوشی سے مجھے دے دی اور خود بالکل بے تعلق ہو گئے، بعد ازاں ابراہیم فوت ہو گیا، جنت کی ماں فاطمہ نے نیا عقد کر لیا اور جنت مذکورہ میرے پاس پرورش پاتی رہی، والدہ کے ملنے کے واسطے گئی اور انہوں نے مجبوراً اپنے پاس رکھ لی اور ایک مولوی صاحب نے میرے حق فیصلہ کر دیا جس کی نقل میرے پاس مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور اپنی برادری میں کسی لڑکے کے ساتھ عقد کر لیا اور لڑکے والوں سے رشتہ بطور بٹہ لینا کر لیا محض اپنی پیٹ پرستی کی اس عقد کی اجازت کسی ولی سے نہیں لی گئی اور نہ ہی لڑکی کی والدہ سے اجازت لی گئی، لڑکی کی والدہ حال پکار کرتی رہی مگر کسی نے نہ سنی پھر کسی ہمارے حیلہ بہانہ سے لڑکی میرے پاس آگئی اور کافی عرصہ کے بعد اب بالغ ہوئی ہے بلوغت کی نشانی دیکھتے ہی اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ نکاح مجھے پسند نہیں اور میں نہیں رکھتی اور گواہ بھی بنا لیے، اس میں حق حق بیان کریں، کیا وہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟

(نوٹ) لڑکی کے ولی ہم ہیں اس کے باپ کا قریبی رشتہ بالکل نہیں ہے۔

سائل: مسمی لہنا نانا حقیقی لڑکی کا قوم بھٹی سکنہ اروڑہ جاگیر

(نشان انگوٹھا سائل لہنا) ۱۰ ر شوال المکرم ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

اگر سوال مندرجہ بالا صحیح اور واقعی ہے تو یہ نکاح جائز نہیں، مبسوط ج ۴ ص ۲۲۲ میں ہے ولا یجوز لغیر الولی تزویج الصغیر والصغیرۃ لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم

لانکاح الا بولی، ثم اقول الولی فی هٰذه الصورة الامّ ولما انکرت وقت العقد اشد الانکار فلا ینعقد فضولیا ایضا ولو فرض سکوتها وقت العقد فقد بطل بانکارها بعد العقد فانها قائمة علی الانکار بالاصرار، بہرحال بشرطِ صحتِ سوال وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں بلکہ بڑا سخت ظلم کیا گیا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ واٰلہ وصحبہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

۸ رذی الحجۃ المبارکہ ۱۳۷۳ھ

۸/۸/۵۴

الاستفتاء

اس میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ عظام، ایک شخص فوت ہوگیا، اس کی بیوی اپنی بچیاں کے نکاح کے ماموں حقدار ہوں گے یا چاچے یا اس کی بیوی کا باپ یا سرال، کون دونوں میں ہے، اس کی بچیاں کے نکاح کے کون زیادہ ذمے دار ہے، آپ تفسیر طور بحوالہ جات کتب معتبر سے درج فرمائیں۔

فقیر چراغ الدین از چک ۴۲۶ ج ب، ڈاکخانہ ۴۲۴ ج ب تحصیل ٹوبہ ضلع لائلپور ۲۸/۶/۷۷

؎ لانها بعد العصبات مقدمة علی اب الام کما صرح به سادا تنا الحنفیة ۱۲

منہ غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

نابالغ بچیوں کا ولی عصبہ ہے جو چچے ہیں اور اگر بالغہ ہیں تو خود مختار، کما فی جمیع اسفار المذھب الحنفی المھذب متونا وشروحا وفتاوی۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الاعظم وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲ رجب المرجب ۱۳۹۷ھ، ۲۸/۶/۷۷

باب خیار البلوغ

بابُ خیارُ البلوغ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ہوش و حواس کی صحت میں اپنی لڑکی نابالغہ کا نکاح دوسرے شخص کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیا۔ اس نکاح کو عرصہ چار سال کا ہو گیا ہے۔ اب لڑکی چند ماہ سے بالغہ ہے اور لڑکا ابھی تک نابالغ ہے۔ اب لڑکی کا باپ کہتا ہے کہ میری لڑکی کو اپنے نابالغ لڑکے سے طلاق دلوا دو ورنہ میں خیارِ بلوغ فی النکاح کی وجہ سے نکاح فسخ کرا لوں گا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا اس لڑکی کو خیارِ بلوغ بھی ہے یا نہیں؟

۲۔ نابالغ لڑکا اپنی منکوحہ کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

۳۔ خیارِ بلوغ کب تک ہے؟ بینوا توجروا۔

السائل: محمد یعقوب از چک ۵ وَن آل تحصیل اوکاڑہ بقلم خود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

جب باپ نے نکاح کر دیا تو خیار بلوغ قطعاً نہیں، فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۱۰ فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما۔

۲۔ نابالغ طلاق نہیں دے سکتا اگرچہ عاقل ہو عالمگیری جلد ۲ ص ۴۸ لا یقع طلاق الصبی وان کان یعقل۔

۳۔ کنواری لڑکی جو غیر مبنی بہا ہو اس کو جس صورت میں اختیار ملتا ہے وہ فوری ہوتا ہے یعنی بالغ ہوتے ہی انکار کرے حتیٰ کہ اگر چپ رہی تو اختیار باطل ہو جائے گا، ص ۱۰ حتیٰ لو سکتت کما بلغت وھی بکر بطل الخیار۔ (عالمگیری ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲؍ ربیع الاول شریف ۱۳۷۳ھ

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ این مسئلہ کہ زید

نے اپنی دختر نابالغ پسر نابالغہ کے ساتھ نکاح کیا، اب پسر والے دختر کو پسند نہیں کرتے، بہت زید بجہ کے پاس گیا مگر پسر والوں نے یعنی بجہ نے زید کی کوئی بات نہ مانی بلکہ صاف جواب دیا، زید بجہ کے پاس چند دفعہ گیا، زید تنگ آکر ایک علماء کے پاس گیا، علماء نے صورت بیان کی تو اس طرح کہ جس وقت حیض کا پہلا قطرہ آوے اسی وقت روبرو گواہاں کے دختر یہ بات کہے کہ یہ خاوند مجھ کو مطلق منظور نہیں۔ یہ گواہ ہیں: بہادل ولد مستقیم لوہار، نور محمد ولد حیدر درویش کے، اب لڑکی چھ ماہ کے بعد بالغ ہوگئی اور مذکورہ گواہوں کے روبرو زبان پہ مذکورہ بالا کلمات ادا کر دے۔ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

باپ اور دادے کا باقاعدہ کیا ہوا نکاح صحیح اس طرح فسخ نہیں ہو سکتا، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۰، تنویر الابصار، در المختار، رد المحتار ج ۲ ص ۷، ۱۸۰، ۱۸۱ھ میں ہے والنظم من الھندیۃ فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما بعد بلوغھما تو جب تک لڑکا بالغ ہونے کے بعد طلاق نہ دے تو نکاح فسخ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم نے نکاح خاوند کے قبضہ میں رکھا ہے، فرمایا الذی بیدہ عقدۃ النکاح اور حدیث شریف میں ہے کہ طلاق کا وہ مالک ہے جو جماع کر سکتا ہے انما الطلاق لمن اخذ بالساق رواہ ابن ماجۃ فی سنن عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مرفوعا ص ۱۵۲۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ و اصحابہ وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۲۰؍ ذی الحجۃ المبارکہ ۲۷ھ

الاستفتاء

سائل مظہر کہ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح رضا ور غبت سے اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا جبکہ لڑکی کی عمر دو سال کی تھی، اب لڑکا جوان ہے مگر بیمار ہے، لڑکی بھی جوان ہو گئی ہے مگر وہ اس کے گھر آباد ہونا پسند نہیں کرتی تو کیا کوئی صورت لڑکی کی خلاصی کی ہو سکتی ہے؟

سائل: سید ولد دلاور کلھاڑ گنبلا پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللھم اجعل لی النور والصواب

باپ کا کیا ہوا نابالغہ لڑکی کا نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، فتاویٰ عالمگیر اور دوسرے مستند فتاویٰ اور فقہ حنفی کی تمام معتبر کتابوں میں صاف صاف یہی تحریر ہے، فتاویٰ کے لعنؤ ج ۲ ص ۱۰ ایب یہ میں فان زوجھما الاب والجد فلا خیار لھما

نکاح کا معاملہ بڑا نازک ہے نکاح والی عورت کا نکاح اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ ماں اور بہن کا نکاح حرام ہے، قرآنِ کریم میں محرمات کے بیان میں ہے والمحصنات من النساء، تو اگر جدائی ہی مقصود ہے تو لڑکے سے طلاق حاصل کی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

حررہ الفقیر ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہٗ

الاستفتاء

لقمان ولد محمد الدین قوم کھوکھر نے اپنی نابالغ لڑکی خورشید بیگم نابالغ بھتیجے محمد شعبان ولد میاں چراغ دین قوم کھوکھر سے روبرو گواہاں نکاح شرعی کر دیا، ایسا نکاح از روئے شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم معتبر ہے یا نہیں؟ نکاح شرعی کو ہوئے قریباً دس گیارہ سال ہو گئے ہیں، بعد بلوغ لڑکی مذکورہ کے بغیر طلاق حاصل کئے نکاحِ ثانی بجز شوہر اول سے کسی اور کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ جواب لکھ کر عند اللہ ماجور رہوں۔

محمد شعبان ولد میاں چراغ دین قوم کھوکھر نمائندہ اخبارات بصیر پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

اگر یہ سوال صحیح ہے اور صورتِ واقعیہ یہی ہے تو وہ نکاح لازم ہو چکا،

لڑکی کو بعد از بلوغ بھی یہ اختیار نہیں کہ نکاح فسخ کر سکے، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ۱۰ میں ہے فان زوجهما الاب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما لہٰذا بلا طلاق کسی اور شخص سے اس لڑکی کا نکاح کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، فتاوٰی عالمگیر ج ۲ ص ، میں ہے لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره اور قرآن کریم میں ہے والمحصنت من النساء، ہاں اگر محمد شعبان کا نکاح اس کے والد کی اجازت کے سوا کیا گیا اور اس نے ناپسند رکھا تو یہ نکاح نہ رہا، یا محمد شعبان کا باپ گزر چکا ہو اور چچا کی اجازت سے نکاح ہوا تو بعد از بلوغ محمد شعبان فسخ کر سکتا ہے مگر لڑکی کو حق فسخ نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

عبدہ المذنب ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ

۱۳/۱۱/۶۳

الاستفتاء

واجب الاحترام مفتی صاحب بصیر پور

السلام علیکم ! بعد خدمت اقدس کو عرض ہے کہ حسب ذیل مسئلہ کا فتوٰی از روئے شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مستند ثبوت سے واضح فرما کر شکریہ کا موقع بخشیں، مہربانی ہوگی۔

ایک نابالغ لڑکی دو سال کا نکاحِ شرعی اس کے والدین نے ایک لڑکے سے کر دیا، اب وہ لڑکی بالغ ہو چکی ہے۔ لڑکی نے پہلی ماہواری آنے پر مذکورہ نکاح سے انکار کر دیا کہ میرا اس لڑکے سے کوئی نکاح نہیں ہے لہٰذا اب میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی، کیا لڑکی کے ایسے انکار سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے

فقط السلام علیکم، مورخہ ۱۰/۹/۷۰

محمود ولد نور محمد قوم سوئیں سیال پکا حاجی مجید تحصیل خانیوال ضلع ملتان

ڈاک خانہ میاں چنوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب

اللّٰھم اجعل لی النور والصواب

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ،

یہ نکاح لازم ہے اور لڑکی کا یہ انکار کہ میرا اس لڑکے سے کوئی نکاح نہیں ہے محض جھوٹ اور غلط بیانی ہے کیونکہ والدین نے باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس کی نفی جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہیں، البتہ یہ ایک اور مسئلہ ہے کہ باپ دادا کے غیر کا کیا ہوا نکاح نابالغہ لڑکی ماہواری دیکھتے ہی فسخ کر سکتی ہے یعنی توڑ سکتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ نکاح ہونے کا اقرار کرتے ہوئے رد کرتی ہے، پھر اس کے لئے بھی شرطیں ہیں مگر وہ بھی باپ کے کئے ہوئے نکاح میں غیر معتبر ہیں، فتاویٰ عالمگیر ج ۲ ص ۱۰۱ میں ہے فان زوجھما

الاب والجد فلاخیار لهما بعد بلوغهما لنذا یہ نکاح لازم ودرست ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد
وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

عنہ المفتقر ابو الخیر محمد نور اللہ النعیمی غفرلہ
۹ رجب المرجب ۱۳۹۰ھ
۱۰/۹/۷۰

فہرست آیاتِ کریمہ

فہرست آیات قرآنیہ
فتاویٰ نوریہ جلد دوم

۶	ولا تعاونوا على الاثم و العدوان	المائدہ: ۲	۱۲۳
۷	و البدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها	الحج: ۳۶	۱۲۸
۸	يا ايها النبى اذا جاء ك المؤمنات يبايعنک ......الخ	الممتحنہ: ۱۲	۱۳۹
۹	يا ايها الذين آمنوا اذا جاء كم المؤمنات ......الخ	الممتحنہ: ۱۰	۱۳۹
۱۰	انفقوا من طيبت ما كسبتم و مما اخرجنا لكم من الارض	البقرہ: ۲۶۷	۱۴۴، ۱۵۳
۱۱	و اتوا حقه يوم حصاده	الانعام: ۱۴۱	۱۴۴، ۱۵۳
۱۲	و ما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عند الله هو خيرا و اعظم اجرا	المزمل: ۲۰	۱۳۶
۱۳	يسئلونک عن الاهلة قل هى مواقيت للناس و الحج	البقرہ: ۱۸۹	۱۵۱
۱۴	ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا فى كتاب الله يوم خلق السموت و الارض	التوبہ: ۳۶	۱۵۱، ۲۱۸
۱۵	فمن شهد منكم الشهر	البقرہ: ۱۸۵	۱۷۶
۱۶	و على الذين يطيقونه فدية طعام مسكين	البقرہ: ۱۸۴	۱۷۶
۱۷	فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر	البقرہ: ۱۸۴	۱۹۵، ۲۰۰، ۲۰۲
۱۸	ثم اتموا الصيام الى اليل	البقرہ: ۱۸۷	۲۰۲، ۲۱۸
۱۹	و ان تصوموا خير لكم	البقرہ: ۱۸۴	۲۰۳

آیت	حوالہ	صفحہ
۲۰ فالئن باشروھن و ابتغوا ما کتب اللہ لکم و کلوا و اشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر	البقرہ: ۱۸۷	۲۱۸
۲۱ وتعاونوا علی البر و التقوی	المائدہ: ۲	۵۰۰،۲۸۵،۲۳۳
۲۲ یرید اللہ بکم الیسر و لا یرید بکم العسر	البقرہ: ۱۸۵	۲۳۴
۲۳ ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا	النساء: ۱۰۳	۱۸۲
۲۴ من بعد صلوۃ العشاء	النور: ۵۸	۱۸۳
۲۵ واقم الصلوۃ طرفی النہار و زلفا من الیل	ھود: ۱۱۴	۱۸۴
۲۶ و الذین صبروا ابتغاء وجہ ربھم و اقاموا الصلوۃ	الرعد: ۲۲	۱۸۴
۲۷ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء و المنکر	العنکبوت: ۴۵	۱۸۴
۲۸ و لا تجھر بصلاتک	الاسراء: ۱۱۰	۱۸۴
۲۹ وھم علی صلاتھم یحافظون	الانعام: ۹۲	۱۸۴
۳۰ قل ان صلاتی و نسکی	الانعام: ۱۶۲	۱۸۴
۳۱ حافظوا علی الصلوات و الصلوۃ الوسطی	البقرہ: ۲۳۸	۱۸۴
۳۲ والذین ھم علی صلاتھم یحافظون	المعارج: ۳۴	۱۸۴
۳۳ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا	البقرہ: ۲۸۶	۱۹۷،۱۹۳
۳۴ و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکہ	البقرہ: ۱۹۵	۱۹۴
۳۵ یا ایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا	الانفال: ۲۹	۱۹۸

۳۶	و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ۝	الطلاق : ۲	۱۹۸
۳۷	و اذن فی الناس بالحج یاتوک	الحج : ۲۷	۲۶۳
۳۸	کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر	آل عمران ۱۱۰	۲۸۵
۳۹	فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝	النحل : ۴۳	۲۸۵
۴۰	و لکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب و بما کنتم تدرسون ۝	آل عمران : ۷۹	۲۸۵
۴۱	و ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر	الانفال : ۷۲	۲۸۵
۴۲	الا الذین اٰمنوا و عملوا الصلحٰت و تواصوا بالحق و تواصوا بالصبر ۝	العصر : ۳	۲۸۵
۴۳	لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا	النور : ۶۱	۲۸۵
۴۴	و لا تباشروھن و انتم عاکفون فی المساجد	البقرہ : ۱۸۷	۲۸۵
۴۵	و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۝ متاع قلیل و لھم عذاب الیم ۝	النحل : ۱۱۶-۱۱۷	۲۸۵
۴۶	و انکحوا الایامٰی	النور : ۳۲	۳۲۷، ۳۹۱، ۳۷۳، ۶۶۷، ۴۲۱
۴۷	و لا تزر وازرۃ وزر اخری	الانعام : ۱۶۴	۳۲۸

نمبر	آیت	حوالہ	صفحات
۴۸	واحل لکم ما وراء ذلکم	النساء:۲۴	۳۳۳، ۳۰۲، ۳۰۴، ۳۳۳، ۳۲۶، ۳۲۴، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۱، ۳۳۳، ۳۳۳، ۳۳۲، ۳۳۶، ۳۳۴، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۳، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۴، ۵۰۰، ۵۱۶، ۵۱۴، ۵۲۳، ۵۲۶، ۵۲۹، ۵۳۵، ۴۰۸
۴۹	فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع	النساء:۳	۳۳۳، ۳۰۴، ۳۳۴، ۵۰۰، ۵۱۹، ۵۱۴
۵۰	جعل لکم من انفسکم ازواجا	النحل:۷۲	۳۳۳
۵۱	خلق لکم ما فی الارض	البقرہ:۲۹	۳۳۳
۵۲	نساؤکم حرث لکم	البقرہ:۲۲۳	۳۳۳، ۳۸۵
۵۳	فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ	النساء:۳	۳۳۳، ۳۵۱
۵۴	ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء و لو حرصتم	النساء:۱۲۹	۳۳۳، ۳۵۲
۵۵	نحن نرزقکم و ایاھم	الانعام:۱۵۱	۳۳۵
۵۶	فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ	النساء:۱۲۹	۳۳۳
۵۷	ان یکونوا فقراء یغنھم اللہ من فضلہ	النور:۳۲	۳۳۵
۵۸	وامرھم شوریٰ بینھم	شوریٰ:۳۸	۳۳۵

نمبر	آیت	سورہ و آیت	صفحہ
۵۹	و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن إذا تراضوا بینهم بالمعروف	البقرہ:۲۳۲	۳۳۵، ۵۱۵، ۲۶۳
۶۰	ذلکم ازکیٰ لکم و اطهر و الله یعلم و انتم لا تعلمون○	البقرہ:۲۳۲	۳۳۵
۶۱	الذی بیده عقدة النکاح	البقرہ:۲۳۷	۳۳۶، ۳۸۸، ۴۰۵
۶۲	افتؤمنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض	البقرہ:۸۵	۳۳۶
۶۳	ادخلوا فی السلم کافة و لا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین○	البقرہ:۲۰۸	۳۳۷
۶۴	ما کان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضی الله و رسوله امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم و من یعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبینا○	الاحزاب:۳۶	۳۳۷
۶۵	تلک حدود الله فلا تعتدوها و من یتعد حدود الله فاولٰئک هم الظلمون○	البقرہ:۲۲۹	۳۳۷
۶۶	الطلاق مرتن فامساك بمعروف او تسریح باحسان	البقرہ:۲۲۹	۳۳۸، ۳۸۷
۶۷	فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره	البقرہ:۲۳۰	۳۳۸
۶۸	و للرجال علیهن درجة	البقرہ:۲۲۸	۳۳۸
۶۹	الرجال قوامون علی النساء	النساء:۳۴	۳۳۸، ۳۸۵

۷۰	و الّٰتی تخافون نشوزهن فعظوهن و اهجروهن فی المضاجع و اضربوهن	النساء: ۳۴	۳۴۹، ۳۸۷
۷۱	و إن یتفرقا یغن الله کلا من سعته	النساء: ۱۳۰	۳۵۲
۷۲	و الفتنة اشد من القتل	البقره: ۱۹۱	۳۸۰
۷۳	هن لباس لکم	البقره: ۱۸۷	۳۸۵
۷۴	عاشروهن بالمعروف	النساء: ۱۹	۳۸۵
۷۵	ازواجا لتسکنوا الیها	الروم: ۲۱	۳۸۵
۷۶	لا تخرجوهن من بیوتهن و لا یخرجن	الطلاق: ۱	۳۸۶
۷۷	اسکنوهن من حیث سکنتم من وجدکم	الطلاق: ۶	۳۸۶
۷۸	عسی ان تکرهوا شیئا و هو خیر لکم	البقره: ۲۱۶	۳۸۷
۷۹	فان کرهتموهن فعسی ان تکرهوا شیئا و یجعل الله فیه خیرا کثیرا	النساء: ۱۹	۳۸۷
۸۰	لا جناح علیهما فیما افتدت به	البقره: ۲۲۹	۳۸۷
۸۱	و بعولتهن احق بردهن	البقره: ۲۲۸	۳۸۷
۸۲	فامسکوهن بمعروف	البقره: ۲۳۱	۳۸۷
۸۳	و ان امرأة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا و الصلح خیر	النساء: ۱۲۸	۳۸۸
۸۴	ان تبتغوا باموالکم	النساء: ۲۴	۴۰۸
۸۵	و خلتکم	النساء: ۲۳	۴۱۴
۸۶	و امهت نساءکم	النساء: ۲۳	۴۱۶، ۴۱۸

۸۷	حرمت علیکم امهتکم و بنتکم و اخوتکم و عمتکم و خلتکم	النساء: ۲۳	۳۲۱
۸۸	ابویکم	الاعراف: ۲۷	۳۲۵
۸۹	و حلائل ابناءکم الذین من اصلابکم	النساء: ۲۳	۳۳۱، ۳۳۳
۹۰	لا تقربوا الفواحش	الانعام: ۱۵۱	۳۵۰
۹۱	قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها و ما بطن	الاعراف: ۳۳	۳۵۱
۹۲	و لیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتی یغنیهم الله من فضله	النور: ۳۳	۳۵۱
۹۳	و ان تجمعوا بین الاختین	النساء: ۲۳	۳۴۷، ۳۵۲، ۳۵۸، ۴۲۰
۹۳	و المطلقت یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء	البقرة: ۲۲۸	۳۶۰، ۳۹۳، ۳۹۵، ۵۸۱
۹۵	و اللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتهن ثلثة اشهر و اللائی لم یحضن	الطلاق: ۴	۳۶۰
۹۶	و اولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن	الطلاق: ۴	۳۳۰، ۳۹۰، ۳۹۳، ۵۰۲، ۵۰۵، ۵۰۷، ۵۰۹
۹۷	لا جناح علیکم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن او تفرضوا لهن فریضة	البقرة: ۲۳۶	۳۴۸

۹۸ والمحصنت من النساء	النساء:۲۴	۴۷۸،۶۶۷،۶۸۹، ۷۳۱،۷۳۲
۹۹ و الذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعة اشهر و عشرا	البقرہ:۲۳۴	۴۹۱،۴۹۲
۱۰۰ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الکتب اجله	البقرہ:۲۳۵	۴۹۱،۴۹۳،۵۰۲
۱۰۱ انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة	النساء:۱۷	۴۹۹
۱۰۲ الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم فاعلموا ان الله غفور رحیم	المائدہ:۳۴	۴۹۹
۱۰۳ فان تابا و اصلحا فاعرضوا عنهما ان الله کان توابا رحیما	النساء:۱۶	۴۹۹
۱۰۴ والذین یؤذون المؤمنین و المؤمنات بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتانا و اثما مبینا	الاحزاب:۵۸	۵۲۰
۱۰۵ لولا جاء و علیه باربعة شهداء	النور:۱۳	۵۹۷
۱۰۶ واشهدوا ذوی عدل منکم	الطلاق:۲	۵۹۷
۱۰۷ واخوتکم من الرضاعة	النساء:۲۳	۶۲۰،۶۲۲،۶۳۰
۱۰۸ فلا جناح علیکم فی ما فعلن فی انفسهن بالمعروف	البقرہ:۲۳۴	۶۶۳
۱۰۹ یا ایها الذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرها	النساء:۱۹	۶۶۳،۶۷۱

۱۱۰	واخذن منکم میثاقا غلیظا○	النساء: ۲۱	۲۶۳
۱۱۱	حتی تنکح زوجا غیره	البقره: ۲۳۰	۲۶۳
۱۱۲	و المؤمنون و المؤمنات بعضهم اولیاء بعض	التوبہ: ۷۱	۲۶۶
۱۱۳	اوفوا بالعقود		۲۶۷
۱۱۳	و لا جناح علیکم فیما عرضتم به من خطبة النساء او اکننتم فی انفسکم علم الله انکم ستذکروهن و لٰکن لا تواعدوهن سرا الا ان تقولوا قولا معروفا○	النساء: ۲۳۵	۲۷۰
۱۱۴	و لاتمسکوهن ضرارا لتعتدوا	البقره: ۲۳۱	۷۰۳

فہرست احادیثِ مبارکہ

فہرست احادیث مبارکہ
فتاویٰ نوریہ جلد دوم

نمبر شمار	احادیث مبارکہ	حوالہ کتب	صفحہ فتاویٰ
۱	ابیت عند ربی	مدارج النبوۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۳۰ / فتح الباری، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸	۱۰۴
۲	اظل عند ربی	فتح الباری، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸ / مسند احمد بن حنبل، جلد ۲، صفحہ ۲۵۳	۱۰۴
۳	انہ صلی اللہ علیہ وسلم عق عن نفسہ بعد النبوۃ	سنن بیہقی، جلد ۹، صفحہ ۳۰۰ / الحاوی للفتاوی، جلد ۱، صفحہ ۱۹۶ / شرح شمائل، ملا علی، جلد ۱، صفحہ ۳۵	۱۱۲

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۴	ان هذه الصدقات انما هی اوساخ الناس و انها لا تحل لمحمد ﷺ و لا لال محمد ﷺ	مسلم شریف، جلد ۱، صفحہ ۳۴۵	۱۱۶
۵	نحن اهل بیت لا تحل لنا الصدقه	ابن خزیمہ، جزء ۴، صفحہ ۶۰ مکتبہ اسلامی / معانی الآثار، جز ۳، صفحہ ۲۵۷	۱۱۶
۶	اهریقوا عنه دما	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۲۲	۱۳۰
۷	یعق عنه من الابل و البقر و الغنم	فتح الباری، جلد ۹، صفحہ ۴۸۷	۱۳۰
۸	ما سقت السماء ففیه العشر و ما سقی بالغرب و الدالیة ففیه نصف العشر	مسلم شریف، جلد ۱، صفحہ ۳۱۶ (مفہوما) / مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۱۴۵	۱۴۴
۹	رایت رسول الله ﷺ بالعرج یصب علی راسه و هو صائم من العطش او من الحر	ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۲۲	۲۳۳
۱۰	استعینوا بطعام السحر علی صیام النهار و بالقیلولة علی قیام اللیل	جامع صغیر، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹	۲۳۴
۱۱	ان للصلوة وقتا کوقت الحج	ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۵۵۰	۱۸۳
۱۲	من حافظ علی الصلوات الخمس علی وضوئهن و رکوعهن و سجودهن و مواقیتهن	در منثور، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶	۱۸۲
۱۳	حافظ علی وضوئها و مواقیتها	در منثور، جلد ۱، صفحہ ۲۹۵	۱۸۲
۱۴	من صلی الصلوات لوقتها	در منثور، جلد ۱، صفحہ ۲۹۵	۱۸۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۱۵	و عزتی و جلالی لا یصلیها عبد لوقتها الا ادخلته الجنة	در منثور، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶	۱۸۳
۱۶	ای العمل افضل قال الصلوة لوقتها	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷۶ / مسلم، جلد ۱، صفحہ ۶۲	۱۸۳
۱۷	خمس صلوات كتبهن الله على العباد	نسائی، جلد ۱، صفحہ ۸۰ / موطا امام مالک، صفحہ ۴۳، دار الاشاعت، اصح المطابع	۱۸۵
۱۸	من جاء بهن لم يضيع منهن شيئا	نسائی، جلد ۱، صفحہ ۸۰ / موطا امام مالک، صفحہ ۴۳	۱۸۵
۱۹	خمس صلوات افترضهن الله عز و جل من احسن وضوئهن و صلاتهن لوقتهن	ابو داود، جلد ۱، صفحہ ۶۱	۱۸۵
۲۰	فذلك مثل الصلوات الخمس يمحو الله بهن الخطايا	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷۶ / مسلم، جلد ۱، صفحہ ۲۳۵	۱۸۵
۲۱	الصلوات الخمس و الجمعة الى الجمعة	مسلم، جلد ۱، صفحہ ۱۲۲	۱۸۵
۲۲	صلوا خمسكم	ترمذی، کتاب الجمعہ، باب ماذکر فی فضل، حدیث نمبر ۵۵۹ / مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۸ بحوالہ ترمذی واحمد	۱۸۵
۲۳	ان النبی ﷺ سئل عن الامر يحدث ليس فى كتاب و لا سنة فقال ينظر فيه العابدون من المؤمنين	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸
۲۴	لا تسئل عما لم يكن فانى سمعت عمر بن الخطاب..... الخ	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸

۲۵	لا تعجلوا بالبلية قبل نزولها فانكم ان لا تعجلوها قبل نزولها لا ينفك المسلمون و فيهم اذا هي نزلت......الخ	سنن دارمی، صفحہ ۲۸	۱۹۸
۲۶	يا سارية الجبل	اصابہ فی تمیز الصحابہ، جلد ۲، صفحہ ۳	۲۶۲
۲۷	قال (ﷺ) يا بلال اذن فى الناس فليصوموا غدا	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۹۴/ ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۳۱	۲۶۴
۲۸	قال رسول الله ﷺ صوموه انتم	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۶۸/ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۵۹	۲۶۴
۲۹	الفطر يوم يفطر الناس و الاضحى يوم يضحى الناس	صحیح ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۹۹	۲۷۲
۳۰	النحر يوم ينحر الناس و الفطر يوم يفطر الناس	سنن بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۱	فطركم يوم تفطرون و اضحاكم يوم تضحون	ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۲۸/ بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۲	الصوم يوم تصومون و الفطر يوم تفطرون والاضحى يوم تضحون	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۸۸	۲۷۲
۳۳	صومكم يوم تصومون و اضحاكم يوم تضحون	بیہقی، جلد ۴، صفحہ ۲۵۲	۲۷۲
۳۴	الفطر يوم تفطرون و الاضحى يوم تضحون	ابن ماجہ، صفحہ ۱۲۱	۲۷۲
۳۵	عرفتكم يوم تعرفون	مبسوط، جلد ۴، صفحہ ۵۷/ بدائع، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶	۲۷۲

۳۶	في رواية حجكم يوم تحجون	مبسوط، جلد ۳، صفحہ ۵۷/ بدائع، جلد ۲، صفحہ ۱۲۶	۲۷۲
۳۷	فاصنع الشجر و ما لا نفس له	مسلم، جلد ۲، صفحہ ۲۰۲	۳۰۲
۳۸	كل شئ ليس فيه روح	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶	۳۰۲
۳۹	قوله ﷺ فان الله معذبه حتى ينفخ	عینی، جلد ۱۲، صفحہ ۳۹/ قسطلانی، جلد ۳، صفحہ ۱۳۱	۳۰۲
۴۰	فمر بالتمثال فليقطع رأسه حتى يكون كهيئاة الشجرة	ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۰۳/ شرح معانی الآثار، جلد ۲، صفحہ ۳۰۵	۳۰۳
۴۱	ان رسول الله ﷺ قبل الركن اليماني و وضع خده عليه	مستدرک حاکم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۶	۳۰۸
۴۲	لما تزوج على رضى الله تعالى عنه فاطمة رضى الله تعالى عنها قال رسول الله ﷺ اعطها شيئا قال ما عندى قال اين درعك الخطمية	نسائی، جلد ۲، صفحہ ۹۱	۳۷۳
۴۳	ان عليا رضى الله تعالى عنه لما تزوج فاطمة بنت رسول الله ﷺ اراد ان يدخل بها فمنعه رسول الله ﷺ حتى يعطيها شيئا فقال يا رسول الله ليس لى شئ فقال له النبى ﷺ اعطها درعك فاعطاها درعه ثم دخل بها	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۰/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۹۱	۳۷۳
۴۴	وله يومئذ تسع نسوة	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۸۵/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۶۷	۳۳۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۴۵	اختر منهن اربعا	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۴۹	۳۴۴
۴۶	اللهم هذه قسمتی فی ما املك فلا تلمنی فی ما تملك ولا املك	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۶	۳۴۴
۴۷	التمسوا الرزق بالنكاح	درمنثور، جلد ۵، صفحہ ۴۵	۳۴۵
۴۸	الطلاق لمن اخذ بالساق	ابن ماجہ، صفحہ ۱۵۲/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۶۰	۳۴۶، ۳۸۸
۴۹	الا انما يملك الطلاق من ياخذ بالساق	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۶۰	۳۴۶
۵۰	ما كان من شرطٍ ليس فی كتاب الله فهو باطل وان كان مائة شرط	بخاری، جلد ۱، صفحہ ۳۷۷/ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۹۴	۳۴۶، ۴۰۳
۵۱	ثلث جدهن جد و هزلهن جد النكاح و الطلاق و الرجعة	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۴۱	۳۴۸
۵۲	ارايت لو طلقتها ثلاثا ا كان يحل لی ان اراجعها	تفسیر مظہری، جلد ۱، صفحہ ۳۰۱	۳۴۸
۵۳	الرجل راع علی اهله	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۷۹	۳۴۹
۵۴	انهن عوان فی ايديكم يعنی اسراء	احیاء، جلد ۲، صفحہ ۴۴	۳۴۹
۵۵	لو كنت آمر احد ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۸/ مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۲۸۳	۳۴۹
۵۶	ان العباس بن عبد الله بن عباس انكح عبد الرحمن بن الحكم ابنته و انكحه عبد الرحمن ابنته و كانا جعلا صداقا فكتب امير معاوية الى مروان يأمره بالتفريق بينها و قال فی كتابه هذا الشغار الذی نهی عند رسول الله ﷺ	سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳	۳۸۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۵۷	ابغض الحلال الى الله الطلاق	بیہقی، جلد ۷، ۳۲۲ / سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۶ / مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۱۹۶	۳۸۷
۵۸	ايما امرأة سألت زوجها طلاقا فى غير ما بأس فحرام عليها رائحة الجنة	سنن ابی داؤد، جلد ۱، صفحہ ۳۰۳ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۶ / ترمذی، جلد ۱، ۱۴۲	۳۸۷
۵۹	المنتزعات و المختلعات هن المنافقات	سنن نسائی، جلد ۲، صفحہ ۱۰۷ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۶	۳۸۷
۶۰	لا طلاق له فى ما لا يملك	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۸ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۸ / ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۸ / مستدرک حاکم، جلد ۲، صفحہ ۲۰۵	۳۸۸
۶۱	لا طلاق لمن لم يملك	مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۲۰۴ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۳۱۹	۳۸۹
۶۲	(قلت لنافع ما الشغار) قال ينكح بنت الرجل و ينكح بنته بغير صداق و ينكح اخت الرجل و ينكحه اخته بغير صداق	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۶ / مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۵۴ / ابو داؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳ / نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۵ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۷ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۰	۳۹۲
۶۳	و الشغار ان ينكح هذه بهذه بغير صداق بضع هذه صداق هذه و بضع هذه صداق هذه	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۰۰	۳۹۲

۶۴	احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج	مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۲۷۱/ مسلم شریف، جلد ۱، صفحہ ۳۵۵/ ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۹۱	۳۹۷
۶۵	ان جاریة بکرا اتت النبی ﷺ فذکرت ان ابا زوجها و هی کارهة فخیرها النبی ﷺ	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۵/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۹/ مشکوٰۃ، صفحہ ۲۷۱/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۷	۳۹۸، ۶۵۸، ۲۲۵
۶۶	و الشغار ان یزوج الرجل ابنته علی ان یزوجه الاخر ابنته او اخته و لا صداق بینهما	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۶۶/ مسلم، جلد ۱، صفحہ ۳۵۳/ ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۳/ نسائی، جلد ۲، صفحہ ۸۵/ ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۷/ بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۹۹	۳۰۸
۶۷	اذا نکح الرجل المرأة ثم طلقها قبل ان یدخل بها فله ان یتزوج ابنتها و لیس له ان یتزوج امها	سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۶۰	۳۱۶
۶۸	ایما رجل نکح امرأة فدخل بها او لم یدخل بها فلا یحل له نکاح امها	ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳	۳۱۶
۶۹	من رأی منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذلک اضعف الایمان	صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۵۱	۳۱۷، ۵۳۳، ۵۹۳، ۶۹۰
۷۰	ایاک و ما یسوء الاذن	مسند احمد، جلد ۴، صفحہ ۷۶	۳۲۳
۷۱	و من لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء	صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۵۸/ صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۴۹	۳۵۱

حدیث	حوالہ	صفحہ
۷۲ لا يجمع بين المرأة و عمتها	صحیح بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۶۶ / صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۲	۴۶۱، ۴۶۹
۷۳ لا تنكح المرأة على عمتها و لا على خالتها و لا على ابنة اخيها و لا ابن اختها	صحیح مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۳ / سنن ابی داؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۲ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۴ / نسائی، جلد۲، صفحہ ۸۰	۴۶۶
۷۴ كل المسلم على المسلم حرام	ترمذی، جلد۲، صفحہ ۱۵	۵۲۰
۷۵ الولد للفراش و للعاهر الحجر	ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۵ / سنن نسائی، جلد۲، صفحہ ۱۱۰	۵۲۰، ۵۳۸، ۵۹۴
۷۶ البينة على المدعى	مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۳۲۶	۶۰۳
۷۷ يحرم من الرضاعة ما يحرم من النسب	بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۶۴ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۶۷ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۶ / نسائی، جلد۲، صفحہ ۸۱ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۴۰ / ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۰ / بیہقی، جلد۷، صفحہ ۴۵۳ / کنز العمال، جلد۳، صفحہ ۲۴۳	۶۱۸، ۶۲۰
۷۸ سئل ابن عباس رضی الله تعالى عنهما عن رجل يكون له امرأتان فترضع احدهما صبيا و الاخرى صبية قال لا اللقاح واحد لا تحل له	سنن بیہقی، جلد۷، صفحہ ۴۵۳ / مبسوط، جلد۳۰، صفحہ ۲۹۳ / کنز العمال، جلد۳، صفحہ ۲۴۵	۶۲۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۷۹	الرضاعة تحرم ما تحرم الولادة	بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۶۴ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۶۶	۲۳۳
۸۰	الایم احق بنفسها من ولیها	مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۵ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۱ / ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۶ / نسائی، جلد۲، صفحہ ۷۶ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶ / بیہقی، جلد۷، صفحہ ۱۲۲ / معانی الآثار طحاوی، جلد۲، صفحہ ۸	۲۵۷، ۲۶۳
۸۱	لا تنکح الایم حتی تستأمر و لا تنکح البکر حتی تستأذن	بخاری، جلد۲، صفحہ ۷۷۱ / مسلم، جلد۱، صفحہ ۴۵۵ / ابوداؤد، جلد۱، صفحہ ۲۸۵ / ترمذی، جلد۱، صفحہ ۱۳۱ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۶ / بیہقی، جلد۷، صفحہ ۱۲۲	۲۵۷، ۲۶۳
۸۲	ان رسول الله ﷺ رد نکاح بکر و ثیب انکحهما ابوهما و هما کارهتان	بیہقی، جلد۷، صفحہ ۱۱۷	۲۵۸، ۲۶۵
۸۳	امروا النساء فی انفسهن فان الثیب تعرب عن نفسها و البکر رضاءها صمتها	بیہقی، جلد۷، صفحہ ۱۲۳ / کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۳۹	۲۶۳
۸۴	امر النساء بایدیهن و اذنهن سکوتهن	کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۷	۲۶۳
۸۵	لا نکاح الا باذن الرجل و المرأة	کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۴۳	۲۶۳
۸۶	استأمروا النساء فی ابضاعهن	نسائی، جلد۲، صفحہ ۷۷ / کنز العمال، جلد۸، صفحہ ۲۳۶	۲۶۳

نمبر	حدیث	حوالہ	صفحہ
۸۷	لا تنكح النساء حتى تستأمروهن فاذا سكتن فهو اذنهن	مستدرک، جلد ۲، صفحہ ۱٦۷	۲٦۳
۸۸	و البكر تستأذن فى نفسها و اذنها صماتها	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۲	۲٦۳
۸۹	عن خنساء بنت حرام الانصارية ان اباها زوجها و هى ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله ﷺ فرد نكاحها	بخاری، جلد ۲، صفحہ ۷۷۱ / ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸٦ / نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷ / ابن ماجہ، صفحہ ۱۳٦ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۹	۲٦۴
۹۰	فقالت اجزت ما صنع ابى و لكن اردت ان تعلم النساء ان ليس للاباء شئ	نسائی، جلد ۲، صفحہ ۷۷ / ابن ماجہ، ۱۳٦	۲٦۵
۹۱	بغير اذن مواليها	ابوداؤد، جلد ۱، صفحہ ۲۸۴	۲٦٦
۹۲	بغير اذن مولاها	سنن بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۰۵	۲٦٦
۹۳	قال رسول الله ﷺ لا نكاح الا بولى قيل يا رسول الله من الولى قال رجل من المسلمين	کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۹٦	۲٦٦
۹۴	كان على اذا رفع اليه رجل تزوج امرأة بغير ولى فدخل بها امضاه	الجواہر النقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۲ / کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۹٦ / بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۲	۲٦۷
۹۵	فان انكحها ولى مسخوط فنكاحها باطل	کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۲۴۷	۲٦۷
۹٦	فان انكحها ولى مسخوط عليه فنكاحها باطل	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۲۴	۲٦۷

۹۷	كانوا اذا مات الرجل كان اولياء ه احق بامرأته ان شاء بعضهم تزوجها و ان شاء وا زوجوها و ان شاء وا لم يزوجوها فهم احق بها من اهلها فنزلت هذه الاية فى ذلك	درمنثور، جلد ۲، صفحہ ۱۳۱	۶۷۱
۹۸	عن عائشة قالت تزوجنى رسول الله ﷺ بست سنين و بنى بى و انا ابنة تسع سنين	مسلم، جلد ا، صفحہ ۴۵۶	۶۸۹
۹۹	توفى عثمان بن مظعون رضى الله تعالى عنه و ترك ابنة له من خويلة بنت حكيم بن امية بن حارثة بن الاوقص قال و اوصى الى اخيه قدامة بن مظعون قال عبد الله فهما خالاى قال خطبت الى قدامة بن مظعون ابنة عثمان بن مظعون فزوجنيها فدخل المغيرة بن شعبة رضى الله تعالىٰ عنه الى امها...... الخ	بیہقی، جلد ۷، صفحہ ۱۱۳	۶۸۹

ماخذ و مراجع

فہرست مآخذ و مراجع

۱ قرآن کریم

کتب تفسیر و اصول تفسیر

۲ جامع البیان، ابو جعفر محمد بن جعفر طبری ۳۱۰ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ

۳ احکام القرآن، ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص ۳۷۰ھ، بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۴ معالم التنزیل، ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی ۵۱۶ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ

۵ مفاتیح الغیب (کبیر)، امام فخر الدین محمد بن عمر رازی ۶۰۶ھ، عامرہ شرقیہ مصر

۶ انوار التنزیل (بیضاوی)، ابو سعید عبداللہ بن عمر شافعی بیضاوی ۶۸۵ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۲۸۲ھ

۷ مدارک التنزیل، ابو البرکات عبداللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ، احیاء الکتب مصر ۱۳۴۴ھ

۸ غرائب القرآن، حسن بن محمد قمی نیشاپوری ۷۲۸ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۳۰ھ

۹ لباب التاویل خازن، علی بن محمد بغدادی صوفی خازن ۷۴۱ھ، تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۷ھ

۱۰ ابن کثیر، ابو الفداء اسمعیل بن عمر بن کثیر ۷۷۴ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۲۱ھ

۱۱ جلالین، جلال الدین محمد بن احمد محلی شافعی ۸۶۴ھ، جلال الدین سیوطی شافعی ۹۱۱ھ، مجیدی کانپور

۱۲ الدر المنثور، امام جلال الدین سیوطی شافعی ۹۱۱ھ، میمنہ مصر ۱۳۱۴ھ

۱۳ ارشاد العقل، ابو سعود محمد بن محمد عمادی حنفی ۹۸۲ھ، حسینیہ عامرہ شرقیہ مصر

۱۴ تفسیر مظہری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۲۵ھ، جید برقی پریس دہلی

۱۵ تفسیرات احمدیہ، شیخ احمد ابو سعید ملا جیون جونپوری ۱۱۳۰ھ، علیمی دہلی ۱۳۴۹ھ

۱۶ روح البیان، شیخ اسماعیل حقی بن مصطفیٰ بروسوی ۱۱۳۷ھ، در سعادت مصر ۱۳۳۰ھ

۱۷ الفتوحات الالہیہ (جمل)، سلیمان بن عمرو عجیلی شافعی ۱۲۰۴ھ، عیسیٰ البابی الحلبی مصر

۱۸ صاوی، شیخ احمد بن محمد صاوی مالکی ۱۲۴۱ھ، ازہریہ مصر ۱۳۴۸ھ

کتب حدیث

۱۹ موطا امام مالک، ابو عبد اللہ مالک بن انس ۱۷۹ھ، دار الاشاعۃ رحیمیہ دیوبند

۲۰ سنن دارمی، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن ۲۵۵ھ، مدینہ منورہ ۱۳۸۶ھ

۲۱ صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ

۲۲ صحیح مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری ۲۶۱ھ، اصح المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ

۲۳ سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی ۲۷۵ھ، مجیدی کانپور، اصح المطابع

۲۴ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ ۲۷۳ھ / ۲۷۵ھ، اصح المطابع دہلی / کراچی ۱۳۷۲ھ

۲۵ جامع ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۷۹ھ، مجیدی کانپور / علیمی دہلی ۱۳۴۱ھ

۲۶ نسائی، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب خراسانی ۳۰۳ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۵۰ھ

۲۷ شرح معانی الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ، اصح المطابع ۱۳۹۰ھ / رحیمیہ دیوبند

۲۸ مشکل الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی ۳۲۱ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۳ھ

۲۹ دار قطنی، علی بن عمر بن احمد بغدادی دار قطنی ۳۸۵ھ، فاروقی دہلی ۱۳۱۰ھ

۳۰ مستدرک، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم ۴۰۵ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۱ تلخیص المستدرک 'ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی ۷۴۸ھ 'دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۲ بیہقی 'ابو بکر احمد بن حسین بن علی بیہقی ۴۵۸ھ 'دائرۃ المعارف ۱۳۳۴ھ

۳۳ مشکوٰۃ 'ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب ۷۴۰ھ 'اصح المطابع

۳۴ کنز العمال 'علاؤ الدین علی متقی ہندی ۹۷۵ھ 'دائرۃ المعارف ۱۳۱۲ھ تا ۱۳۱۴ھ

۳۵ جامع صغیر 'جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر سیوطی ۹۱۱ھ 'تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۲ھ

کتب شروح حدیث

۳۶ شرح مسلم 'ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی شافعی ۶۷۶ھ 'اصح المطابع ۱۳۴۹ھ

۳۷ نصب الرایہ 'جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی ۷۶۲ھ 'مجلس علمی ۱۳۵۸ھ

۳۸ الکواکب الدراری 'شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی ۷۸۶ھ 'بہیہ مصر ۱۳۵۴ھ

۳۹ فتح الباری 'شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی ۸۵۲ھ 'بہیہ مصر ۱۳۴۸ھ

۴۰ عمدۃ القاری 'ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی ۸۵۵ھ 'دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۰۸ھ

۴۱ ارشاد الساری 'علامہ احمد بن محمود قسطلانی ۹۲۳ھ 'بولاق مصر ۱۳۵۱ھ

۴۲ شرح شمائل مناوی 'شیخ عبدالرؤف مناوی ۱۰۳۱ھ 'عامرہ شرقیہ مصر ۱۳۱۸ھ

۴۳ شرح شمائل / قاری 'ملا علی بن سلطان محمد قاری ۱۰۱۴ھ 'عامرہ شرقیہ ۱۳۱۸ھ

۴۴ مرقات 'ملا علی بن سلطان محمد قاری ۱۰۱۴ھ 'امدادیہ ملتان ۱۳۷۸ھ

۴۵ فیض القدیر 'عبدالرؤف محمد بن علی حدادی مناوی ۱۰۳۱ھ 'تجاریہ کبریٰ مصر ۱۳۵۶ھ

۴۶ اشعۃ اللمعات 'شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث ۱۰۵۲ھ 'منشی نول کشور ۱۳۵۴ھ

۴۷ شیخ الاسلام 'محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین '۱۰۴۱ھ

۴۸ ترجمہ ابو داؤد 'وحید الزماں ۱۳۴۸ھ

لغات ومشکل الحدیث

۴۹	نہایہ، مجد الدین مبارک بن محمد ابن اثیر جزری ۶۰۶ھ، خیریہ مصر ۱۳۰۶ھ
۵۰	المغرب، امام ابوالفتح ناصر بن عبدالسید بن علی المطرزی ۶۱۰ھ، دائرۃ المعارف
۵۱	تہذیب نووی، امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی ۶۷۶ھ، ادارہ طباعۃ منیریہ
۵۲	صراح، ابوالفضل محمد بن عمر جمال قرشی، تکمیل کتاب ۶۸۱ھ، احمد کانپور ۱۳۱۰ھ
۵۳	منتھی الارب، شیخ عبدالرحمٰن بن عبدالسلام صفوری ۸۹۴ھ، اسلامیہ لاہور ۱۳۲۴ھ

کتب فقہ

۵۴	جامع صغیر، ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ، علوی ۱۳۱۲ھ
۵۵	جامع کبیر، ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی ۱۸۹ھ، استقامۃ مصر ۱۳۵۶ھ
۵۶	الکافی، حضرت حاکم الشہیر محمد بن محمد حنفی ۳۳۴ھ، السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ
۵۷	قدوری، ابوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی ۴۲۸ھ، اصح المطابع کراچی
۵۸	مبسوط سرخسی، محمد بن احمد بن ابوسہل سرخسی ۴۸۲ھ، السعادۃ مصر ۱۳۳۱ھ
۵۹	خلاصۃ الفتاویٰ، طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری ۵۴۲ھ، ایکسپورٹ لیتھو لاہور
۶۰	فتاویٰ سراجیہ، سراج الدین علی بن عثمان روشی فرغانی ۵۶۹ھ، نول کشور ۱۳۴۴ھ
۶۱	بدائع صنائع، ملک العلماء علاؤالدین ابوبکر ابن مسعود کاشانی ۵۸۷ھ، جمالیہ مصر ۱۳۲۸ھ
۶۲	فتاویٰ خانیہ، فقیہ النفس حسن بن منصور اوزجندی ۵۹۲ھ، نول کشور ۱۹۲۱ء
۶۳	ہدایہ، شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی ۵۹۳ھ، مصطفائی / مجتبائی / شرکۃ علمیہ دہلی ۱۳۵۰ھ

٦٤ منیۃ المصلی، علامہ سدید الدین محمد بن محمد کاشغری ۷۰۵ھ، قرآن محل کراچی ۱۳۷۴ھ

٦٥ کنز الدقائق، ابو البرکات عبد اللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ، مجتبائی / شمس المطابع

٦٦ کفایہ، مولانا جلال الدین خوارزمی ۷۱۱ھ، میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ

٦٧ تبیین الحقائق، فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی ۷۴۳ھ، امیریہ مصر ۱۳۱۳ھ

٦٨ وقایہ، تاج الشریعہ محمود بن احمد بن جمال محبوبی ۶۳۰ھ تقریباً، مجتبائی / مجیدی

٦٩ شرح وقایہ، عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ ۷۴۷ھ، سعید اینڈ کمپنی کراچی

٧٠ زاد المعاد، شمس الدین بن عبد اللہ ابن قیم ۷۵۱ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

٧١ رحمت الامۃ، شیخ محمد بن عبد الرحمٰن دمشقی شافعی، تکمیل کتاب ۷۸۰ھ، مصطفیٰ البابی حلبی مصر ۱۳۵۴ھ

٧٢ عنایہ، محمد بن محمود بابرتی ۷۸۶ھ، میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ

٧٣ جوہرہ نیرہ، ابو بکر بن علی حداد عبادی حنفی ۸۰۰ھ، محمود بک آستانہ ۱۳۰۱ھ

٧٤ جامع الفصولین، شیخ الاسلام محمود بن اسرائیل ۸۲۳ھ، کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۰۰ھ

٧٥ شریفیہ، سید میر شریف جرجانی ۸۱۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۴۱ھ

٧٦ رمز الحقائق، بدر الدین محمود عینی ۸۵۵ھ، حیدری بمبئی ۱۲۹۴ھ

٧٧ فتح القدیر، کمال الدین محمد بن عبد الواحد ابن ہمام ۸۶۱ھ، میمنہ مصر ۱۳۰۷ھ

٧٨ درر، محمد بن فراموز، منلا خسرو ۸۸۵ھ، در سعادت ۱۳۲۹ھ

٧٩ غرر، محمد بن فراموز، منلا خسرو ۸۸۵ھ، در سعادت ۱۳۲۹ھ

٨٠ الحاوی للفتاویٰ، جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی ۹۱۱ھ، منیریہ درب الاتراک ۱۳۵۲ھ

٨١ جامع الرموز، شمس الدین محمد قہستانی ۹۵۳ھ، نول کشور ۱۳۰۹ھ

٨٢ ملا مسکین، علامہ معین الدین الھروی المعروف ملا مسکین ۹۵۴ھ

٨٣ غنیۃ المستملی (کبیری)، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۳۲ھ

٨٤ صغیری، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، مجتبائی دہلی ۱۳۲۵ھ

٨٥ ملتقی الابحر، شیخ ابراہیم بن محمد حلبی ۹۵۶ھ، دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ

۸۶ بحر الرائق، زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۱۳ھ

۸۷ الاشباہ والنظائر، زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم مصری ۹۷۰ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء

۸۸ میزان شعرانی، سیدی عبدالوہاب بن احمد شعرانی ۹۷۳ھ، مصطفی البابی مصر ۱۳۵۴ھ

۸۹ تنویر الابصار، محمد بن عبداللہ تمرتاشی غزی ۱۰۰۴ھ، احمدی دہلی / دار السعادۃ ۱۳۲۴ھ

۹۰ غنیۃ ذوی الاحکام، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۲۹ھ

۹۱ نور الایضاح، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۹۲ مراقی الفلاح، حسن بن عمار وفائی شرنبلالی ۱۰۶۹ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۹۳ مجمع الانہر، محمد بن سلیمان شیخ زادہ ۱۰۷۸ھ، دار الطباعۃ مصر ۱۳۱۶ھ

۹۴ فتاویٰ خیریہ، خیر الدین احمد رملی ۱۰۸۱ھ، در سعادت ۱۳۱۱ھ

۹۵ در المختار، علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۸۸ھ، احمدی دہلی / دار السعادۃ ۱۳۲۴ھ

۹۶ در المنتقی، علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی ۱۰۸۸ھ، دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۳۱۶ھ

۹۷ غمز العیون، شہاب الدین سید احمد بن محمد حموی ۱۰۹۸ھ، نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۵ء

۹۸ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری)، ملا نظام الدین برہان پوری ۱۱۰۴ھ، مجیدی کانپور ۱۳۵۰ھ، اکبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۰ھ

۹۹ تکملہ بحر الرائق، محمد بن حسین طوری ۱۱۳۷ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ

۱۰۰ طحطاوی علی المراقی، سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی ۱۲۳۱ھ، عیسیٰ البابی مصر ۱۳۵۶ھ

۱۰۱ طحطاوی علی الدرر، سید احمد بن محمد بن اسماعیل طحطاوی ۱۲۳۱ھ، دار الطباعۃ عامرہ مصر ۱۲۵۴ھ

۱۰۲ العقود الدریہ، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، میمنہ مصر ۱۳۱۰ھ

۱۰۳ ثلاثین شامی، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۱۵ھ

۱۰۴ منحۃ الخالق، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار الکتب العربیہ مصر ۱۳۳۳ھ

۱۰۵ رد المحتار، علامہ ابن عابدین شامی ۱۲۵۲ھ، دار السعادۃ مصر ۱۳۲۴ھ

۱۰۶ عمدۃ الرعایہ، علامہ عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ، مجیدی

۱۰۷ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ، عبدالرحمٰن جزیری ۱۳۴۰ھ تقریباً، دار الکتب مصر ۱۳۶۹ھ

١٠٨ حاشیہ کتاب الفقہ 'عبدالرحمٰن جزیری ۱۴ویں صدی ہجری 'دارالکتب مصر ۱۳۶۹ھ

١٠٩ کفل الفقیہ الفاہم 'اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ 'نوری کتب خانہ لاہور

١١٠ طریق اثبات اہلال 'اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ 'نوری کتب خانہ لاہور

١١١ فتاویٰ رضویہ 'اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خاں ۱۳۴۰ھ 'یوسفی فرنگی محل ۱۹۶۲ء

١١٢ بہار شریعت 'مولانا امجد علی اعظمی ۱۳۶۷ھ 'رفاہ عامہ آگرہ

١١٣ افادۃ النشر 'سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

١١٤ روزہ اور ٹیکہ 'سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

١١٥ فتاویٰ نوریہ قلمی 'سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

١١٦ حاشیہ علی الشامی قلمی 'سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

١١٧ حرمت المصاہرۃ 'سیدی فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی ۱۴۰۳ھ

کتب اصول فقہ

١١٨ حسامی 'محمد بن محمد بن عمر حسام الدین اخسیکثی ۶۴۴ھ 'سعیدی

١١٩ مختصر المنتہی 'جمال الدین عثمان بن عمر بن حاجب مالکی ۶۴۶ھ 'کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ

١٢٠ منار 'ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی ۷۱۰ھ 'سعید ایچ ایم کراچی ۱۳۷۹ھ

١٢١ شرح قاضی عضد 'عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد ایجی ۷۵۶ھ 'کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ

١٢٢ حاشیہ تفتازانی علی العضد 'علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی ۷۹۲ھ 'کبریٰ امیریہ مصر ۱۳۱۶ھ

١٢٣ مسلم الثبوت 'ملا محب اللہ بن نظام الدین بہاری ۱۱۱۹ھ 'نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۳ء

١٢٤ نورالانوار 'ملا جیون صدیقی 'سعید ایم ایچ کراچی ۱۳۷۹ھ

١٢٥ فواتح الرحموت 'بحرالعلوم عبدالعلی محمد بن نظام الدین سہالوی ۱۲۲۵ھ 'سعید ایم ایچ کراچی ۱۳۷۹ھ

کتب نحو

۱۲۶ کافیہ، شیخ جمال الدین ابن حاجب ۶۴۶ھ

۱۲۷ شرح جامی، مولانا عبد الرحمٰن جامی

۱۲۸ غایۃ التحقیق، صفی بن نصیر بن نظام الدین اشرفی نویں صدی ہجری

۱۲۹ رضی، محمد بن حسن الشیخ رضی، تکمیل کتاب ۶۸۶ھ، منشی نول کشور ۱۲۷۹ھ

۱۳۰ تکملہ عبد الغفور، مولانا عبد الغفور، منشی نول کشور، ۱۸۸۵ء

متفرقات

۱۳۱ احیاء علوم الدین، امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی ۵۰۵ھ، مصطفیٰ البابی حلبی مصر ۱۳۵۸ھ

۱۳۲ الجواہر المضیہ، محی الدین عبد القادر بن ابی الوفاء محمد قرشی حنفی ۷۷۵ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ

۱۳۳ المواہب اللدنیہ، علامہ احمد بن محمد قسطلانی ۹۲۳ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۱۳۴ کشف الظنون، مصطفیٰ ابن عبد اللہ کاتب چلپی ۱۰۶۷ھ، اسلامیہ طہران ۱۳۷۸ھ

۱۳۵ زرقانی، محمد بن عبد الباقی زرقانی ۱۱۲۲ھ، ازہریہ مصر ۱۳۲۵ھ

۱۳۶ دستور العلماء، قاضی عبد النبی بن عبد الرسول احمد نگری ۱۱۷۳ھ، دائرۃ المعارف ۱۳۲۹ھ

۱۳۷ حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۷۹ھ، طباعت منیریہ ۱۳۵۲ھ

۱۳۸ الفوائد البہیہ، ابو الحسنات محمد عبد الحی لکھنوی ۱۳۰۴ھ، ندوۃ المعارف

۱۳۹ ملفوظات اعلیٰ حضرت، اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۳۴۰ھ

ھو القاضی الحاجات

۱۳۹۷ھ

"مراسلاتِ فقیہِ اعظم"

۱۹۷۷ء

صاحبِ عرفان ذی المجد والاحترام

۱۹۷۷ء

پاک سرشت محمد نور اللہ

۱۳۹۷ھ

"فتاویٰ نوریہ" پیشِ نظر ہے
یہ ہے فقہ و تصوف کا مرقع
ہر اک نقطہ ہے مثلِ ماہِ تاباں
برائے گمرہانِ علم و دانش
یہی ہے کاوشِ پیہم کا حاصل
بفیضانِ نگاہِ بو حنیفہ
نعیم الدین و دیدار علی شاہ
نگاہِ مفتیِ اعظم نعیمی
عجب دارالعلومِ حنفیہ ہے
ابوالخیر آفتابِ چرخِ حکمت
جسے ہو صحبتِ بوالخیر حاصل
محبِ محترم ، تابشؔ قصوری
ضیائے ماہ تاب علم و عرفاں
رہے تا حشر یہ مے خانہ آباد
قمرؔ کہہ دو یہ تاریخِ طباعت

عارفِ ستودہ صفات

۱۳۹۷ھ

مفتیِ اعظم زاد حیاتہٗ

۱۹۷۷ء

مقدر کا ستارہ اَوج پر ہے
یہ اک گل دستۂ گل ہائے تر ہے
ہر اِک لفظ اس کا مانندِ گہر ہے
"فتاویٰ نوریہ" ہی معتبر ہے
یہی نخلِ تمنا کا ثمر ہے
بہاروں پر گلستانِ نظر ہے
ادھر فتح محمد راہ بَر ہے
فروغِ محفلِ اہلِ بصر ہے
جو اربابِ نظر کا مستقر ہے
زبان قدس جن کی پُر اثر ہے
وہ نازاں خوبیِ تقدیر پر ہے
میسر جن کو نصر اللہ اَبر ہے
درخشاں جس سے ہر اک رہ گزر ہے
یہی وردِ زباں شام و سحر ہے
"فتاویٰ نوریہ" مدِ نظر ہے

۱۹۷۷ء

مولانا قمر یزدانی، پنوانہ ضلع سیال کوٹ

قطعہ تاریخ طباعت
فتاویٰ نوریہ (جلد دوم)

رشحات فکر حضرت مولانا الحاج سید شریف احمد شرافت نوشاہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
آستانہ عالیہ نوشاہیہ سہن پال شریف (گجرات)

بحمد اللہ ! ایں نسخۂ باکرامت
بفقہِ حنفی شدہ باشہامت
ز تالیفِ علامہ و شیخِ زاہد
ابو الخیر نور اللہ مردِ مجاہد
کہ روح و رواں انجمن حزبِ رحماں
بشہرِ بصیر[۱] آمدہ فخرِ دوراں
بفقہ و حدیث و بہ تفسیر اعلیٰ
بورع و بتقویٰ ز اقران اولیٰ
بمعقول و منقول اشہر عجائب
بعلم بدیع و علوم الغرائب
شرافت بگفتا ز سالِ طباعت
"فتاوائے نوریہ نجم سعادت"

۱۳۹۷ھ

[۱] ..... مراد بصیر پور شریف

فقیہِ اعظم فقہائے ملت

خدایا تا نگہ داری جہاں را زماں را وٗ زمین و آسماں را
بحرمت روئے تابانِ محمد! درودے بر روانش باد بے حد
کہ حضرت مولانا بوالخیر باخیر بعفو و عافیت داری بلا ضیر
بہ ابد آباد شاد آباد داری
نگہ دارش بکرم خویش و یاری

رفیقم! عالمے را دستگیر است ز پیر دستگیرے فیض گیر است
تو ے پرسی کدامیں جاش پرواز چہ گویم ز اسماں پرواز شہباز
امام اہل سنت و الجماعت فقیہِ اعظم فقہائے ملت
بہ نگہش دیدۂ دل باز گردد کہ کنجشک آمدہ شہباز گردد
زِ فتوا ہاش طبع جلد ثانی
ز نصر اللہ ترتیبش بدانی

"فتاویٰ نوریہ" عجبے کتابے کتابے باصوابے لا جوابے
مہماتِ مسائل را عیاں کرد نماندہ مشکلے آساں چناں کرد
چراغ رہ فروغ مفتیاں را ارے مشکل کشا مستفتیاں را
پئے فقہاء و وکلاء دستگیرے بہ خطباء، طلباء، بہتر نصیرے
عیاں تاریخ طبعش بے ملال است
"زِ تحقیقات کشافہ کمال است"

۱۹۷۷ء

دگر تاریخ طبعش بے عیوب است "چہ مطلوبے کہ مرغوبِ قلوب است"

۱۹۷۷ء

بصدق دل وٗ را ہر کس کہ خواند ضیاء فائز چناں گردد کہ داند

مولانا ابو الضیاء محمد باقر ضیاء النوری علیہ الرحمۃ

اجمالی فہرست کتب وابواب

فتاوی نوریہ

جلد اول

جلد دوم

کتاب الصیام
باب رؤیۃ الہلال
باب الاعتکاف
کتاب النکاح
باب المہر
باب المحرمات
باب نکاح المحصنات
باب المصاہرہ
باب الرضاع
باب الولی
رسالہ روزہ اور ٹیکہ
رسالہ "افادة النشر اوكد الامر"
کتاب الحج
باب الخطبہ
باب الشغار
باب الجمع بین المحارم
باب نکاح المعتدات
رسالہ "حرمة المصاهرة ترفع المناكحة"
باب الکفو
باب خیار البلوغ

جلد سوم

کتاب الطلاق
باب طلاق المجنون والمغمی علیہ
باب طلاق الحوامل
باب کنایۃ الطلاق
باب الطلاق بالشرط
باب تفریق القاضی
باب العدۃ
باب ما يؤكل لحمه و ما لا يؤكل لحمه
کتاب الاضحیۃ
کتاب التعزیر
رسالہ "الافتاء في جواز تعليم الكتابة للنساء"
باب طلاق الصبی
باب الطلاق فی الغضب
باب طلاق المکرہ
باب الفاظ الطلاق
باب الحلالۃ
باب الظہار
کتاب الذبائح
رسالہ حرمت زاغ
باب العقیقۃ
کتاب الحظر والاباحۃ

جلد چہارم

کتاب السرقۃ
کتاب البیوع
کتاب الرہن
باب ثبوت النسب
کتاب الوصایا
باب ذوی الفروض
باب ذوی الارحام
کتاب الدیۃ والقصاص
کتاب الربٰو
کتاب الدعوٰی
باب حضانۃ الولد
کتاب الفرائض
باب العصبات
باب العول

باب الرد — باب التصحیح
باب المناسخة — باب مسائل الشتی

جلد پنجم

کتاب العقائد — توحید
نورانیت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء — رسالہ "مسئلہ سایہ"
عظمت مصطفیٰ — قرآن کریم
ملائکہ — حساب' کتاب
رسالہ "انار استمرار الکفار فی اضرار النار" — موت وحیات
قیامت' حشر' نشر — شفاعت
مسائل ارواح — خلفاء راشدین' ائمہ اہل بیت کرام
اولیائے کرام — شریعت وطریقت
کتاب التفسیر — کتاب السنۃ والحدیث
حدیث الحبیب (حجیت حدیث کے موضوع پر تصنیف) — فوائد متفرقہ

جلد ششم

اس جلد کی حیثیت تتمہ کی ہے' اس میں وہ فتاویٰ درج ہیں' جو پہلی جلدوں میں شامل نہ کیے جا سکے۔

کتاب الطہارۃ — باب الوضوء
کتاب المساجد — کتاب الصلوٰۃ
باب الاقات — باب الامامۃ
باب ما تبطل بہ الصلوٰۃ وما لا تبطل — باب التطوع
رسالہ "قضائے سنت فجر" — باب الجمعہ والعیدین
باب الجنائز — کتاب الزکوٰۃ
کتاب الصوم — باب رؤیۃ الہلال
باب الاعتکاف — کتاب الحج
کتاب النکاح — باب المحرمات
باب المصاہرۃ — باب نکاح المعتدات والحوامل
باب الرضاع — باب الولی
باب الکفو — کتاب الطلاق
کتاب الحظر والاباحۃ — فوائد اصول متفرقہ
متفرقات